گلشنِ ارشد القادری
ملک التحریر علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی
مصنف زلزلہ و تبلیغی جماعت
فرید بک سٹال ۳۸۔ اردو بازار، لاہور ۲

گلشنِ ارشد القادری

ملک التحریر علامہ ارشد القادری مدظلہ العالی

مصنف زلزلہ و تبلیغی جماعت
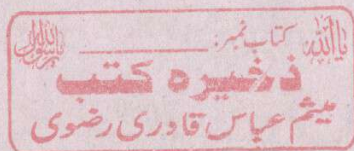
فرید بک سٹال، ۳۸ اردو بازار، لاہور

نام کتاب	:	گلشنِ ارشد القادری
تالیف	:	علامہ مولانا محمد ارشد القادری مدظلہٗ
طبع باراول	:	مئی ۱۹۹۷ء
طبع باردوئم	:	مئی ۲۰۰۱ء
خوشنویس	:	محمد یعقوب کیلانی
مطبع	:	ہاشم اینڈ حماد پرنٹرز، لاہور
ہدیہ	:	-/80 روپے

ناشر

فرید بک سٹال (رجسٹرڈ) ۳۸۔ اردو بازار لاہور

فون نمبر 042-7312173 ، فیکس نمبر 092-042-7224899

ای۔میل نمبر faridbooks@hotmail.com

فہرست

محمد رسول اللہ ﷺ

قرآن میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے اسے پڑھیئے

آج سے ۲۵ سال پیشتر جب میری ادارت میں کلکتہ سے ماہنامہ جام نور نکلتا تھا۔ اسی موقعہ پر "خورشید رسالت نمبر" کے نام سے میں نے ایک ضخیم نمبر نکالا تھا۔ اس میں "محمد رسول اللہ قرآن میں" کے عنوان سے میرا ایک مضمون شائع ہوا تھا۔ یہ توقع تو مجھے بجا طور پر تھی کہ عاشقانِ رسول کے حلقے میں میرا یہ مضمون بہت پسند کیا جائے گا۔ لیکن اس کی توقع مجھے بالکل نہیں تھی کہ اہلِ علم اس مضمون کے ساتھ اس درجہ اعتنا کریں گے کہ دلائل سے مزیّن کرنے کے لیے اس پر حواشی لکھیں گے۔

ان قدر دانوں میں لاہور کے تاج الافاضل حضرت علامہ مفتی غلام محمد شرر دامت برکاتہم کا حاشیہ مجھے بہت زیادہ پسند آیا جو اس کتاب کے ساتھ منسلک ہے۔ حضرت موصوف کا میں صمیم قلب کے ساتھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے حاشیہ لکھ کر میری کتاب کی افادیت بڑھا دی۔

اس کتاب کے بارے میں ایک فاضل جلیل کا تبصرہ میرے دل کے نہاں خانے میں اب تک محفوظ ہے کہ "مصنّف نے قرآن کے ساتھ ساتھ صاحبِ قرآن کو بھی دلوں میں اتار دیا ہے۔ حدیثوں میں تو ضعیف کہہ کر جان بچانے کی عیّاری چل جاتی ہے لیکن قرآن کے متعلق اس طرح کا کوئی فریب نہیں چل سکتا۔"

اب اس بار نئے اضافے کے ساتھ یہ کتاب مکتبہ جام نور کے منتظمین شائع

کر رہے[1] ہیں۔ مجھے امید ہے کہ شائقین اسلام اور عاشقانِ رسول اس کتاب کو پڑھتے ہوئے ایک نئی لذت محسوس کریں گے۔

ارشد القادری

۳ فروری ۱۹۸۸ء

---

[1] اب یہ کتاب علامہ ارشد القادری کی اجازت سے فرید بک سٹال لاہور کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن ٥ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْن ٥ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْن ٥

کوئی کھلا ہوا کافر اگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کا منکر ہو تو یہ چنداں تعجب خیز امر نہیں ہے کہ وہ بیگانہ محض ہے۔ کلمۂ اسلام کے ساتھ اس کا رشتہ ہی کیا ہے کہ وہ پیغمبر اسلام کا احترام بجالائے گا۔

لیکن وقت کا سب سے بڑا ماتم تو یہ ہے کہ ایک گروہ جو اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے مسلم معاشرہ کے ساتھ مذہبی اشتراک کا بھی مدعی ہے۔ مگر دل کا غیظ اور زبان کی جسارت یہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک نامہ بر ہیں۔ خدا کی جناب میں ان کی حیثیت ایک پیغام رساں سے زیادہ نہیں ہے۔ وہ ہماری طرح بشر ہیں بالکل ایک معمولی بشر!

ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگوں کے تئیں یہ اندازِ فکر بہت زیادہ معیوب نہ ہو لیکن حقیقت سے زیادہ قریب ہو کر سوچیے تو انسانی تخیل کی یہی وہ منحوس سرزمین ہے جہاں سے علمی اور اعتقادی مفاسد کے بے شمار کانٹوں نے جنم لیا ہے۔

چونکہ اس وقت میرا موضوعِ بحث یہ مسئلہ نہیں ہے ورنہ تفصیل کے ساتھ میں اس امر پر روشنی ڈالتا کہ اس طرح کے ذہن سے اسلامی روح کی توانائی کو کتنا شدید نقصان

پہنچا ہے۔ مجھے تو آج صرف یہ مسئلہ واضح کرنا ہے کہ ربُّ العزت کی جناب میں اس کے رسول کی قرار واقعی حیثیت کیا ہے؟

یہ معلوم کرنا بندے کی حدود و اختیار سے باہر کی چیز ہے۔ یہ تو صرف ربُّ العزت ہی جانتا ہے اور وہی بتا سکتا ہے کہ اس کے دربار میں اس کے رسول کی کیا شان ہے؟

خدا کا شکر ہے کہ اس کی زندہ و تابندہ کتاب قرآن مجید بالکل اصل حالت میں آج بھی ہمارے درمیان موجود ہے۔ اسی آئینے میں اس حقیقت کا سراغ لگایا جا سکتا ہے کہ خدا کے تئیں اس کے رسول کی کیا شان ہے۔

جو لوگ اپنے ذہن کی فرضی بنیادوں پر منصب رسالت کی حد بندی کرتے ہیں وہ ذرا انصاف نظر کے ساتھ ذیل کی آیتوں میں قرآن کا تیور ملاحظہ فرمائیں اور ان کے مواقع نزول کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ بات بات پر جس کی عظمت شان کا اس درجہ اہتمام کیا جا رہا ہے کیا محبوب کے علاوہ بھی یہ اعزاز کسی "نامہ بر" کو آج تک مل سکا ہے؟

میں نے ذیل کے مضمون کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ پہلے شانِ نزول، اس کے بعد آیت اور پھر حسبِ ضرورت اس کی مختصر تشریح، اور نتیجہ نکالنے کی تمام تر ذمہ داری آپ کے ضمیر کو سونپ دی ہے۔ کیونکہ اچھے ضمیر سے کسی بد دیانتی کا حادثہ مشکل ہی سے واقع ہوتا ہے۔

پہلی آیت کریمہ

شان نزول ــــــ تفسیر کی کتابوں میں منقول ہے کہ زمانۂ رسالت کے آغاز میں بمصلحتِ ایزدی ایسا اتفاق پیش آیا کہ چند دنوں تک نزول وحی کا سلسلہ رُک گیا۔ کفار مکہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے از راہِ طعن یہ کہنا شروع کر دیا

وَدَّعَ رَبُّ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا محمد کے رب نے محمد کو چھوڑ دیا اور ان کی طرف سے نظر پھیر لی۔ کفار کی اس بدگوئی سے سرکار کے قلب مبارک کو صدمہ پہنچا اور حضور اُداس رہنے لگے۔

رحمتِ یزدانی سے اپنے محبوب کی یہ اُداسی دیکھی نہ گئی خاطرِ اقدس کی تشفی کے لیے فوراً ہی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(تفسیر خزائن العرفان۔ خازن ابن جریر)

وَالضُّحٰى وَ الَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝

قسم ہے چڑھتے دن کی۔ قسم ہے رات کی، جب پوری طرح چھا جائے، کہ آپکے رب نے نہ آپ کو چھوڑا۔ اور نہ وہ ناراض ہوا، یقیناً آپ کی (ہر) آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی گھڑی سے بہتر ہے اور بلاشبہ آپ کا رب آپ کو عنقریب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

تشریح ان آیتوں میں خاص طور سے جو چیز قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ محبوب خاموش ہیں اور دشمن کے طعن کا جواب رب ذوالجلال دے رہا ہے۔ یگانگت و پاسداری کا یہ حقیقت افروز تعلق کیا کسی نامہ بر کے ساتھ بھی دیکھا گیا ہے۔

بعض علمائے تفسیر فرماتے ہیں کہ اس سورتِ پاک میں چڑھتے دن سے مراد محبوب کا عارضِ تاباں ہے اور شب تاریک سے اشارہ محبوب کے گیسوئے عنبریں کی طرف ہے گویا مدعائے کلام یہ ہے کہ محبوب! ذرا اپنے رُخِ روشن پر زلفیں بکھیر کر دیکھیے کہ کیا ایسا پیکر جمیل بھی کراہت و انقطاع کے قابل ہو سکتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جدائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہو گی

دوسری آیت کریمہ

شان نزول ——— کہتے ہیں کہ دنیائے کفر کے مشہور گستاخ ولید ابن مغیرہ نے ایک دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

یَاَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْکَ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ ط

اے وہ شخص کہ جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو مجنوں و دیوانہ ہے

بس اتنا کہنا تھا کہ قہر الٰہی کا بادل کڑکا، بجلی چمکی اور غیظ و جلال میں ڈوبی ہوئی یہ آیتیں ولید ابن مغیرہ کی مذمت میں نازل ہوئیں۔

(تفسیر خزائن العرفان۔ ابن جریر)

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ ۝ مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَیُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَیِّکُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝

"قسم ہے قلم کی اور اس کے نوشتوں کی کہ آپ اپنے رب کے فضل سے مجنوں نہیں ہیں اور یقیناً آپ کے لیے بے پایاں اجر و ثواب ہے اور بلاشبہ آپ کی جو بڑی شان کی ہے پس عنقریب آپ بھی ملاحظہ فرمائیں گے اور وہ بھی دیکھ لیں گے کہ دیوانہ کون ہے۔"

اب گستاخ کی مذمت میں ذرا قرآن کے یہ الفاظ گنیے اور اندازہ لگائیے کہ محبوب کے دشمن کے ساتھ قرآن کی گفتار کا تیور کتنا غضب ناک ہو گیا ہے۔ وہ آیتیں

یہ ہیں :

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝

(اے محبوب) آپ کسی بھی ایسے شخص کی بات مت سُنیے جو بڑا قسمیں کھانے والا، ذلیل، بہت بڑا طعنہ باز، بہت بڑا چُغلخور، بھلائی سے بہت زیادہ روکنے والا۔ حد سے گزرا ہوا، گنہگار، درشت خو، اور سب پر طرہ یہ کہ ولدالحرام ہے اور مزید براں یہ کہ مال و اولاد والا ہے۔ جب ہماری آیتیں اس کے سامنے پڑھی جاتی ہیں تو کہتا ہے کہ یہ اگلوں کے قصّے ہیں عنقریب ہم اس کی سُوّر جیسی تھوتھنی پر داغ دیں گے۔

ایک انتہائی عبرتناک واقعہ

منقول ہے کہ ولید ابن مغیرہ کے حق میں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں تو عالم غیظ میں وہ تلملا اٹھا اور اپنی ماں سے جا کر دریافت کیا۔

ابھی ابھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے متعلق دس باتیں بیان فرمائی ہیں اپنی نو برائیوں کے بارے میں تو میں خوب جانتا ہوں کہ وہ میرے اندر موجود ہیں۔ لیکن دسویں بات کہ میری اصل میں بھی فرق ہے۔ اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ ویسے ہزار دشمنی کے باوجود مجھے اس کا یقین و اعتراف ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات غلط نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اب سچ سچ بتا دے کہ حقیقت حال کیا ہے۔ ورنہ میں

تیرا سر قلم کردوں گا۔

تیور دیکھ کر اس کی ماں نے صاف صاف بتادیا کہ تیرا باپ نامرد تھا۔ اس لیے ایک چرواہے کے ساتھ میرا ناجائز تعلق ہوگیا اور اس کے نتیجہ میں تیری پیدائش عمل میں آئی۔ [1]

تشریح

حالتِ غیظ میں جب انسان اپنے کسی دشمن کے عیوب کا پردہ چاک کرتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ یہ نفسانی ہیجان کا ردعمل ہے۔ لیکن یہاں کیا کہیئے گا؟ یہ کلام تو اس پاک و مقدس خداوند کا ہے جس کی ذات شوائب نفسانی سے بالکل پاک و منزہ ہے۔

اس لیے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ وہ ستّار العیوب جو اپنے بڑے سے بڑے سیہ کار بندے کی پردہ پوشی فرماتا ہے۔ اس نے پیغمبر کے ایک گستاخ کو سارے جہاں میں رُسوا کرکے یہ ظاہر فرمادیا ہے کہ جس معصوم و محترم نبی کے گستاخ کے لیے اس کے یہاں کسی عفوودرگزر کی گنجائش نہیں ہے اُس کی حیثیت نامہ بر کی نہیں ہے، محبوب ذی وقار کی ہے۔ یہاں بھی وہی ادائے رحمت جلوہ گر ہے کہ گستاخ نے نشانہ بنایا ہے ذاتِ رسول کو جواب دے رہا ہے ان کا رب کریم۔ محبوب خاموش ہے، قرآن اس کی وکالت فرمارہا ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی بدنصیب کہہ سکتا ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت ایک خبر رساں کی ہے۔ بلکہ ایک ایسے محبوب کی ہے جو خدا کی محبت کے گہوارے میں پلا۔ اسی کی رحمتوں نے اسے ساری کائنات کی افسری بخشی اور اُسے خالق و مخلوق اور عابد و معبود کے درمیان رابطہ کا ایک ذریعہ بنایا۔ اس لیے اس کی حیثیت صرف

---

[1] چنانچہ تفسیر رُوح البیان میں تفسیر امام زاہدی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں ملاحظہ ہو جلد ۲۹ صہ ۱۱۲)

ایک نامہ بر کی نہیں ہے بلکہ نامہ کے اسرار و رموز سے باخبر کرنے والے کی ہے۔

تیسری آیت کریمہ

شان نزول ——— بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ذکور میں سے آخری فرزند دلبند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ کا جب وصال ہوا تو کفار مکہ نے طعنہ دیا کہ آپ ابتر ہو گئے۔ یعنی اب آپ کی نسل منقطع ہو گئی۔ نسبی یادگار کا سلسلہ ختم ہو گیا۔[1]

لخت جگر کی وفات کا صدمہ ہی کیا کم تھا کہ دشمنوں کے اس طعنہ سے اور بھی غم کی چوٹ ابھر آئی۔ قلب نازک کو غیر معمولی اذیت پہنچی اور آپ اداس اور ملول رہنے لگے چند لمحے کا اضطراب بھی دریائے رحمت کے لیے تلاطم سے کم نہیں تھا۔ خدائے کردگار نے اپنے محبوب کی تسکین و تشفی کے لیے فوراً یہ سورت نازل فرمائی۔

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ○ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ○ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ○

(اے محبوب) بیشک ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا۔ پس اپنے رب کے

---

[1] ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت عقبہ بن ابی معیط کے بارے میں نازل ہوئی اور ایک یہ کہ مشرکین مکہ نے آپس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق طعنہ زنی کی مگر جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ عاص بن وائل نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ نازیبا لفظ استعمال کیا تو اس شخص کی مذمت میں یہ سورت نازل ہوئی۔

(ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی جلد ۳۰ ص ۲۴۵)

لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے۔ یقیناً آپ کا دشمن ہی ابتر ہے۔"

تشریح

غور فرمایئے! دنیا میں کسے اپنی اولاد کی جدائی کا صدمہ نہیں اٹھانا پڑتا۔ دشمن کے طنز سے کس کا سینہ گھائل نہیں ہوتا۔ لیکن کیا دنیا میں اس کی بھی مثال موجود ہے کہ دشمن کے طنز کا جواب دینے کے لیے خدائے کائنات نے خود کسی کی وکالت فرمائی ہو اور بھیگی ہوئی پلکوں کے آنسو خشک کرنے کے لیے حضرت روح الامین قرآن لے کر اُترے ہوں۔

مشیت الٰہی کا یہ منفرد اور نرالا انداز واضح طور پر اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ جس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جا رہا ہے وہ خود بھی اپنی شان میں نرالا اور منفرد ہے۔

ایک نکتہ:

اس سورت پاک میں کوثر کے لفظ سے دو معنی مراد لیے گئے ہیں۔"حوض کوثر" جو جنت میں سرد و شیریں اور شفاف نہر ہے کہتے ہیں کہ یہ نہر جنت کے تمام قصور و محلات سے گزرتی ہوئی لا محدود وسعتوں میں پھیل جاتی ہے۔ اس تفسیر پر آیت کا مفاد یہ ہوگا کہ اے محبوب! آپ اپنے فرزند کی وفات پر کیوں اداس و غمزدہ ہیں۔ ہم نے تو آپ کو وہ گھر ہی عطا فرما دیا ہے۔ جہاں اب ان کا ٹھکانہ ہے۔ وہ بھی آپ ہی کی ملکیت ہے۔ جب دونوں گھر آپ ہی کے ہیں تو صرف گھر کی تبدیلی پر صدمہ کیسا؟ کل تک وہ اس گھر میں تھے آج اس گھر میں ہیں وہ آپ کے گھر سے جدا ہی کہاں ہوئے کہ فراق کا صدمہ اٹھایئے۔

دوسرا نکتہ

"کوثر" کے دوسرے معنیٰ ہیں "خیر کثیر"[1] یعنی ہم نے آپ کو خیر کثیر عطا فرمایا

[1] تفسیر روح المعانی میں ہے۔

"خیر کثیر" کے وسیع مفہوم میں قیامت تک پیدا ہونے والے اُمتِ محمدی کے وہ تمام افراد داخل ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلّم کی لائی ہوئی شریعت پر کاربند رہ کر خیر و حسنات کا ذخیرہ جمع کریں گے۔

اس تفسیر پر آیت کا مفاد یہ ہے کہ دُشمنوں کے طنز کا ہرگز آپ کوئی اثر نہ لیں۔ جب تک گردشِ لیل و نہار کا یہ سلسلہ باقی ہے۔ روئے زمین آپ کی روحانی اولاد سے ہمیشہ معمور رہے گی۔ شش جہات میں آپ ہی کے نام کا ڈنکا بجے گا۔ نسبی اولاد اگر اپنے آباؤ اجداد کی تعریف کرے تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ خون کا اثر ہے۔ لیکن ایسے کروڑوں افراد کی ثنا خوانی جن سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے ان کے اعترافِ کمال کو حقیقت ہی پر مبنی قرار دیا جائے گا۔ راہ چلتا ہوا کوئی اجنبی بلاوجہ کسی کا کلمہ نہیں پڑھ سکتا۔ جب تک کہ حقیقی عظمتوں کا ماتھے کی آنکھ سے نظارہ نہ کرے۔ آپ کی جلالتِ شان کا پرچم بلند کرنے کے لیے آپ کی معنوی اولاد کیا کم ہے کہ نسبی اولاد کی فرقت کا صدمہ اٹھائیے ——— غور فرمایئے ! ایک ہی آیت میں دونوں طرح کے غموں کا مداوا کر دیا گیا ہے۔ فرزند ارجمند کی جدائی بھی اب جدائی نہیں رہی اور اس صدمہ کا ازالہ بھی ہو گیا کہ بیٹے کی وفات کے بعد بھی چراغ جلتا رہے گا۔ اور نام کو زندہ رکھنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔

غور فرمایئے ——— محبوب کی خاطر نازک کی تشفی کے لیے اتنا بہت کافی تھا لیکن محبت کا تقاضا اتنے پر ہی تمام نہیں ہو جاتا۔ ابھی گستاخ کو کیفر کردار تک پہنچانا باقی ہے۔

چنانچہ فرمایا جاتا ہے کہ ——— جس گستاخ نے آپ کو بے نام و نشان ہو جانے کا طعنہ دیا ہے سن لیجیے کہ اسی کا نام و نشان مٹ جائے گا۔ اسی کی نسل منقطع ہو جائے گی۔

یہیں سے محبت کا دستور سمجھ میں آیا کہ محبوب کی عظمت شان کا اعتراف اور ہزار اداؤں کے ساتھ اس کے جلوؤں کی مدح سرائی جہاں ایک شیوۂ محبت ہے وہاں دشمن کی کھلی ہوئی مذمت اور واضح طور پر اس کی بدگوئی کی تردید بھی محبت ہی کا تقاضا ہے۔

یہاں سے ان لوگوں کی دل کی چوری پوری طرح بے نقاب ہو جاتی ہیں جو ایک طرف تو محبتِ رسول کے مدعی ہیں اور دوسری طرف رسول پاک کے گستاخوں کی مذمت کا کوئی سوال اٹھتا ہے تو ذاتی مفاد کی مصلحت فریضۂ محبت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے۔

حالانکہ یہ فطری امر ہے کہ جب کسی کی محبت کسی کے دل میں خوب راسخ ہو جاتی ہے تو محبوب کی خوشنودی کا حصول اس کی روح کا مزاج بن جاتا ہے۔ اور محبت ہی کا تقاضا ہے کہ ہر اُس چیز سے محبت کی جائے جس کا محبوب کے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ اور ہر اُس چیز سے نفرت کی جائے جو محبوب کو ناگوارِ خاطر ہو۔ خلاصہ یہ کہ محبوب کے دوستوں سے دوستی کی جائے اور محبوب کے دشمنوں سے نفرت! اگر کوئی ایسا نہیں کرتا تو وہ اپنے دعوائے محبت میں جھوٹا ہے [1]

---

[1] تفسیر معالم التنزیل وخازن میں اس سے ملتا جلتا واقعہ بھی مروی ہے۔ حضرت سدی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری اُمت میرے سامنے پیش کی گئی اس کی صورت میں جو مٹی سے پیدا ہونا تھی۔ جیسا کہ آدم علیہ السلام کے سامنے پیش کی گئی اور مجھے بتا دیا گیا کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرے ساتھ کفر کرے گا۔ جب منافقوں کو آپ کا یہ ارشاد پہنچا تو وہ ازراہِ استہزاء کہنے لگے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتے ہیں کہ میں اسے جانتا ہوں جو مجھ پر یقین لائے گا۔ اور اسے بھی جو میرے [illegible]

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

حالانکہ ہم ان کے ساتھ ہیں اور ہمارا انہیں علم نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کی اس بات کی خبر ہوئی اور آپ منبر پر جلوہ گر ہوئے اور حمد الٰہی بجالائے پھر فرمایا:

ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسألونی عن شئ فیما بینکم وبین الساعۃ الا انباتکم بہ۔

یعنی ان لوگوں کا کیا حال ہے جو میرے علم میں طعن کرتے ہیں۔ تم لوگ اب سے قیامت تک ہونے والی جس چیز کے بارے میں مجھ سے پوچھو گے میں بتا کر ہی رہوں گا۔ پس حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔ یارسول اللہ بتائیے میرا باپ کون ہے۔ فرمایا۔ حذافہ۔ پھر حضرت عمر کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم خدا کے پروردگار، اسلام کے دین۔ قرآن کے امام اور آپ کے نبی ہونے پر راضی ہیں ہم سے درگزر فرمائیں اور اللہ آپ سے درگزر فرمائے۔ تو آپ نے فرمایا: فھل انتم منتھون۔ لوگو! کیا تم باز آجاؤ گے؟ یہ کہہ کر منبر سے اترے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(تفسیر معالم التنزیل و خازن

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب پر طعن اور انکار کرنا منافقوں کا کام ہے اور اسے تسلیم کرنا مومنوں کا جس طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کھڑے ہو کر تسلیم و رضا کا اظہار کیا۔ یہی مومن کی شان ہے اور اعتراض کرنا منافق کی پہچان ہے

تو دانائے ماکان و مایکون ہے

مگر بے خبر بے خبر دیکھتے ہیں

(اعلیٰ حضرت)

چوتھی آیت کریمہ

شان نزول ——— بیان کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے۔ اثنائے سفر میں کسی صحابی کا اونٹ گم ہوگیا۔ وہ اپنے عقیدہ کے مطابق سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر فریادی ہوئے اور غیب کی خبر رکھنے والے رسول سے اپنے گم شدہ اونٹ کا پتہ دریافت کیا۔

سرکار دو عالم نے اپنے علم کی روشنی میں فرمایا

"تمہارا اونٹ فلاں وادی میں فلاں مقام پر کھڑا ہے"

وہ صحابی اُلٹے پاؤں سرکار کے بتائے ہوئے مقام پر روانہ ہو گئے۔

اب ادھر کا قصہ سُنیے ——— لشکر میں کچھ منافقین بھی تھے۔ جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی گم شدہ اونٹ کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ فلاں وادی میں فلاں مقام پر کھڑا ہے تو از راہِ طنز اُنہوں نے آپس میں کہنا شروع کیا وَمَا یُدْرِیْ مُحَمَّدٌ بِالْغَیْبِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) غیب کی بات کیا جانیں (یعنی معاذ اللہ انہوں نے یہ بالکل فرضی خبر دی ہے کہ اونٹ فلاں مقام پر ہے) چھپی ہوئی باتوں کا حال انہیں کیا معلوم؟ یہ منافقین جب مدینہ پلٹ کر واپس آئے تو بعض صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ خبر پہنچائی کہ فلاں فلاں لوگ حضور کے علم غیب کے بارے میں اس طرح کا طنز کر رہے تھے۔

سرکار نے جب انہیں بلا کر دریافت کیا تو ایک دم بدل گئے۔ کہنے لگے کہ ہماری قوم کے چند نوخیز لڑکوں نے یونہی ازراہِ مذاق آپس میں اس طرح کی باتیں کی تھیں۔ ویسے در حقیقت ہم لوگ حضور کی غیب دانی کے منکر نہیں ہیں۔ ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو عام صحابہ

کا ہے۔ اپنی صفائی میں وہ بیان دے ہی رہے تھے کہ حضرت روح الامین قرآن کی یہ آیتیں لے کر اترے۔

قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۝

"(اے محبوب) آپ کہہ دیجیے کہ کیا مذاق کرنے کے لیے اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول ہی رہ گیا ہے۔ باتیں نہ بناؤ۔ ایمان قبول کرنے کے بعد تم کافر و مرتد ہو گئے۔"

(در منثور)

تشریح :—

اللہ اکبر! اپنے محبوب کی حمایت میں ذرا ان آیتوں کا تیور تو دیکھیے تنبیہات کی یہ لگاتار سرزنش لرزا دینے کے لیے کافی ہے۔

پہلی تنبیہ :— تو یہ فرمائی گئی کہ رسول کی شان میں کسی طرح کا اہانت آمیز جملہ فقط رسول ہی کا انکار نہیں خدا کا بھی انکار ہے آج جو لوگ توحید خداوندی کا نام نہاد سہارا لے کر اس کے رسول کی تنقیص کرتے ہیں وہ اس گمان میں نہ رہیں کہ یہ تنقیص صرف رسول کی ہی ہے۔ بلا تفریق یہ تنقیص شانِ خداوندی کی بھی ہے۔

دوسری تنبیہ :— یہ فرمائی گئی ہے کہ رسول کے بارے میں علم غیب کا عقیدہ کوئی فرضی چیز نہیں ہے کہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔

اسلام و ایمان کے دوسرے حقائق کی طرح یہ بھی ایک ایسی مثبت حقیقت ہے جس کا انکار کرتے ہی اسلام و ایمان کے ساتھ کوئی رشتہ باقی نہیں[1] رہ جاتا۔

---

[1] نبوت کے لیے علم غیب لازم ہے کیونکہ نبوت غیب سے مطلع ہونے (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

تیسری تنبیہ :۔ ـــــــــــ یہ فرمائی گئی کہ رسول کی تنقیص و توہین بس یہی نہیں ہے کہ معاذ اللہ ان کی شان میں مغلظ الفاظ استعمال کیے جائیں۔ بلکہ ان کی کسی لازمۂ نبوت فضیلت و کمال کا انکار بھی ان کی تنقیص شان کے لیے کافی ہے۔

چوتھی تنبیہ :۔ ـــــــــــ یہ فرمائی گئی کہ دنیا میں بڑے سے بڑے گناہ کی معذرت قبول کی جاسکتی ہے۔ لیکن شانِ رسول میں گستاخی کا جملہ استعمال کرنے والوں کی کوئی تاویل نہیں سنی جائے گی۔ ؎۱

حاشیہ صفحہ سابقہ :

کا نام ہی ہے۔ نبی سے مطلق علم غیب کی نفی کرنا کفر ہے۔ کہ یہ نبوت کو لازم ہے۔ لازم کی نفی اور انکار ملزوم کی نفی و انکار ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ان له صفة بها يدرك ما سيكون في الغيب (زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۲) یعنی نبی میں ایک صفت ایسی بھی ہوتی ہے جس سے وہ غیب میں ہونے والی باتوں کو جانتا ہے۔

حاشیہ صفحہ ہذا :

؎۱ یعنی جو لفظ صریح طور پر گستاخی ہوگا۔ وہاں گستاخی کی کوئی تاویل نہیں سنی جائے گی کیونکہ لفظ صریح تاویل کا قابل نہیں ہوتا۔ چنانچہ خفاجی شرح شفا میں اور انور شاہ کشمیری دیوبندی اکفار الملحدین میں لکھتے ہیں کہ "التاويل في لفظ صراح لا يقبل" شرح شفا نسیم الریاض ج ۲ ص ۳۷۵ اکفار الملحدین ص ۶۲) اور ضروریات دین میں تاویل کرنے سے کفر سے نہیں بچ سکتا۔ چنانچہ کشمیری صاحب لکھتے ہیں :

والتاويل في ضروريات الدين لا يدفع الكفر (اکفار ص ۵۹)

لہٰذا گستاخ نبوت کو جس نے صریح گستاخی کی ہے ضرور کافر و مرتد قرار دیا جائے گا۔ اور جو اسے کافر نہ کہے گا وہ بھی کافر قرار پائے گا۔ اور گستاخ نبوت (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پانچویں تنبیہہ ——— یہ فرمائی گئی کہ کلمہ گوئی اور اسلام کی ظاہری نشانیاں توہینِ رسالت کے نتائج و احکام سے کسی کو بچا نہیں سکتیں۔ لاکھ کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا رہے تنقیص شانِ رسول کے ارتکاب کے بعد اس کے لیے دائرہ اسلام میں اب کوئی گنجائش نہیں ہے۔ تکفیر کے ذریعے اس کے اخراج کا اعلان کر دینا ضروری ہے تاکہ مسلم معاشرہ اس کے نمائشی اسلام سے دھوکہ نہ کھائے۔ اور اس کے ساتھ دینی اشتراک کا کوئی تعلق باقی نہ رکھا جائے۔

حاشیہ صفحہ سابقہ:

کا قتل بھی واجب ہے۔ اسے کوئی معافی نہ دی جائے گی۔ چنانچہ مولانا علی قاری شرح شفا میں اور انور شاہ کشمیری دیوبندی اکفار الملحدین میں لکھتے ہیں:

اجمع العلماء علی ان شاتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المنقص له کافر ومن شک فی کفرہ وعذابہ کفر۔ (اکفار ص۴۱ / ۵۶)

یعنی علماء کا اس بات پر اجماع و اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گستاخ کافر ہے۔ اور جو اس کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔ کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم له ان یعفو عن سابه وله ان یقتل وقع کلا الامرین واما الامة فتجب علیهم قتله ص۲ لاتقبل توبته ص۴۱۔

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تھا کہ اپنے گستاخ کو معاف فرما دیں یا قتل کرا دیں۔ اور یہ دونوں باتیں واقع ہوئیں اور امت پر بہر حال گستاخ نبوت کا قتل واجب ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی۔ (اکفار) (انور شاہ کشمیری)

حاشیہ صفحہ ہذا:

[1] اسی کی تائید انور شاہ کشمیری کی زبانی سنیے فرماتے ہیں:

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

پانچویں آیتِ کریمہ

شانِ نزول ——— بیان کرتے ہیں کہ سرکار انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا

"مَنْ اَطَاعَنِیْ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہ"

جس نے میری اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی!

اس جملے پر یہودی مذہب کے لوگ بہت زیادہ چیں بہ جبیں ہوئے ان کے درمیان آپس میں یہ چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں کہ آپ خدائی کا منصب لینا چاہتے ہیں۔ ان کی خواہش ہے کہ اب خدا کی طرح ان کی بھی پرستش کی جائے۔ یہودیوں کے اس طعن کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ وَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا ۝

"جس نے رسول کی اطاعت کی یقیناً اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

لاخلاف فی کفر المخالف فی ضروریات الاسلام وان کان من اھل القبلۃ المواظب طول عمرہ علی الطاعات۔ (اکفار الملحدین ص۱۱)

یعنی ضروریات اسلام کی مخالفت اور خلاف ورزی کرنے والے کے کفر میں کوئی اختلاف نہیں اگرچہ وہ قبلہ کو منہ کرکے نمازیں پڑھیں اور اگرچہ عمر بھر ہمیشہ طاعات و عبادات بجا لاتا رہے اس کی کوئی پرواہ نہ کی جائے گی۔ (فقیر قادری)

جس نے آپ کی اطاعت سے گریز کیا تو سُن لیجئے کہ اُس پر آپ کا کوئی ذمہ نہیں۔

تشریح اس آیت میں پروردگارِ عالم نے بَرملا یہودیوں کے اس خیال کی تردید فرمائی کہ اطاعت اور عبادت دونوں ایک ہی چیز ہیں —— اطاعت چاہنے والے پر یہ الزام رکھنا کہ وہ اپنی پرستش کرانا چاہتا ہے، کھُلا ہوا بہتان اور قلب و ذہن کی واضح ترین شقاوت و گمراہی ہے۔

یقیناً رسول کی شان یہی ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے بلکہ وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہے کہ جس نے اس کی اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی۔

ذرا غور فرمایئے!

کہ یہودیوں کے اس ناپاک خیال کی تردید کے لیے اتنا بہت کافی تھا۔ لیکن بیان کا یہ دوسرا رُخ کتنا لرزہ خیز ہے کہ جو آپ کی اطاعت سے گریز کرتا ہے یا آپ کی اطاعت کو اطاعت الٰہی نہیں سمجھتا تو آپ کا اس پر کوئی ذمہ نہیں ہے۔ ہم نے آپ کو اس کے اوپر نگران بنا کر بھیجا ہی نہیں ہے۔

آج بھی مسلم معاشرہ میں یہودیوں کے اس ذہن کا ایک گروہ موجود ہے جو اپنے نمائشی اسلام کے چلمن میں بیٹھ کر حق پرست مسلمانوں کو اسی طرح کے طعنے دیتا ہے اپنی بدعقیدگی اور کج فہمی سے منصب رسالت کی ہر توقیر کو وہ خدا ہی کا حق سمجھتا ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جائز تعظیم بھی اسے پرستش نظر آتی ہے۔ بالکل یہودیوں کی طرح بات بات میں یہی طعنے دیتا ہے کہ ہم معاذ اللہ رسول کو خدا کے منصب پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قرآن کی اس آیت سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے [۱]

---

[۱] اور اپنے روحانی پیشوا جناب علامہ ابن تیمیہ کی بات سُننی چاہیئے۔ وہ فرماتے ہیں۔

چھٹی آیت کریمہ

شانِ نزول ——— آغازِ اسلام میں جب کہ قدم قدم پر دشمنوں کی یلغار سے زندگی گھائل ہو رہی تھی توحید الٰہی کا اقرار قیامت کو بلا لانے کے مترادف تھا۔ قبائل کفر کے سارے فرمان رواؤں نے رسول کی آواز کی سماعت سے دنیا کو روک دیا تھا انہی ایام میں ایک دن عربی سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا کی چوٹی پر چڑھ گئے اور

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

ان جهة حرمة الله تعالیٰ و رسوله جهة واحدة فمن اذى الرسول فقد اذى الله ومن اطاعه فقد اطاع الله لان الامة لا یصلون مابینهم وبین الله تعالیٰ الا بواسطة الرسول لیس لاحد منهم طریق غیره ولا سبب سواه وقد اقامه الله تعالیٰ مقام نفسه فی امره ونهیه واخباره وبیانه فلا یجوز ان یفرق بین الله و رسوله فی شیٔ من هذه الامور۔ الصارم المسلول ص۴۱

یعنی خدا تعالیٰ اور رسول اعلیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت و عزت کی جہت ایک ہی جہت ہے تو جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دی تو اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو ایذا دی کیونکہ اُمت کسی ایسی چیز کو نہیں پا سکتی جو اس کے اور خدا کے درمیان ہے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلۂ جلیلہ سے۔ کسی اُمتی کے لیے خدا تک رسائی کا حضور کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اور نہ حضور کے سوا کوئی دوسرا سبب ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نے امر و نہی اور خبر و بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائم مقام بنا دیا ہے۔ لہٰذا ان امور میں خدا (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(حاشیہ صفحہ سابقہ)

اور رسول کے درمیان کوئی فرق کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح جو حضرات مصنوعی اور موہومی توحید کے گھمنڈ میں اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج متصور نہیں کرتے بلکہ اسے شرک اور نہ جانے کیا کیا ٹھہراتے ہیں۔ وہ ابن تیمیہ کے شاگردِ اعظم جناب علامہ ابن قیم جوزی کی سنیں وہ کیا فرماتے ہیں۔

لما کمل الرسول صلی اللہ علیہ وسلم مقام الافتقار الی اللہ تعالیٰ، احوج الخلائق کلھم الیہ فِی الدنیا والاخرۃ اما حاجتھم الی الطعام والشراب والنفس الذی بہ حیاۃ ابدانھم واما حاجتھم فی الاخرۃ فانھم یتشفعون بالرسل الی اللہِ حتی یریحھم من ضیق مقامھم فکلھم یتاخر عن الشفاعۃ فیشفع لھم وھو الذی یستفتح لھم باب الجنۃ۔ الفوائد للامام ابن قیم جوزیہ۔ (ص ۱۵۳)

یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر خدا کے حاجت مند ہوئے تو خدا نے ساری مخلوق کو دنیا و آخرۃ میں حضور کا محتاج کر دیا۔ دنیا میں مخلوق کو حضور کی حاجت کھانے پینے اور سانس سے بھی زیادہ ہے جس سے ان کی زندگی قائم ہے اور مخلوق کو آخرت میں حضور کی حاجت یوں ہوگی کہ سارے رسولوں سے خدا کی بارگاہ میں شفاعت کرنے کی درخواست کریں گے کہ وہ انہیں تنگی حشر میں آسانی دے۔ سب رسول شفاعت سے گریز فرمائیں گے۔ پس حضور ہی شفاعت فرمائیں گے اور ان کے لیے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔

وہ جہنم میں گیا جو اُن سے مستغنی ہوا
ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

انہیں اچانک ٹوٹ پڑنے والے خطرہ سے خبردار کرنے والی زبان میں آواز دی۔ اس آواز پر سارے اہلِ مکّہ بے تحاشا دوڑ پڑے۔ آپ کے گرد جمع ہونے والوں میں ابولہب بھی تھا جب سب جمع ہو گئے تو حضور نے مجمع سے سوال کیا۔

اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی گھاٹی میں دشمن کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے اور تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو کیا تم میری اس خبر کا یقین کرو گے؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا۔ کیوں نہیں، اس زبان پر کیوں نہیں ہم اعتماد کریں گے جو کبھی جھوٹ سے آلودہ نہیں ہوئی۔ جس کی طہارت پر یقین کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان ہے [ا]۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا۔

میں تمہیں اس سے بھی زیادہ سنگین اور تباہ کُن عذاب کی خبر دے رہا ہوں جو تمہارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔ اگر تم اپنی سلامتی چاہتے ہو تو کفر و شرک کی زندگی سے تائب ہو کر پرچم اسلام کے دارالامان میں آجاؤ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تقریر سُن کر ابولہب کے تن بدن میں آگ لگ گئی آنکھوں سے چنگاری اُڑنے لگی۔ غصّے سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ فرطِ غیظ میں جلتے ہوئے کہا۔

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا

"تمہارا ناس لگ جائے تم نے یہی سنانے کے لیے ہمیں جمع کیا تھا۔"

ابولہب کی بات ابھی ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ قہرِ الٰہی کی ایک بجلی چمکی قہرِ خداوندی کی دھمک سے پہاڑ کا کلیجہ دہل گیا فرطِ ہیبت سے حرم کی سرزمین کانپ اٹھی۔ اتنے

[ا] ان سے یہ وعدہ کرا لینے کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ بَیْنَ یَدَیْ عَذَابٍ شَدِیْدٍ ہ

میں حضرت روح الامین کے پروں کی آواز کان میں آئی۔
سرکار نے نگاہ اُٹھا کر دیکھا تو وہ پر سمیٹے قہر وجلال میں ڈوبی ہوئی یہ آیتیں حضور کو سُنا رہے تھے۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِىْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ؕ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَ مَا كَسَبَ ؕ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۚ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ

"ٹوٹ جائیں دونوں ہاتھ ابولہب کے اور اس کا ناس لگ جائے تو اعذاب سے چھٹکارا پانے کے لیے، نہ اس کا مال کام آئے گا نہ اس کی کمائی ہوئی دولت وہ اور اس کی بیوی جو لکڑیوں کا گٹھڑا اُٹھائے پھرتی ہے۔ دونوں جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے"

تشریح محبوب کو اذیت پہنچانے والے ایک فقرہ پر ذرا قہر الہٰی کے چڑھتے ہوئے دریا کا تلاطم تو دیکھیے! ایک لمحہ میں ابولہب کی دنیا اور آخرت کا فیصلہ سُنا دیا گیا۔

ابولہب اپنے وقت کا نیا مجرم نہیں ہے۔ غضب ناک تیور میں ڈوبی ہوئی آیات کل تک کیوں نہیں اُتاری گئی تھیں۔ کل بھی تو غیرت الہٰی کو حرکت میں لانے والے اسباب اس کے ذریعے صادر ہوئے تھے، خدائے واحد کی پرستش سے بغاوت کر کے ہاتھ سے تراشے ہوئے اصنام کو خراج بندگی کا مستحق قرار دینا کیا یہ کم درجے کا جرم تھا۔

لیکن قربان جائیے۔ اس ادائے محبت کے کہ اپنے مجرم کا سوال آیا تو مہلت دے دی۔ لیکن محبوب کے مجرم کی تعزیر کے لیے ایک لمحے کا انتظار بھی روا نہیں

رکھا گیا۔[ل] پھر کہنے والے نے جو کچھ بھی کہا تھا اپنے بھتیجے کو کہا تھا۔ دنیا میں کتنے ہی چچا ہیں جو اس سے بھی زیادہ سخت جملے اپنے بھتیجوں کے حق میں استعمال کیا کرتے ہیں لیکن بھتیجے کی طرف سے جواب دینے کے لیے کون کھڑا ہوتا ہے سب تو یہی کہہ کر درگزر کرتے ہیں کہ یہ چچا کا حق ہے۔

لیکن یہ حق اپنے محبوب کے بارے میں قرآن ہرگز تسلیم نہیں کرتا وہ نہایت سختی کے ساتھ تنبیہہ کرتا ہے کہ منصب رسالت کا احترام خون کے رشتوں کے احترام سے

[ل] اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ گستاخ الوہیت کی توبہ قبول ہے اور گستاخ نبوت کی توبہ قبول نہیں یعنی سزا کی رو سے کہ اسے ہر صورت سزائے قتل دی جائے گی۔ اگرچہ وہ توبہ کرتا پھرے۔ یہ اس کی آخرت کا معاملہ ہے خدا قبول کرے نہ کرے مگر حد نافذ کی جائے گی اور وہ قتل ہے۔ درمختار میں ہے:

والکافر بسبب نبی من الانبیاء فانہ یقتل حدا ولا تقبل توبتہ مطلقا ولو سب اللہ تعالیٰ قبلت لانہ حق اللہ تعالیٰ والاولی حق العبد لا یزول بالتوبۃ ومن شک فی عذابہ وکفرہ کفر۔ (درمختار طبع مطبع احمدی دہلی ص ۳۶۶)

یعنی جو کسی نبی کی گستاخی سے کافر یا مرتد قرار پائے وہ حد کے طور پر قتل کیا جائے گا اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں۔ یعنی خواہ بہ غلطی اس کے اقرار سے معلوم ہوئی ہو یا گواہوں سے ثابت ہوئی ہو۔ اور اگر خدا کی شان میں گستاخی کی تو اس کی توبہ قبول ہے کہ یہ حقِ خدا ہے اور اول حق عبد ہے توبہ سے زائل نہ ہوگا اور جو گستاخِ خدا اور گستاخِ نبی کے کفر اور عذاب میں شک کرے وہ کافر ہے۔

(فقیر قادری)

کہیں بالاتر ہے۔ اس لیے کسی کو بھی اجازت نہیں ہے کہ رشتوں کی زبان میں کوئی میرے محبوب سے گفت گو کرے۔ وہ پہلے میرا محبوب ہے میرا منقدر پیغمبر ہے، کائنات میں میرا نائب السلطنت ہے۔ میرے جلال و جمال کا آئینہ[1] ہے اور میرے ہی فضل وکرم سے وہ میری قدرت وعظمت کا ایک بااختیار نمائندہ ہے۔ اس کے بعد وہ کسی کا باپ ہے۔کسی کا بیٹا ہے۔کسی کا شوہر ہے اور کسی کا بھتیجا ہے ــــــــ

میرے عطا کیے ہوئے منصب کا احترام سب کے لیے ضروری ہے۔ اس منصب کی بے حرمتی ایک لمحہ کے لیے بھی گوارہ نہیں کی جائے گی ــــــــ

ساتویں آیت کریمہ

شانِ نزول ــــــ مشہور دشمن اسلام عاص ابن وائل کے متعلق منقول ہے کہ ایک دن وہ مدتوں کی گلی سڑی اور نہایت بوسیدہ ہڈی ہاتھ میں لیے ہوئے سرکار کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے ہڈی کی طرف انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"کیوں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارا خیال ہے کہ یہ ہڈی پھر قیامت کے دن دوبارہ زندہ کی جائے گی۔ دنیا کا کوئی دانشمند آدمی بھلا کیا بے جان

---

[1] جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اَنَا مِرْاٰۃُ جَمَالِ اللہِ کہ میں خدا کے حسن وجمال کا آئینہ ہوں ؎

مصطفٰے آئینہ روئے خدا است
منعکس در وے ہمہ خوئے خدا است

ہڈی میں کس طرح زندگی کی واپسی کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ تمہارا اصرار ہے کہ ایک کھلی ہوئی ناسمجھی کی بات پر لوگ جمع ہو جائیں بھلا عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ یہ بات ممکن ہو سکتی ہے؟"

ابھی وہ اپنی بات کہہ کر بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ حضرت روح الامین یہ آیت لے کر نازل ہوئے۔

وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِيَ خَلْقَهٗ ؕ قَالَ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ۝ قُلْ يُحْيِيْهَا الَّذِيْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ ۝

(عقیدۂ حشر کا مذاق اڑانے کے لیے) اس نے ایک مثل تراشی اپنی پیدائش (کا قصہ) بھول گیا۔ اس نے (طنز کرتے ہوئے) کہا کہ بوسیدہ ہو جاتے والی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔

آپ کہہ دیجیے کہ وہ (قادر و توانا خداوند) زندہ کرے گا جس نے پہلی بار اسے زندگی بخشی تھی اور وہ اپنی تمام خلقت کو خوب جانتا ہے۔

تشریح ذرا شان محبوبیت کا یہ جلوہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ سوال کرنے والے نے سوال کیا رسول سے، لیکن جواب دے رہا ہے خدائے کردگار، معزز رسول کے سامنے سوال کا یہ انداز قطعاً غیر مہذب اور ناشائستہ ہے۔ قرآن نے بھی جواب دیتے وقت سوال کے اسی رخ کو سامنے رکھا ہے۔

اپنی پیدائش کا قصہ بھول گیا۔ نخوت و برتری کا غرور توڑنے کے لیے یہ جملہ نشتر سے بھی زیادہ تیز ہے۔ آج جس زندگی کی توانائیوں سے تو شرابور ہے کل جس وقت تو ایک قطرۂ بے جان تھا، تو کس نے تجھے زندگی کا یہ فروغ عطا کیا۔

آدمی کی خو یہ ہے کہ اپنی عجز و درماندگی کے ایام کی یاد کو وہ اپنے لیے باعث عار سمجھتا ہے۔ قرآن نے ایک جملے میں غرور کا سارا نشہ اتار دیا کہ اس کی اصلیت یاد دلادی

اور اس کے بعد اس بات کو کہ مرنے کے بعد جب ہڈیاں گل سڑ جائیں گی تو کون اُنھیں زندہ کرے گا، اتنی آسانی سے دماغ میں اُتار دیا کہ عقل غلط اندیش مُنہ تکتی رہ گئی۔ اس دلیل کے سامنے سب کی زبان بند ہے کہ جس نے پہلی بار اُسے زندہ کیا تھا وہی دوبارہ اُسے زندہ کرے گا۔ مشکل کام تو پہلی بار کا تھا۔ کیونکہ بالکل عدم سے وجود میں لانا تھا۔ دوسری بار میں بہرحال ایک مادہ تو ہے۔ مانا کہ سڑا گلا ہے۔ لیکن معدوم تو نہیں ہے۔

آٹھویں آیت کریمہ

شانِ نزول ــــــــ کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ نامی ایک عزیز صحابی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا تھا۔ تقریباً ایک لاکھ صحابہ کرام میں یہ تنہا اس قابل رشک اعزاز کے حامل ہیں کہ قرآن مجید نے ان کا نام لیا ہے۔

جب یہ عہد شباب کو پہنچے تو سرکار نے حضرت زینب بنت جحش نامی ایک معزز خاتون سے ان کا نکاح کر دیا۔ آگے چل کر ان دونوں کے باہمی تعلقات ناخوشگوار ہو گئے اور تلخی یہاں تک بڑھی کہ علیحدگی کی نوبت آ گئی۔

حضرت زینب کی عدت طلاق پوری ہو جانے کے بعد[۱] اچانک ایک دن جبریل امین

---

[۱] یعنی جب حضرت زینب کی عدت طلاق گزر گئی جیسا کہ صحیح مسلم شریف میں ہے۔

انقضت عدۃ زینب قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لزید فاذکرھا علی۔

مگر مولوی غلام اللہ خاں راولپنڈی اور ان کے اُستاد پیر حسین علی واں بھچراں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بہتان لگایا کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے بلا عدت نکاح کر لیا۔ بلغۃ الحیران ص ۲۲۷

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

یہ حکم الٰہی لے کر اترے۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔

زید کی حاجت براری کے بعد ہم نے آپ کا نکاح زینب سے کر دیا

اس آیت کے نزول کے بعد وہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سرا میں تشریف لائیں۔ اس اعزاز خداوندی پر وہ ہمیشہ نازاں رہیں کہ سرکار کے ساتھ ان کے نکاح کا متولی خود پروردگار تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سارے جہاں میں یہ اعزاز انہی کے ساتھ مخصوص تھا۔

جونہی اس نکاح کی تشہیر ہوئی دشمنوں نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ اللہ اپنے بیٹے کی منکوحہ کے ساتھ نکاح کر لیا ہے۔ خدائے کردگار نے اپنے محبوب کی طرف سے دشمنوں کے طعن کا یہ جواب نازل فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۔

"محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ وہ اللہ کے رسول اور سلسلۂ انبیاء کے خاتم ہیں اور اللہ ہر شئے کا جاننے والا ہے۔"

تشریح یہ آیت کریمہ تازیانہ ہے ان لوگوں پر جو خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھائی کا رشتہ جوڑتے ہیں۔ جب ان کے بارے میں باپ کا رشتہ خدا کو گوارہ نہیں ہے، تو بھائی کا رشتہ کیونکر گوارا ہوگا۔ ان غفلت شعاروں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ پیغمبر خود بھائی بننے نہیں آتا ہے بلکہ بھائی بنانے آتا ہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) شرم تم کو مگر نہیں آتی

"وَعَلٰٓی اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ" کہ ان کی آنکھوں پر پردہ ہے خدا نے سچ فرمایا۔ پھر صحیح مسلم کی حدیث انہیں کیسے دکھائی دیتی۔ ۱۲ (فقیر قادری)

ایمانی کیفیت سے لبریز ہو کر ذرا سوچیے کہ اپنے رسول کے ساتھ خدا کے تعلقات کی نوعیت کتنی محبت انگیز ہے۔ قرآن نے رسول کی منصبی اور ذاتی حیثیت میں کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ غور کیجئے تو دشمنوں کا یہ اعتراض منصب رسالت پر نہیں تھا۔ ذاتِ رسول پر تھا۔ لیکن قرآن نے اپنے رسول کی وکالت میں اس الزام کا بھی ازالہ فرما دیا۔ یہیں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ جو لوگ رسول کی دو حیثیت متعین کرتے ہیں پیغمبرانہ اور غیر پیغمبرانہ وہ قرآن کے مزاج سے واقف نہیں ہیں۔

قرآن نے دشمنوں کے طعن کے جواب میں یہ کہہ کر کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔ ان کے فکری افلاس، ان کی غلط بیانی اور دروغ گوئی کا سارا پردہ چاک کر دیا ہے۔

جب وہ کسی مرد کے باپ نہیں ہیں تو حضرت زید کو ان کا بیٹا قرار دینا بالکل سفید جھوٹ ہے۔ منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے پر قیاس کرنا بھی کتنی بڑی جہالت ہے۔ وہ محتاج بیان نہیں۔ منہ بولا بیٹا احکام و تعلقات کی سطح پر بالکل اسی طرح اجنبی ہے جس طرح کوئی بھی بیگانہ آدمی ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس کی منکوحہ کو صلبی اولاد کی منکوحہ کی طرح حرام قرار دینا عقل و دیانت کا خون کرنے کے مترادف ہے۔ دنیا میں لاکھوں افراد ہیں جنھوں نے اپنی منہ بولی بہنوں سے شادی کی ہو گی۔ لیکن کون ان لوگوں پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے کہ انھوں نے اپنی بہنوں کو بیوی بنا لیا۔ اس طرح کا اعتراض وہی کر سکتا ہے جس کے دماغ میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہو۔

نویں آیت کریمہ

شانِ نزول ـــــ بیان کرتے ہیں کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجمع عام میں تقریر فرماتے تھے تو کچھ ایسے مواقع بھی پیش آجاتے

تھے کہ صحابہ کرام کو دوبارہ پوچھنے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ اس مدعا کے لیے وہ "راعنا" کا لفظ استعمال کرتے تھے جس کے معنی ہیں حضور ہماری رعایت فرمائیے۔ یعنی ہمیں کھول کر اچھی طرح سمجھا دیجئے۔ لیکن یہودیوں کی زبان میں اس لفظ کے معنی نہایت توہین آمیز تھے اُنھوں نے بھی مجمع عام میں اس لفظ کا استعمال شروع کر دیا۔ فرق یہ تھا کہ مسلمان اس لفظ کو بہتر معنی میں استعمال کرتے تھے۔ لیکن یہودی مذہب کے لوگ اس لفظ سے نہایت خراب معنی مراد لیتے تھے۔ یہودیوں کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو دشمنی تھی اور جس طرح وہ ہمیشہ درپئے آزار رہا کرتے تھے۔ اس لفظ کے ذریعے انہیں اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ بڑی مشکل یہ تھی کہ یہی لفظ مسلمان بھی استعمال کرتے تھے فرق جو تھا وہ صرف دل کی نیتّوں کا تھا اور ظاہر ہے کہ دل کی نیتّوں پر کوئی قدغن نہیں لگایا جا سکتا۔

لیکن قربان جائیے اس ادائے رحمت کے جو قدم قدم پر اپنے محبوب کی عزت کی محافظ تھی۔ گستاخ دلوں کے لیے اتنی گنجائش بھی وہ گوارہ نہ کر سکی فوراً ہی آسمان سے یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

اے ایمان والو! اب "راعنا" کہنا چھوڑ دو اور اس کی جگہ "اُنظُرنا" (ہماری طرف نگاہ کرم مبذول کیجئے) کہا کرو اور (رسول کی باتیں) غور سے سُنو اور (ان) کافروں کے لیے جو دل میں اہانت رسول کا جذبہ چھپائے رہتے ہیں نہایت دردناک عذاب ہے۔

تشریح وہ شاخ ہی نہ رہے جس پہ آشیانہ ہو اہل ایمان اس لفظ کا استعمال ہی چھوڑ دیں جس میں توہین کے معنی پیدا کرنے کے لیے کسی طرح کی بھی بعید از

بعید گنجائش نکلتی ہو۔ اس سے بحث نہیں کہ وہ لفظ اپنے ماحول میں اس معنی کا متحمل ہے کہ نہیں توہین کے پہلو کا اتنا احتمال بھی اس لفظ پر پابندی عائد کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔

محبوب کی شان میں توہین آمیز الفاظ کا استعمال تو بڑی بات ہے۔ یہاں تو دل کا توہین آمیز ارادہ بھی ایک لمحے کے لیے گوارا نہیں ہے۔ اگرچہ "راعنا" کا لفظ اپنے لغوی معنی کے اعتبار سے عربی زبان کا ایک نہایت شائستہ لفظ ہے۔ لیکن چونکہ دشمن اس لفظ کو اپنی شقاوتِ قلبی کی تسکین کا ذریعہ بنا لیتے ہیں اس لیے لفظ کا استعمال ہی ترک کر دیا جائے تاکہ دشمن کو لفظ میں معنوی تصرف کا بھی آئندہ موقع نہ مل سکے۔

اب رہ گیا سوال گستاخوں کی سزا کا تو سن لیں کہ آخرت میں دردناک عذاب ان کا مقدر ہو چکا ہے۔ کیوں کہ یہ دنیا دار الجزا نہیں ہے۔ اس لیے یہاں نہ کسی گستاخ کی زبان پکڑی جا سکتی ہے۔ نہ اس کا قلم تھاما جا سکتا ہے۔ یہاں خیر و شر کی دونوں راہیں کھلی ہیں ان راہوں پر وہ جتنی دور تک جانا چاہے جا سکتا ہے۔ انعام و سزا کا مرحلہ تو آنے والی زندگی میں پیش آئے گا۔ لیکن اس دنیا میں ان لوگوں کا عبرتناک انجام ہی پیچھے پلٹ کر یہ لوگ دیکھ لیتے جنھوں نے محبوبانِ حق کے ساتھ ٹھٹھا کیا تھا تو کم از کم یہ سمجھ میں آجاتا کہ انبیاء کے گستاخوں پر خدا کی رحمت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے۔

ایک عبرتناک داستان

بات آگئی ہے تو اس آیت کے ضمن میں ایک نہایت عبرتناک داستان کا تذکرہ چھیڑنا چاہتا ہوں۔

تقریباً نصف صدی سے زائد کا عرصہ ہوا کہ ہندوستان میں تقویۃ الایمان تحذیر الناس حفظ الایمان اور فتاویٰ رشیدیہ وغیرہ چند ایسی کتابیں لکھی گئیں جن کی عباراتِ اہانتِ

رسول کے زہر سے شرابور تھیں۔ جب وہ کتابیں چھپ کر منظر عام پر آئیں تو مصنفین اور ناشرین سے درخواست کی گئی کہ جس رسول کا تم کلمہ پڑھتے ہو ان کی معصوم روح کو اذیت نہ پہنچاؤ۔ بارگاہِ رسالت میں توہین کر کے تم نے اپنا رشتہ حلقۂ اسلام سے توڑ لیا ہے۔ پھر دوبارہ اسلام کی طرف آنا چاہتے ہو تو اپنی توبہ شرعیہ کا اعلان کرو اور ان ناپاک عبارتوں کو اپنی کتابوں سے نکال دو۔

بجائے اس کے کہ وہ دائمی ہلاکت کی منزل سے لوٹتے ان کی نخوتِ فکر نے ان کا دامن تھام لیا۔ نفس کے شیطان نے انہیں یہ پٹی پڑھائی کہ تم اپنی تقصیر کا اعتراف ہی نہ کرو۔ تاویلوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ تمہاری عبارات سے جہاں کفر کی شراب ٹپکتی ہے وہاں اسلام کا بھی کوئی نہ کوئی پہلو تلاش کر ہی لیا جائے گا۔ بات بڑھتے بڑھتے اس منزل تک آگئی جہاں دوٹوک فیصلہ کے لیے کسی ثالث کی ضرورت پیش آتی ہے۔ چنانچہ اس مقدمہ کی پوری فائل حرمین طیبین کے علماء، مشائخ، اساتذہ، محدثین، مفتیانِ مذاہب اربعہ اور مستند قضاۃ کے سامنے رکھ دی گئی۔ بالآخر مدتوں کے غور و فکر اور بحث و نظر کے بعد حجاز مقدس اور عالم اسلام کے تمام مفتیان شریعت اور مشائخ ہدایت نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ ان کتابوں میں کھلی ہوئی اہانتِ رسول ہے۔ توبہ کے علاوہ کوئی تاویل ان

---

[1] یاد رہے کہ علمائے دیوبند کی وہ عبارتیں حسام الحرمین تصنیف لطیف مجدد اعظم اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ میں مذکور ہیں جن کی بنا پر ان گستاخوں کی تکفیر کی گئی وہ اس قدر صریح اور کھلی گستاخیاں ہیں کہ کوئی تاویل نہیں چل سکتی اور نہ ان میں اسلام کا ضعیف سے ضعیف احتمال نکل سکتا ہے۔ اس لیے وہاں کوئی تاویل نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ پہلے متعدد حوالوں سے گزرا کہ صریح میں کوئی تاویل نہیں چل سکتی۔ کیونکہ اگر صریح میں بھی تاویل چلے تو کوئی بات کفر نہ رہے مثلاً زید نے کہا کہ دو خدا ہیں اور اس میں یہ تاویل ہو جائے کہ میری مراد بحذف مضاف حکم خدا ہے یعنی خدا کا حکم و قضا دو ہیں۔ مُبرم و مُعلّق اور اس کی تائید میں قرآن کی آیت پیش کرے۔

کتابوں کے مصنفین کو آخرت کے دائمی عذاب سے نہیں بچا سکتی۔

اب بھی موقع تھا کہ ان کتابوں کے مصنفین، ناشرین اور معتقدین اپنی ان شقاوتوں پر متنبہ ہوتے اور اُلٹے پاؤں اسلام کی سلامتی کی طرف لوٹ آتے لیکن بُرا ہو نفس کے شیطان کا کہ وہ بے جا تاویلوں پر اتر آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آتشِ صحرا کی طرح یہ چنگاری پھیلتی گئی اور اب آتش کدۂ نمرود کی طرح سارا ہندوپاک اس کے شعلوں میں جل رہا ہے۔

مدت ہوئی ان کتابوں کے مصنفین اپنا اپنا انجام دیکھنے کے لیے اپنے اپنے ٹھکانوں پر پہنچ گئے۔ لیکن ان کے قلم کے نشتر سے مسلمانوں کا سینہ آج تک گھائل ہے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ یہ زخم کب تک مندمل ہوگا۔

آج بھی وہ دل آزار کتابیں چھپتی ہیں۔ آج بھی باطل قوتوں کی پناہ گاہوں میں بیٹھ کر دن دہاڑے محبوبِ کونین کی حرمتوں کا قتلِ عام کیا جاتا ہے۔ یہ دنیا ہے یہاں سرکشی کے طوفان پر کوئی بند نہیں باندھا جا سکتا۔ یہاں فرعون و ابوجہل اور یزید و چنگیز جیسے باغیوں

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ)

اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیَ اللّٰہُ اَیْ اَمْرُ اللّٰہِ۔ یا زید کہے کہ میں رسول اللہ ہوں۔ اس میں یہ تاویل گھڑی جائے کہ رسول اللہ سے میری مراد لغوی معنی ہے نہ کہ شرعی۔ یعنی میری روح کو خدا ہی نے میرے بدن میں بھیجا ہے۔ ایسی تاویلیں ہرگز قابلِ قبول نہیں اسی طرح علمائے دیوبند کی عبارتیں گستاخی کے معنی میں صریح ہیں۔ لہٰذا کفر سے بچنے کا واحد طریقہ یہ تھا کہ علماء دیوبند اپنی گستاخیوں سے تائب ہوتے مگر نہ ہوئے مقدر ہی میں کفر تھا تو توبہ کیسے کرتے۔

حقائق تک رسائی کے لیے مجددِ اعظم، اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تمہید الایمان بہ آیاتِ قرآن کا مطالعہ ضروری ہے۔ (فقیر قادری)

کو بھی جینے کی مہلت دی جاتی ہے۔"

آج کی صحبت میں دیوبندی مسلک کے نمائندوں سے میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ مذکورہ بالا کتابوں کی عبارتوں میں اگر بالفرض تم نے اسلام کا کوئی پہلو تلاش کر لیا ہے تو چشم ما روشن دلِ ما شاد۔ لیکن اس حقیقت سے تو تم انکار نہیں کر سکتے کہ ان عبارات کا ایک رُخ اہانت رسول پر مشتمل ضرور ہے۔ کیونکہ اگر ان عبارتوں میں اہانتِ رسول کا کوئی پہلو نہ ہوتا تو تاویل کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی ؟

پس قرآن کی ہدایت کے موجب اگر "رَاعِنَا" کے لفظ پر صرف اس وجہ سے پابندی عائد کی جا سکتی تھی کہ اس لفظ میں دُشمنانِ رسول کے تئیں اہانت کا کوئی پہلو نکل سکتا تھا تو اسی قانون کی روشنی میں کیا اُن کتابوں پر پابندی عائد نہیں کی جا سکتی کہ جن کی عبارتوں میں اہانتِ رسول کا واضح پہلو موجود ہے۔

لیکن باور کیجئے کہ قرآن پر صحیح ایمان ہوتا، حُبِّ رسول کی کچھ بھی غیرت ہوتی اور خدا کی خوشنودی کا ذرا بھی پاس و لحاظ ہوتا تو اہانت انگیز کتابوں کو کب کا دریائے شور میں نابود کر دیا گیا ہوتا۔ تاکہ دُنیائے اسلام میں بے چینیوں کی جو آگ سلگ رہی ہے وُہ بُجھ جاتی اور جو لوگ آج اہلِ عشق و محبّت کی ٹھوکروں میں بھی جگہ پانے کے قابل نہیں ہیں وہ سروں پر بیٹھتے اور دلوں پر حکومت کرتے اور اس طرح وہ لوگ علمائے دین کا صحیح مقام حاصل کر لیتے۔

دسویں آیت کریمہ

شانِ نزُول ــــــ کہتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پاک میں ایک منافق اور ایک یہودی کے درمیان کھیت میں پانی پٹانے پر جھگڑا ہو گیا۔ یہودی کا کھیت پہلے پڑتا تھا۔ منافق کا کھیت اس کے بعد تھا۔ یہودی

کا کہنا تھا کہ پہلے میرا کھیت سیراب ہوے گا۔ تب تمہارے کھیت میں پانی جانے دوں گا
منافق کا اصرار تھا کہ پہلے میں اپنے کھیت کو سیراب کروں گا اس کے بعد تمہارے کھیت
میں پانی جائے گا۔

جب یہ جھگڑا کسی طرح طے نہ ہو سکا تو کسی ثالث کے ذریعے فیصلہ کرانے کی بات
ٹھہری۔ یہودی نے کہا کہ میں تمہارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی کو اپنا ثالث مانتا ہوں
ان سے اختلاف کے باوجود مجھے یقین ہے کہ وہ حق کے سوا کسی کی بھی پاسداری نہ
کریں گے منافق نے یہ سوچ کر کہ یہودی کے مقابلہ میں یقیناً وہ میری رعایت کریں گے۔
کیونکہ میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں، یہودی کی پیش کش قبول کر لی۔

چنانچہ یہودی اور منافق دونوں اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے
سرکار نے دونوں فریق کا الگ الگ بیان سنا۔ نزاع کی تفصیل یہ واضح کر رہی
تھی کہ حق یہودی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ حضور نے یہودی کے حق میں فیصلہ سُنا دیا۔

یہودی فرحاں وشاداں وہاں سے اُٹھا اور باہر آ کر منافق سے کہا کہ اب تو میرے
حق سے تمہیں انکار نہ ہوگا۔ منافق نے منہ لٹکائے پیشانی پر بل ڈالے جواب دیا
کہ میں فیصلہ تسلیم نہیں کرتا۔ میرے ساتھ انصاف نہیں کیا گیا۔ تمہیں منظور ہو تو ہم اپنا
مقدمہ حضرت عمر کے پاس لے چلیں وہ صحیح فیصلہ کریں گے۔ یہودی نے جواب دیا۔ تم
جس سے بھی فیصلہ کراؤ رسولِ خدا کا فیصلہ اپنی جگہ پر بحال رہے گا۔

چنانچہ دونوں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دولت کدۂ اقبال پر
حاضر ہوئے۔

منافق نے مقدمہ کی تفصیل بتاتے ہوئے اس بات کی بار بار تکرار کی کہ میں
مسلمان ہوں اور یہ یہودی ہے۔ مذہبی عناد کی وجہ سے یہ مجھے نقصان پہنچانا چاہتا ہے
منافق کا بیان ختم ہوا۔ تو یہودی صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

"یہ صحیح ہے کہ میں یہودی ہوں اور یہ اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے۔ لیکن سُن لیا جائے کہ جو مقدمہ یہ آپ کے پاس لے کر آیا ہے۔ اس کا فیصلہ پیغمبر اسلام نے میرے حق میں کر دیا ہے۔ یہ مسلمان ہو کر کہتا ہے کہ مجھے ان کا فیصلہ تسلیم نہیں ہے۔ یہ اپنے نمائشی اسلام کی رشوت دے کر آپ سے رسولِ خدا کے خلاف فیصلہ کرانے آیا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ جو فیصلہ چاہیں کر دیں۔

یہودی کا یہ بیان سُنکر فاروق اعظم کی آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ فرطِ جلال سے چہرہ تمتما اُٹھا۔ عالم غیظ میں منافق سے صرف اتنا دریافت کیا کہ "کیا یہودی کی بات صحیح ہے؟"

منافق نے دبی زبان سے اعتراف کیا کہ اس نے ٹھیک ہی کہا ہے۔

منافق پر بغاوت کا جُرم ثابت ہو گیا۔ فاروق اعظم کی عدالت میں ایک مرتد کی سزا کے لیے اب کوئی لمحہ انتظار باقی نہیں تھا۔ اسی عالم قہر و غضب میں اندر تشریف لے گئے۔ دیوار سے لگی ہوئی ایک تلوار لٹک رہی تھی اُسے بے نیام کیا۔ قبضے پر ہاتھ رکھے ہوئے باہر نکلے۔ فرطِ ہیبت سے منافق کی آنکھیں جھپک کر رہ گئیں۔

غیرتِ جلال میں ڈوبی ہوئی ایک آواز فضا میں گونجی ——

"حاکمِ ارض و سماوات کے فیصلے کا منکر اسلام کا کھلا ہوا باغی ہے اور اس کے حق میں عمر کا فیصلہ یہ ہے کہ اس کا سر قلم کر دیا جائے۔"

یہ کہتے ہوئے ایک ہی وار میں منافق کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ ایک لمحے کے لیے لاش تڑپی اور ٹھنڈی ہو گئی۔

اس کے بعد مدینے میں ایک بھونچال سا آ گیا۔ یہ خبر بجلی کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی۔ چاروں طرف سے منافقین غول در غول دوڑ پڑے۔ گلی گلی میں یہ شور برپا ہو گیا کہ حضرت عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا۔ دشمنانِ اسلام کی بن آئی تھی۔ اپنی جگہ اُنھوں نے یہ بھی پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ اب تک تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھیوں کی

تلواریں صرف مشرکین کا خون چاٹتی تھیں۔ لیکن اب خود مسلمان بھی ان کے وار سے محفوظ نہیں ہیں۔

بات پہنچتے پہنچتے آخر کار سرکار کی بارگاہ تک پہنچی۔ مسجدِ نبوی کے صحن میں سب لوگ جمع ہو گئے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طلبی ہوئی غیرتِ حق کا تیور ابھی تک اُترا نہیں تھا۔ آنکھوں میں جلالِ عشق کا خمار لیے ہوئے حاضر بارگاہ ہوئے۔ سرکار نے دریافت فرمایا۔

"کیوں عمر! مدینے میں یہ کیسا شور ہے؟ کیا تم نے کسی مسلمان کو قتل کر دیا ہے؟"

جذبات کے تلاطم سے آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔ دل کا عالم زیر و زبر ہو رہا تھا بزم جاناں میں پہنچ کر عشق کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی تھی۔ بیخودی کی حالت میں کھڑے ہو کر جواب دیا۔

"عمر کی تلوار کسی مسلمان کے خون سے کبھی آلودہ نہیں ہو گی۔ میں نے ایسے شخص کو قتل کیا ہے جس نے آپ کے فیصلے سے انکار کر کے اپنی جان کا رشتہ حلقۂ اسلام سے توڑ لیا تھا۔

اپنی صفائی پیش کر کے حضرت فاروق اعظم ابھی بیٹھے ہی تھے کہ فضا میں شہپر جبریل علیہ السلام کی آواز گونجی۔ اچانک عالم غیب کی طرف سرکار کی توجہ منعطف ہو گئی دم کے دم میں محفل کا رنگ بدل گیا۔ حضرت روح الامین نے خدائے ذوالجلال کی طرف سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقدمے کا فیصلہ سُنایا۔ وہی جواب جو فاروق اعظم نے دیا تھا۔ اس آیتِ قرآنی میں ہمیشہ کے لیے ڈھل گیا۔ حدیثوں میں آیا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان پر کلام کرتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا

قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ٥

قسم ہے آپ کے پروردگار کی کہ وہ اس وقت تک مسلمان ہی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں وہ آپ کو اپنا حکم نہ مان لیں اور پھر جب آپ ان کا فیصلہ کر دیں تو وہ اپنے دلوں میں کسی طرح کی خلش نہ محسوس کریں اور آپ کا فیصلہ کھلے دل سے تسلیم کر لیں۔[۱]

تشریح یہ آیت اپنے موقعِ نزول کی روشنی میں مندرجہ ذیل امور کو خوب اچھی طرح واضح کرتی ہے۔

۱۔ کلمہ اور اسلام کی نمائش کسی کو بھی بغاوت کی سزا سے نہیں بچا سکتی۔ مدنی تاجدار کی سرکار میں ذرا سی گستاخی بھی یک لخت اسلام کا وہ سارا استحقاق چھین لیتی ہے جو کلمہ پڑھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ پیدائشی طور پر جو لوگ اسلام سے بے گانہ ہیں اور جنھوں نے کبھی بھی اپنے آپ کو کلمۂ طیبہ سے وابستہ نہیں کیا ہے۔ ان کے وجود کو کسی نہ کسی حالت میں یقیناً برداشت کیا جا سکتا ہے لیکن اپنے اسلام کا اعلان کر دینے کے بعد جو منکر ہو گئے یا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے جنھوں نے نبی مرسل کی شان میں توہین آمیز رویہ اختیار کیا۔ انھیں ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ اسلام کی زبان میں وہ مرتد ہیں۔

---

[۱] تفسیر خازن و معالم التنزیل میں کلبی کے طریق سے حضرت امام ابو صالح و ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

وقال جبریل ان عمر رضی اللہ عنہ فرق بین الحق والباطل فسمی الفاروق

(منہ ۴۶) یعنی جبریل علیہ السلام نے ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حق و باطل میں امتیاز کر دیا ہے۔ اس دن سے آپ کا لقب فاروق رکھا گیا۔

ان کا حال بالکل اس دوست کی طرح ہے جو رگِ جاں سے قریب ہو جانے کے بعد یک بیک دغا دے دے۔ کسی بیگانے کو تو گلے لگایا جا سکتا ہے۔ لیکن ایسے کے منہ پر کوئی تھوکنا بھی گوارا نہیں کرے گا۔

انسان کی یہ عالمگیر فطرت ہے۔ ہر شخص کی زندگی میں اس طرح کی دو چار مثالیں ضرور مل سکتی ہیں۔ لیکن ماتم یہ ہے کہ فطرت کا یہ تقاضا انسان اپنے بارے میں تو تسلیم کرتا ہے لیکن خدا اور رسول کے معاملے میں فطرت کا یہ تقاضا فراموش کر دیتا ہے۔

یہ اسلام و عقل کی فطرت ہی تو تھی کہ جس فاروق اعظم نے بڑے بڑے کافران دنیا کو زندگی کا حق دیا۔ وہی فاروقِ اعظم آج کلمۂ اسلام سے برگشتہ ہو جانے والے مرتد کو ایک لمحہ بھی زندہ دیکھنا نہیں چاہتے تھے۔

۳۔ اس آیت سے یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ کفر و ارتداد کچھ توحید و رسالت یا مذہب اسلام سے کھلم کھلا انکار پر ہی منحصر نہیں ہے۔ یہ بھی انکار ہی کے ہم معنی ہے کہ خدا کو اپنا خدا، یا رسول کو اپنا رسول اور اسلام کو اپنا اسلام کہتے ہوئے کسی بھی رُخ سے منصب رسالت کی تنقیص کر دی جائے۔

اُن کی پاکیزہ زندگی کا اگر بے غبار آنکھوں سے مطالعہ کیا جائے تو ہزاروں واقعات شہادت دیں گے کہ جبتک وہ زندہ رہے نبی کے قدموں کے نیچے ان کے دل بچھے رہے۔ دین و دُنیا کی ساری کامرانیوں اور ارجمندیوں کو اُنھوں نے اپنے حبیب کے دامن سے اس طرح باندھا تھا کہ کسی گرہ کا کھُلنا تو بڑی بات، ڈھیلی تک نہیں ہوئی۔

اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے راستے میں اگر اپنا لاڈلا بیٹا بھی حائل ہو گیا تو اُن کی غیرت عشق کی تلوار نے اُسے بھی معاف نہیں کیا۔ ان کی دوستی اور دُشمنی کا محور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس پیشانی پر اُبھرتی ہوئی لکیروں، اور چہرۂ تاباں کی مسکراہٹوں کے گرد ہمیشہ گھومتا رہتا تھا۔ ایمان کے اس تقاضے کے ساتھ ان کی زندگی کا یہ پیمان

کبھی نہیں ٹوٹ سکا کہ جو نبی کا ہے وہی ان کا ہے اور جو نبی کا نہیں ہے ۔ اس کے ساتھ اُن کا کوئی رشتہ نہیں چاہے خواہ خون ہی کی خمیر سے وہ رشتہ کیوں نہ وجود میں آیا ہو۔

گیارہویں آیت کریمہ

شانِ نزول ـــــــ منقول ہے کہ ایک موقع پر سرکار والا تبار کی خدمت میں حضرت عمر فاروق اور دوسرے اجلۂ صحابہ موجود تھے ۔ کسی معاملہ پر حضور ان سے مشورہ فرما رہے تھے ۔ بات آگے بڑھی اور گفت گو کا سلسلہ دراز ہو گیا یہاں تک کہ ایک موقع پر بات کی رو میں ان بزرگوں کی آواز بلند ہو گئی ۔ خدائے کردگار کو اپنے محبوب کی جناب میں یہ انداز گفت گو سخت ناپسند ہوا ۔ غلاموں کے انتباہ کے لیے فوراً ہی یہ ہدایت نامہ نازل فرمایا ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ ۞ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۞

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ ہونے دو ۔ اور ان سے اس طرح چلا کر گفت گو نہ کرو جس طرح آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو ۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو[۱]

---

[۱] حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کچھ اونچا سنتے تھے اس لیے اونچا بولتے تھے ۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی جرأت نہ ہوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بارگاہِ اقدس میں (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

غیر حاضر پا کر طلب فرمایا۔ حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حضور! میری غیر حاضری کی وجہ یہ ہے کہ جیسا کہ سرکار کو معلوم ہے کہ میں اونچا سنتا اور اونچا بولتا ہوں ڈرتا ہوں کہ آپ کے حضور اونچا بولنے کی سزا میں اپنے نیک اعمال ضائع نہ کر بیٹھوں۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنَّكَ تَعِيْشُ بِخَيْرٍ وَّتَمُوْتُ بِخَيْرٍ وَّاِنَّكَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ

(تفسیر بیضاوی ج ۴ صـ ۱۵۶)

"یعنی اے ثابت! ایسا نہ ہوگا۔ تم خیریت سے جیتے رہو گے۔ خیریت سے تمہیں موت آئے گی اور تم جنتیوں میں سے ہو۔"

اسد الغابہ میں ہے کہ ثابت بن قیس زمانۂ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں حضرت خالد بن ولید کی زیر قیادت ایک جنگ میں شہید ہو گئے اور کسی نے آپ کے تن بے جان سے زرہ اُتار لی۔ تو آپ خواب میں ایک مجاہد کے پاس آئے اور کہا کہ فلاں شخص میرے شہید ہو جانے کے بعد میرے تن سے میری زرہ اُتار کر لے گیا ہے۔ اس کا آخری خیمہ ہے اُس کے آگے گھوڑا اس نشانی والا بندھا ہوا ہے۔ اس کے خیمے میں ایک ہانڈی ہے۔ اس میں اس شخص نے میری زرہ چھپا رکھی ہے۔ خالد بن ولید سے کہو کہ وہ اس شخص سے زرہ لے لیں اور خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درخواست کریں کہ مجھ پر اس قدر فلاں شخص کا قرضہ ہے میری زرہ بیچ کر قرضہ اُتار دیں اور میرے فلاں غلام کو بھی آزاد کر دیں۔

وہ شخص حضرت خالد بن ولید کو جا کر بتاتا ہے، آپ نے جا کر دیکھا تو اس کے خیمے سے وہ زرہ اسی طرح برآمد ہوئی۔ اسے حضرت ابو بکر صدیق کی خدمت میں بھیجا گیا اور اس ذی کرامت واقعہ کا حال ان سے عرض کیا گیا۔ آپ نے ان کی وصیت پر پورا پورا عمل کیا۔ اسلام میں اس نوعیت کی یہ پہلی اور آخری وصیت ہے (اسد الغابہ ج ا صـ ۲۲۹) (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

تشریح غور کرنے کی بات یہ ہے کہ نبی کی آواز پر جن صحابہ کرام کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ ان کی نیاز مندی و عقیدت مندی کی قسم کھائی جا سکتی تھی۔ جذبات کی رو میں ایسا ہو گیا تھا ورنہ دل کی کائنات توقیر رسالت کے جذبے سے معمور تھی۔ تنقیص شانِ رسالت کی بات وہ خواب میں بھی نہیں سوچ سکتے تھے۔ عالم بیداری کی تو بات ہی کیا ہے؟

لیکن۔

اپنے محبوب کی رفعتِ شان کے لیے ذرا مشیت الٰہی کا یہ اہتمام ملاحظہ فرمایئے کہ اتنی بات بھی گوارا نہیں ہے کہ بے خیالی میں بھی کا کل دُرخ کے غلاموں سے کوئی ایسی بات صادر ہو جائے جو جلالت شان کے خلاف ہو۔

وارفتگیٔ عشق کا اخلاص اپنی جگہ پر ہے دلِ نیاز مند کا حال بھی چھپا ہوا نہیں لیکن منصب کی شوکتوں کا پاس تو کرنا ہی ہوگا۔ محبوب سے تخاطب کے لیے جہاں الفاظ کی نوک پلک اور تعبیر کی نزاکتوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہے وہاں آواز کا لب و لہجہ بھی آزاد نہیں ہے۔ پھر آیت بالا میں اندازِ بیان کا وہ تیور جس کی دہشت سے

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے بارے میں زندگی موت خاتمے اور جنتی و دوزخی ہونے تک کی پوری خبر ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ شہید زندہ ہیں اور یہ بھی کہ وہ دنیا میں ہونے والے حالات سے باخبر ہیں اور یہ بھی کہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت عند اللہ بھی حق تھی۔ اگر ناحق ہوتی اور عند اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی خلیفہ بلافصل ہوتے تو یہ وصیت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے نام ہوتی۔

خون سوکھ جاتا ہے۔ یہ ہے کہ انسان اپنی سرشت کے لحاظ سے بے عیب و بے خطا نہیں ہے طرح طرح کے معاصی کا وہ بار بار ارتکاب کرتا ہے۔ لیکن رحمتِ یزدانی کا یہ احسان عام ہے کہ کسی بھی نئے گناہ کے ارتکاب سے وہ نیکیوں کے پچھلے ذخیرے کو برباد نہیں کرتا۔ کفر و شرک کے علاوہ بڑے سے بڑے جرم کے لیے یہی قانون ہے کہ مجرم نے کسی جرم کا ارتکاب کیا۔ نامۂ اعمال میں ایک فرد گناہ کا اضافہ ہو گیا۔ پچھلی نیکیاں اپنی جگہ پر ثابت و برقرار ہیں۔ لیکن محبوب کی شان میں گستاخی اتنا بڑا جرم ہے کہ پچھلی نیکیوں کا ذخیرہ بھی ختم کر دیا جاتا ہے۔

یہ سوچ کر کلیجہ کانپ جاتا ہے کہ محبوب باری کی جناب میں ذرا سی آواز اونچی ہو گئی تو اس کی سزا صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ نامۂ اعمال میں ایک گناہ کا اندراج کر لیا جائے گا۔ بلکہ قرآن کہتا ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ پچھلی نیکیاں بھی مسخ کر دی جائیں گی۔ اور عبادت و اطاعت کا سارا اندوختہ بھی مسخ کر دیا جائے گا۔ اور سب سے بڑا غضب یہ کہ لٹ جانے والے کو اس کی خبر بھی نہ ہو سکے گی کہ عمر بھر کی نیکیوں کا خرمن کب لٹا اور کیسے لٹا۔ قیامت کے دن جلی ہوئی خاکستر جب سامنے آئے گی تب اچانک محسوس ہو گا کہ ہم لٹ گئے۔

ذرا نخوتِ علم و ادب کی تاریکی سے باہر نکل کر سوچئے! جب نبی کے حضور ذرا سی اونچی آواز کرنے سے یہ سزا ملتی ہے تو جن لوگوں نے ان کی تنقیص شان کو ہی اپنا شعار بنا لیا ہے ان کی بربادیوں کا کون تصور کر سکتا ہے؟

خدا اس ہلاکت خیز آزار سے اپنے محبوب کی اُمت کو محفوظ رکھے۔ دین و دنیا کی تباہی کے لیے شیطان کے پاس اس سے زیادہ خوفناک اور کوئی ہتھیار نہیں کہ وہ توحید الٰہی کے نام پر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دلوں کا رُخ پھیر دیتا ہے ذلت و رسوائی کے اسی مرحلے سے چونکہ وہ خود بھی گزر چکا ہے اس لیے وہ اس بھید سے

واقف ہے کہ کسی کی دنیا و آخرت کس طرح آن واحد میں تباہ کی جا سکتی ہے۔

قرآن کریم کی جو آیات اُوپر پیش کی گئی ہیں وہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ انسانوں کے خدا کا ہے۔ ان آیات کی روشنی میں آسانی سے دریافت کیا جا سکتا ہے کہ جس مدنی رسول کا اعزاز خدا کے تئیں اس درجے کا ہے تو خدا کے بندوں کے تئیں کس تکریم و اعزاز کا وہ مستحق ہوگا۔ ذرا آنکھیں بند کر کے سوچئے تو سہی! کہ کہاں خدا کی ذات جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خالق ہے مالک ہے، معبود ہے مسجود ہے اتنی لاشریک عظمتوں کے باوجود وہ اپنے بھیجے ہوئے رسول کا کتنا لحاظ فرماتا ہے کہ اپنے نادان بندوں کو ان کے دربار کا ادب سکھلاتا ہے اور کہاں یہ ناچیز بندے جنہیں تعظیم کے لیے صرف کھڑے ہونے میں کسر شان نظر آتی ہے۔

بارہویں آیت کریمہ

شانِ نزول ـــــــ کہتے ہیں کہ عین دوپہر کے وقت بے تاب شیدائیوں کا ایک وفد مسجد نبوی کے دروازے پر پہنچا۔ وہ بہت دور دراز کے ایک قبیلے سے آیا ہوا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہونے کا اضطرابِ شوق یہاں تک کھینچ لایا تھا۔

جن اونٹوں پر وہ سوار تھے انہیں بٹھا بھی نہ پائے تھے کہ وہیں سے کھڑے کھڑے دریافت کیا۔

”نبی آخر الزماں اس وقت کہاں ملیں گے؟

لوگوں نے جواب دیا۔

وہ اپنے کاشانۂ رحمت میں آرام فرما رہے ہوں گے۔“

بس اتنا سننا تھا کہ بے تابئ شوق میں وہیں سے نیچے کود پڑے اور سرکار کے دولت سرائے عزت پر کھڑے ہو کر آواز دینا شروع کیا۔ ان کی آواز پر حضور کچی نیند اُٹھ گئے۔ باہر تشریف لائے اور انہیں دولت ایمان سے فیض یاب کیا۔

ابھی اس محفل نور سے اُٹھے بھی نہ تھے کہ حضرت جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والسلام خدائے ذوالجلال کی طرف سے آیت کریمہ لے کر نازل ہوئے۔

آیت کا مضمون پڑھنے کے بعد بالکل ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سلطانِ کائنات نے اپنے نائب السلطنت کے دربار میں حاضری کے آداب سکھانے کے لیے اپنی رعایا کے نام ایک فرمان جاری کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّھُمْ صَبَرُوْا حَتّٰی تَخْرُجَ اِلَیْھِمْ لَکَانَ خَیْرًا لَّھُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

محبوب! جو لوگ کمروں کے باہر کھڑے ہو کر آپ کو آواز دے رہے ہیں ان میں زیادہ تر ایسے ہیں جو (منصب نبوت کے آداب سے) نابلد ہیں۔

---

[۱] ان کو بے عقل اس لیے فرمایا کہ اُنھوں نے منصب نبوت کے شایانِ شان حسنِ ادب کا مظاہرہ نہ کیا کہ عقل حسنِ ادب کی متقضی ہے۔ جیسا کہ بیضاوی میں ہے:

اذ العقل یقتضی حسن الادب

(تفسیر بیضاوی ج ۴ ص ۱۵۷)

قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے ادب بے عقل ہوتا ہے۔ لہٰذا علماء دیوبند نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں اور شیعوں نے صحابہ کرام کی شان میں بے ادبی کا مظاہرہ کر کے اپنی بے عقلی پر مہر ثبت کردی ہے۔ لہٰذا دیوبندیوں اور شیعوں کو اپنا پیشوا ماننے والا بھی بڑا ہی بے عقل انسان ہے (فقیر قادری رضوی)

اگر وہ صبر کے ساتھ آپ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تو یہ ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا اور (چونکہ اس نادانی کا ارتکاب جذبۂ شوق کی وارفتگی میں ان سے ہوا ہے) اللہ بخشنے والا مہربان ہے (اپنی رحمتوں سے وہ انہیں معاف کر دے گا)۔ (الحجرات)

تشریح رشتۂ محبت کی ذرا نزاکت ملاحظہ فرمایئے۔ نبی کا منصبی فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کو خدائے واحد کا پرستار بنائے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ کلمۂ توحید کا اشتیاق لے کر پیغمبر کی چوکھٹ تک آئے ان کی بے قراری قطعاً ایک ایسے فرض کے لیے ہے کہ جس کا تعلق منصب نبوت سے بھی ہے۔ اس کے لیے آج وہ خود آواز دے رہے ہیں آواز کے پیچھے مقصد کی ہم آہنگی سے کون انکار کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود خدائے کردگار کے نزدیک یہ کام محبوب کے خواب ناز سے زیادہ اہم نہیں ہو سکتا۔ دونوں جہاں کا چین جس کی راحت جاں سے وابستہ ہے۔ اس کے آرام میں خلل ڈالنے کے معنی سوا اس کے اور کیا ہیں کہ پوری کائنات کی آسائش کو چھیڑ دیا جائے۔

پھر وارفتگی شوق کا یہ مطلب بھی ہرگز نہیں ہے کہ آداب عشق کی ان حدود سے کوئی تجاوز کر جائے جہاں تنقیص شان کا شبہ ہونے لگے۔

عرب کا ذرہ نواز تمہیں اپنے پہلو میں بٹھا لیتا ہے تو اس احسان بے پایاں کا شکر ادا کرو کہ ایک پیکر نور سے خاکساروں کا رشتہ ہی کیا؟ اور ایک لمحے کے لیے بھی اسے نہ بھولو کہ وہ روئے زمین کا پیغمبر ہی نہیں ہے۔ خدائے ذوالجلال کا محبوب بھی ہے۔

ان کی بارگاہ کے حاضر باش شیوۂ ادب سیکھیں۔

پیکرِ بشری سے دھوکہ نہ کھائیں۔ اپنے وقت کا سب سے بڑا زاہد اسی تقصیر پر عالم قدس سے نکالا گیا تھا۔ فرزندانِ آدم کو غفلت سے چونکانے کے لیے تعزیراتِ الٰہی کی یہ پہلی مثال کافی ہو گی کہ محبوب کے دامن سے مربوط ہوئے بغیر خدا کے ساتھ سجدۂ بندگی کا بھی کوئی رشتہ قابلِ اعتنا نہیں ہو سکتا ——

تیرھویں آیتِ کریمہ

شانِ نزول ـــــــ مدینے کے منافقین کا تذکرہ آپ پچھلے اوراق میں پڑھ چکے ہیں کہ وہ رسولِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اپنے دلوں میں کیسا بغض وعناد رکھتے تھے اور اُوپر سے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں کو کس طرح دھوکہ دیتے تھے۔ نماز پنج گانہ میں بھی حاضر ہوتے اور مجاہدین کے لشکر میں بھی شریک رہتے تھے۔ دین کے معاملے میں ان کی یہ دوغلی پالیسی صرف اس لیے تھی کہ مسلمان انھیں اپنا سمجھیں اور کفّار ومشرکین کے خلاف جو خفیہ منصوبے تیّار کیے جاتے ہیں وہ انھیں معلوم ہو جایا کریں۔ کیونکہ اُوپر سے وہ اسلام اور مسلمانوں سے دوستی کا دم بھرتے تھے اور اندر سے دشمنانِ اسلام کے ساتھ اُن کا خفیہ سازباز تھا۔

اِنہی منافقین کے ساتھ ابو عامر فاسق نام کے ایک انصاری کا بہت گہرا تعلّق تھا۔ یہ غزوۂ خندق تک ہر لڑائی میں دشمنوں کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برسرِ پیکار رہا۔ جب غزوۂ خندق میں کفّار ومشرکین کو شکست ہو گئی تو وہ ملک شام کی طرف بھاگ گیا۔ اور وہاں سے اس نے مدینہ کے منافقین کو کہلا بھیجا کہ جب تک مسلمانوں میں پھوٹ نہیں ڈالی جائے گی، پیغمبرِ اسلام کی عسکری طاقت کمزور نہیں ہو سکے گی۔

اس لیے تم لوگ مدینہ میں ایک علیحدہ مسجد تعمیر کرو اور پیغمبرِ اسلام کے خلاف تخریبی سازشوں کے لیے اُسے ایک محفوظ اڈّے کے طور پر استعمال کرو۔ مسجد کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے اس شبہے کی گنجائش بھی نہیں رہے گی کہ تم لوگ ان کی جماعتی قوّت توڑنے کے لیے کوئی خفیہ مرکز بنا رہے ہو۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور اُن کی قوّتِ جہاد کو پارہ پارہ کرنے کے لیے اس سے بہتر اور کوئی حیلہ نہیں ہے کہ نماز کے

نام پر تم انھیں اپنی مسجد میں لاؤ اور رفتہ رفتہ پیغمبر کی طرف سے ان کے دلوں میں اس طرح کے شکوک و شبہات پیدا کر دو کہ ان کی والہانہ عقیدت میں فتور پیدا ہو جائے اور پیغمبر کے گرد جان دینے والوں کی جو ایک مضبوط فصیل کھڑی ہے وہ جگہ جگہ سے ٹوٹ جائے۔ اس نے یہ اطلاع بھی بھیجی کہ میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں اور کوشش کر رہا ہوں کہ ایک ناقابل تسخیر سپاہ کے ساتھ مدینے پر چڑھائی کرا دوں۔ تم لوگ سامانِ حرب کے ساتھ تیار رہنا۔

چنانچہ ابو عامر فاسق کے مشورے پر مدینے کے منافقین نے قُبا نام کے محلّے میں چُپکے سے ایک مسجد کی بُنیاد رکھ دی۔ جب مسجد بن کر تیّار ہو گئی تو منافقین کے چند سرغنے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا کہ مسجد نبوی شریف ہمارے محلّہ سے کافی فاصلے پر ہے اس لیے ہم لوگوں نے اپنے محلّے کے بوڑھوں اور معذور لوگوں کے لیے قریب ہی میں ایک مسجد کی تعمیر کر لی ہے۔ ہماری اور تمام نمازیوں کی دلی خواہش ہے کہ حضور اس مسجد میں تشریف لے چلیں اور دوگانہ پڑھ کر اس کا افتتاح فرما دیں تاکہ آپ کے قدموں کی برکت سے ہماری نمازیں خدا کے دربار میں درجۂ قبول کو پہنچ جائیں۔

ان کا یہ معروضہ تو صرف دکھاوے کا تھا ورنہ دراصل ان کی نیت یہ تھی کہ جب حضور اُس مسجد میں نماز پڑھ لیں گے تو اُسے سندِ قبول حاصل ہو جائے گی اور عام مسلمانوں کو بھی اس مرکز میں آنے سے کوئی عذر نہ ہوگا۔

حضور نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں تو ابھی تبوک کے سفر پر جا رہا ہوں جو روم کی سرحد پر واقع ہے وہاں عیسائیوں کے ساتھ ایک بہت بڑا معرکہ درپیش ہے۔ جب میں وہاں سے واپس آؤں گا تو ان شاء اللہ تمہاری مسجد میں چلوں گا۔ جب حضورِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلّم دو مہینے پر غزوۂ تبوک کی مہم سے واپس لوٹے اور مدینہ

منورہ کے قریب پہنچے تو حضرت جبریل امین علیہ السلام یہ آیتِ کریمہ لے کر نازل ہوئے۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ؕ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ

اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد بنائی ہے" تاکہ مسلمانوں کو ضرر پہنچائیں اور وہاں سے کفر پھیلائیں۔ اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالیں۔ اور اُس شخص کے واسطے اُسے مکین گاہ بنائیں جو پہلے سے خدا و رسول سے لڑ رہا ہے۔ وہ قسم کھا کر یقین دلائیں گے کہ مسجد کی تعمیر سے ان کا مقصد سوا بھلائی کے اور کچھ نہیں ہے اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔ آپ ہرگز ان کی مسجد میں نہ جائیں۔

اس آیتِ کریمہ کے نزول کے بعد حضور پیکرِ نور صلّی اللہ علیہ وسلّم جب مدینہ منوّرہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے دو صحابی حضرت مالک ابن دخشم اور حضرت معن ابن عدی عجلانی کو حکم دیا کہ وہ مسجد ضرار ہے اُسے جا کر گرا دو اور جلا دو۔ (حوالہ کے لیے دیکھئے تفسیر درِ منثور اور وفاء الوفاء)

تشریح اپنے دماغ کا دروازہ کھول کر دل کی طہارت کے ساتھ اگر آپ اس آیتِ کریمہ کا مطالعہ کریں گے تو وحی الٰہی کی روشنی میں عشق و ایمان کے بہت سارے حقائق آپ پر روشن ہوں گے۔

(۱) سب سے پہلی بات تو آپ پر یہ منکشف ہوگی کہ نبی کی طرف سے مُسلمانوں کو بدعقیدہ بنانے کے لیے منافقین کھلی مخالفت کا راستہ نہیں اختیار کرتے بلکہ نماز اور اصلاح کے نام پر وہ مسجدوں کو اپنے خفیہ مشن کا مرکز بناتے ہیں۔ اور وہاں سے دین کے نام پر بے دین بنانے کی مہم چلاتے ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ بھی معلوم ہوگی کہ وہ کُھلے بندوں اس کا اظہار نہیں کرتے کہ

کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلمانوں کو بدعقیدہ بنانا ان کے تبلیغی مشن کا مقصد ہے بلکہ قسمیں کھا کھا کر وہ یقین دلاتے ہیں کہ ہمارا مقصد صرف مسلمانوں کی اصلاح ہے۔

(۳) تیسری بات یہ معلوم ہو گی کہ نبی کی عظمت کو مجروح کرنے والا کوئی مشہور باغی ضرور ان کی پشت پر ہے اور مسلمانوں میں اس کی ایمان سوز تعلیمات پھیلانے کے لیے وہ مسجدوں کو کمین گاہوں اور چھاؤنیوں کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

(۴) چوتھی بات یہ معلوم ہو گی کہ مسجدوں میں تبلیغی مرکز کے قیام سے ان کا بنیادی مقصد مسلمانوں میں عقیدے کی تفریق پیدا کر کے ان کے درمیان پھوٹ ڈالنا ہے۔

(۵) پانچویں بات یہ معلوم ہو گی کہ اللہ کے نزدیک نہ ان کی مسجد، مسجد ہے اور نہ ان کی نماز، نماز! اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہرگز اپنے پیغمبر کو وہاں جانے سے نہیں روکتا اور نہ پیغمبر اس کو منہدم کرنے اور جلانے کا حکم دیتے۔

(۶) چھٹی بات یہ معلوم ہو گی کہ مسجد اور نماز کے نام پر مسلمانوں کو ہرگز دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ کیونکہ جب ان کی مسجد میں جانے سے خدا نے اپنے پیغمبر کو روک دیا تو اہلِ ایمان کو ان کی اُس رسول دشمن تحریک میں شامل ہونا کیونکر درست ہو گا جس کی تکمیل کے لیے انھوں نے مسجد بنائی۔

(۷) ساتویں بات یہ معلوم ہو گی کہ جہاں بھی نبی کی بغاوت کے لیے کوئی مرکز قائم ہو جائے قائم کرنے والے نام کے مسلمان ہی کیوں نہ ہوں، وفادار اُمّت پر لازم ہے کہ وہ پوری قوّت کے ساتھ ان کی مخالفت کریں اور ان کے ناپاک مقصد کو بے نقاب کر کے مسلمانوں کو ان کے شر سے بچائیں۔

ان ساری تفصیلات کے بعد مجھے مسلمانوں سے صرف اتنا کہنا ہے کہ اس آیتِ کریمہ کی روشنی میں نہایت ہوشمندی کے ساتھ وہ اُن تبلیغی مراکز کا جائزہ لیں جو کلمہ و نماز

کے نام پر آج مسجدوں میں چلائے جا رہے ہیں، انھیں صرف باہر ہی سے نہیں اندر سے بھی دیکھیں۔ اس رُخ سے بھی دیکھیں کہ کن مشہور گستاخوں کے چہرے ان کے پیچھے ہیں۔ پیشانیوں پر صرف سجدوں کا داغ ہی نہ دیکھیں کہ یہ نشان منافقین کی پیشانی پر بھی تھا بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے دلوں کا کیا حال ہے؟

یہ بھی معلوم کریں کہ جانے والے چلّوں میں جاتے وقت تعظیم رسول اور عقیدت اولیاء کا جو جذبہ اپنے ساتھ لے کر گئے تھے وہ راستے میں کہاں لُٹ گیا۔ اُن آبادیوں کو بھی دیکھیں کہ جہاں ان کے پہنچنے سے پہلے دینی اتحاد تھا ان کے پہنچتے کے بعد وہاں مسلمانوں میں پھوٹ کیوں پڑ گئی۔

اس کے بعد فیصلہ کریں کہ ان حالات میں قرآن کی یہ آیتِ کریمہ ہم سے اور آپ سے کیا کہتی ہے۔ جب خاص عہدِ رسالت میں کفر و نفاق کا اتنا بڑا جال رچایا جا سکتا ہے تو آج کے دورِ فریب کا کیا پوچھنا؟ خدا ہماری حفاظت فرمائے۔

جلوۂ حق

سببِ تالیف

پچھلے دنوں حضور جانِ نور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے انکار پر مشتمل ماہنامہ آستانہ دہلی میں ایک نہایت دل آزار مضمون شائع ہوا تھا۔ جس کے جواب میں علامہ ارشد القادری صاحب نے قلم اُٹھایا اور اہلِ ایمان کا کلیجہ ٹھنڈا کر دیا۔ ورق اُلٹیے اور آپ بھی ایمان کے جلووں سے اپنی آنکھیں شاداب کیجیے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی
سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۝

سب سے پہلے اس حادثے پر میں اپنے دلی رنج و غم کا اظہار کرتا ہوں کہ آستانہ دہلی کو عام طور پر لوگ صوفیائے کرام کے مسلک کا ترجمان سمجھتے تھے۔ لیکن مئی ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں ایک مضمون پڑھنے کے بعد جس کی سرخی یہ ہے کہ "کیا حضور غیب داں تھے؟" ہر طرف یہ محسوس کیا جانے لگا ہے کہ آستانہ اب اس کیمپ کی نمائندگی کر رہا ہے جو انبیاء، اولیاء اور صوفیائے کرام کی بارگاہوں میں نہایت گستاخانہ ذہن رکھتا ہے۔ یہ الزام نہیں ہے بلکہ خود مضمون اس جارحانہ ذہنیت کی بھرپور عکاسی کرتا ہے۔

انصاف و دیانت کے ساتھ ایڈیٹر صاحبہ کے اس مضمون کا تنقیدی جائزہ لیا جائے تو یہ دعویٰ اظہر من الشمس ہو جائے گا کہ وہ حضور جانِ نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب داں نہیں سمجھتیں، اور ذہنی طور پر وہ دیوبندی مکتبِ فکر سے اس درجہ قریب ہو گئی ہیں کہ انکارِ علمِ غیب سے لے کر اندازِ استدلال تک، دیوبندی مذہب فکر کی ساری خصوصیات انھوں نے اپنا لی ہیں۔

میں انہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ اختلافی مسائل کی فہرست میں صرف مسئلہ علمِ غیب ہی نہیں ہے جس پر انہوں نے بحث کا دروازہ کھولا ہے۔ بلکہ عرس، فاتحہ، چادر پوشی، میلاد و قیام وغیرہ، وہ سارے مسائل بھی ہیں جن کی حلت و حرمت اور جواز و عدم جواز میں اہلِ سنت اور منکرین علمِ غیب کے درمیان واضح اختلافات

ہیں۔ اور جس طرح اہل سنت کے پاس جواز کے دلائل ہیں اسی طرح منکرین بھی اس بات کے دعویدار ہیں کہ ان کے پاس بھی ان امور کے بدعت و ناجائز ہونے پر دلائل موجود ہیں۔

ان حالات میں اب میں مضمون نگار صاحبہ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ جس جذبۂ تحقیق کے شوق میں اُنھوں نے علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں بحث کا دروازہ کھولا ہے۔ کیا اسی فراخ دلی کے ساتھ وہ اس امر کی تحقیق کے لیے بھی بحث کا دروازہ کھولنا پسند کریں گی کہ امین الاُمّت سراج معرفت حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی کی درگاہ شریف کے وہ سارے معمولات جو اُن کی سرپرستی میں سرانجام پاتے ہیں از روئے کتاب و سنّت جائز ہیں یا نہیں؟

میرا اپنا خیال ہے کہ شاید وہ اس کے لیے تیار نہ ہوں گی کیونکہ روایات و معمولات کے جواز کے سلسلے میں مشکوک ذہن لے کر وہ ہرگز درگاہی مراسم کے فرائض انجام نہیں دے سکتیں۔

میں یقین کی پوری قوت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علم غیب رسول کے مسئلے میں مضمون نگار صاحبہ کا ذہن تضاد کا شکار ہو گیا ہے۔ ایک طرف مخالفین کے لٹریچر سے مرعوب ہو کر وہ علم غیب رسول کا انکار بھی کرتی ہیں اور دوسری طرف اسی شمارے میں اس مصرعہ کو نعت شریف کا عنوان بھی بناتی ہیں کہ:

"جب کوئی مصیبت آتی ہے آقا کو خبر ہو جاتی ہے"

(آستانہ ص۴۷)

سوال یہ ہے کہ جب آقا کو علم غیب ہی نہیں ہے تو مصیبت کی خبر انھیں کیونکر ہو جاتی ہے۔ اور اسی شمارے کے ص۶ پر بارگاہِ رسالت میں شاعر آستانہ کا یہ خراجِ عقیدت بھی پیش کرتی ہیں۔ ع

آپ پر روشن شہہ والاہیں حالات جہاں !

اب یہ بات تو مضمون نگار صاحبہ ہی کے سوچنے کی ہے کہ جس رسول پر بعد وصال بھی سارے جہان کے حالات روشن ہیں وہ خود اپنی زندگی میں اپنی رفیقۂ حیات کے حالات سے کیونکر بے خبر تھا۔ جبکہ مضمون نگار صاحبہ نے اپنے اس مضمون میں نہایت شدومد کے ساتھ اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ حضور کو اگر علم غیب ہوتا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سلسلے میں حضور وحی کا انتظار کیوں کرتے۔

ان کے مضمون کا تنقیدی جائزہ تو میں بعد کو لوں گا فی الحال مجھے مضمون نگار صاحبہ سے صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ وہ دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ وہ کس کیمپ میں رہنا چاہتی ہیں؟ اگر منکرین علم غیب کے کیمپ میں اُنہوں نے اپنے لیے جگہ پسند کر لی ہے تو شوق سے وہ وہاں جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ نکتہ وہ ذہن نشین فرما لیں کہ عقیدے کی تبدیلی کا ان کی اپنی نجی زندگی پر تو کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ لیکن کسی بھی مذہبی اور روحانی مشن کی سربراہی کے لیے ذہنی طور پر اس نظام فکر کے ساتھ ہم آہنگی ضروری ہے جس نظام فکر کی وہ مشن نمائندگی کرتا ہے۔ اس لیے مخالف کیمپ میں قدم رکھنے سے پہلے اصولی طور پر اُنہیں بہت سی چیزوں سے دست برداری کا اعلان کرنا ہوگا۔

مثال کے طور پر درگاہ شریف میں ہونے والے عرس کے مراسم و معمولات کی ادائیگی، مزار مبارک پر دعائے حاجت مندان اور آستانہ کے ٹائٹل پیج پر اولیاء اللہ کی تحریکات کا علمبردار، والا عنوان، ان میں سے کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جس کا پیوند مخالف کیمپ کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہو۔

مضمون نگار کی نظر میں زندگی کے اصولوں کی اگر کوئی قدر و قیمت ہے، تو اُنہیں یہ سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی بھی معقول آدمی دو متضاد اصولوں

کے ساتھ نباہ نہیں کر سکتا۔ اسے بہر حال ایک طرف ہونا ہو گا۔ اِدھر یا اُدھر!۔
صوفیائے کرام کے مشرب میں قطعاً اس کی گنجائش نہیں ہے کہ

"شیخ بھی خوش رہے شیطان بھی ناراض نہ ہو"

اور اگر مادی مفادات کے پیشِ نظر مضمون نگار صاحب ان میں سے کسی چیز سے بھی دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں تو انھیں سب سے پہلے صوفیائے کرام کے اُس مسلک کے ساتھ اپنی غیر مشروط وفاداری کا اعلان کرنا ہو گا جس کا ترجمان بننے کی وہ دعوے دار ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں اب ان کے لیے ضروری ہو گا کہ کسی بھی مسئلے میں اپنے طور پر کوئی رائے قائم کر لینے کے بجائے وہ اکابرِ اُمت، سلف صالحین اور ائمۂ صوفیاء کی طرف رجوع فرمائیں۔ کیونکہ عقیدے کا کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جسے ہمارے بزرگوں نے کتاب و سنت اور قیاس و اجماع کی روشنی میں واضح اور منقح نہ کر دیا ہو۔ باقی رہے وہ لوگ جو ہمارے معاشرے میں ایک خود رَو پودے کی طرح برآمد ہو گئے ہیں اور ہمارے مستند ماضی سے کٹ کر اپنا ایک الگ تھلگ وجود رکھتے ہیں۔ انہیں نہ بزرگانِ دین کی اصابت رائے پر اعتماد ہے اور نہ اُن کے دلوں میں صوفیائے کرام کی روایات کے احترام کا کوئی جذبہ ہے۔ وہ لوگ آزادیٔ رائے اور ملحدانہ فکر کی پیداوار ہیں ہر مسئلے میں شکوک و شبہات کا ذہنی ماحول پیدا کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنا ان کا بنیادی مشغلہ ہے۔

مضمون نگار صاحب اس شکوہ پر آزردہ نہ ہوں تو عرض کروں گا کہ انہیں علمِ غیب رسول کے بارے میں اگر کوئی شبہ تھا تو انکار میں رائے قائم کر لینے کے بجائے انہیں چاہیئے تھا کہ وہ ایک نیاز مند سائل کی طرح علمائے حق کی طرف رجوع کر کے اپنے شکوک و شبہات کا ازالہ کر لیتیں۔ میں انہیں اتنا بے خبر نہیں جانتا

کہ وہ مسلمانوں کے مختلف مکاتبِ فکر، ان کے تشخصات اور اختلافات کے پس منظر سے واقف نہیں ہیں اور وہ اتنا نہیں سمجھ سکتیں کہ مسلک کے اعتبار سے کون ان کا اپنا ہے اور کون بیگانہ ؟ لیکن نہ جانے کس جذبے کی تحریک پر اچانک اس مسئلے میں اُنھوں نے ایک فریق مخالف کا رویہ اختیار کر لیا۔ اور حدیث کا اُردو ترجمہ سامنے رکھ کر مضحکہ خیز قسم کی قیاس آرائیوں پر اُتر آئیں۔

قارئین کرام اُن کی بے بنیاد قیاس آرائی کا ایک ایمان سوز نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔ تحریر فرماتی ہیں :

"جب امہات المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر الزام لگایا گیا تھا اور ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک ماہ تک حضرت عائشہ سے ناراض رہے تھے۔ اگر آپ عالم الغیب ہوتے تو پھر اُنہیں حضرت عائشہ کی پاکیزگی پر شک کیوں ہوا۔" (آستانہ ص۲۳)

کن لفظوں میں اس دل آزار تحریر کے خلاف میں اپنے کرب کا اظہار کروں کہ مضمون نگار صاحبہ نے علم غیب کے انکار میں دلیل پیش کرنے کے بجائے بہتان تراشی کا مذموم الزام اپنے سر لے لیا ہے ایک نہیں دو، دو۔ اور وہ بھی اپنے واجب الاحترام نبی کی ذات پر جس کا وہ کلمہ پڑھتی ہیں۔

پہلا بہتان تو انہوں نے یہ تراشا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل ایک ماہ تک حضرت عائشہ سے ناراض رہے تھے اور دوسرا بہتان یہ لگایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکیزگی پر شک تھا۔

ایک طرف مضمون نگار صاحبہ کا مبلغ علم ملاحظہ فرمایئے کہ اُنہیں عربی زبان

کی اتنی بھی واقفیت نہیں ہے کہ وہ واحد اور جمع کا فرق سمجھ سکیں، اُمہات، اُم، کی جمع ہے۔ جس کا اطلاق ایک عورت پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس لاعلمی کے نتیجے میں اُنھوں نے بجائے اُمّ المومنین کے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو "اُمّہات المومنین" لکھ دیا ہے۔ اور دوسری طرف گستاخانہ ذہن کی یہ جسارت ہے کہ اُنھوں نے قیاس فاسد کے ذریعہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسی اہانت آمیز باتیں منسوب کر دی ہیں جن کی کسی حدیث میں بھی صراحت نہیں ملتی اور جن کے متعلق سوا اس کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صرف ان کے غلط اندیش ذہن کی پیداوار ہے۔

ان کی افترا پردازی کے ثبوت کے لیے الگ سے مجھے کچھ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ موصوفہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں ایک طویل حدیث کا اُردو ترجمہ بھی اپنے مضمون میں نقل کیا ہے۔ اگرچہ اُنھوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے کہ کس کتاب سے اُنھوں نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ پھر بھی انہی کی پیش کردہ حدیث میں جگہ جگہ اس امر کی صراحت موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اپنی رفیقۂ حیات سے ناراض تھے اور نہ ان کی پاکیزگی پر اُنہیں کسی طرح کا شک تھا۔

جیسا کہ اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یہ بیان نقل کیا گیا ہے کہ اُن ایّام میں ایک ماہ تک میں بیمار رہی۔ علالت کے دوران حضور پاک میرے پاس تشریف لاتے۔ مجھے سلام فرماتے اور میرے قریب بیٹھ کر مجھ سے خیریت دریافت فرماتے۔ اور دوسری جگہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی یہ روایت بھی بایں الفاظ نقل کی گئی ہے کہ اُنھی ایام میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے اور قوم کو ان الفاظ میں خطاب فرمایا:

"اُس شخص کی طرف سے مجھے کون معذور سمجھے گا یا میری مدد کرے گا

جس نے میری بیوی پر بہتان تراشی کر کے مجھے تکلیف دی ہے۔
خدا کی قسم میں نے اپنی اہل میں کسی قسم کی بُرائی نہیں دیکھی ہے۔
(آستانہ ص۲۵)

قارئین کرام انصاف فرمائیں کہ جب قسم کھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلان فرما رہے ہیں کہ میں نے اپنی اہل میں کسی قسم کی کوئی بُرائی نہیں دیکھی ہے تو اب کسی طرح کی ناراضگی یا بدگمانی کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

اور بخاری شریف میں حدیث شریف کے اس ٹکڑے کا عربی متن یہ ہے:

وَاللّٰہِ مَا عَلِمْتُ فِیْ اَھْلِیْ اِلَّا خَیْرًا۔

"قسم خدا کی مجھے اپنے اہل کے بارے میں خیر اور بہتری ہی کا علم ہے"

غور فرمایئے! مجمع عام میں ایک صادق الامین پیغمبر کے اس اعلان خیر و اعتماد کے بعد بھی مضمون نگار صاحبہ کو اصرار ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض تھے اور اُنہیں ان کی پاکیزگی پر شک تھا۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اگر معلوم تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الزام سے بری ہیں تو اُنھوں نے اپنے علم کی بنیاد پر باضابطہ ان کی برأت کا اعلان کیوں نہیں کر دیا۔

اس سوال کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ معاملہ اپنے گھر کا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ اپنے علم کی بنیاد پر حضور اس مقدمہ کا فیصلہ حضرت عائشہ کی موافقت ہی میں کرتے۔ اس صورت میں کوئی بھی کینہ پرور منافق زبان طعن دراز کر سکتا تھا کہ فیصلے میں جانب داری سے کام لیا گیا ہے اور مجرم کی پردہ پوشی کی گئی ہے۔

اور خاص کر ایسے ماحول میں جب کہ دشمن کا بہت بڑا گروہ رات دن ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو اور منافرت پھیلانے والی افواہوں اور شر انگیز پروپیگنڈوں کا طوفان اس زور و شور سے اٹھایا گیا ہو کہ قریب کے لوگ بھی متاثر نظر آرہے ہوں ان حالات میں حالات کا تقاضا یہی ہے کہ خود فیصلہ کرنے کے بجائے کسی ایسی ذات سے اس مقدمہ کا فیصلہ کرایا جائے جس کے بارے میں جانب داری یا پردہ پوشی کا شبہ بھی نہ کیا جا سکے۔

اس وقت مدینہ کا ماحول بالکل اسی طرح کا ہو گیا تھا۔ راس المنافقین عبداللہ ابن اُبی کی سرکردگی میں سارے منافقین کھل کر سامنے آگئے تھے اور طرح طرح کی افواہوں کے ذریعہ اس فتنہ کو اس طرح ہوا دے رہے تھے کہ متعدد صحابۂ کرام تک غلط فہمی کا شکار ہو گئے۔

ان حالات میں احتیاط کا تقاضا یہی تھا کہ حضور خود اعلان برأت نہ فرمائیں اور وحی الٰہی کا انتظار کریں۔ بالآخر ایک ماہ کے طویل انتظار کے بعد حضرت عائشہ کی برأت میں وحی نازل ہوئی اہلِ ایمان بھی مطمئن ہو گئے اور منافقین کی زبانیں بھی ہمیشہ کے لیے مقفل ہو گئیں۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ کچھ بعید نہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس فرمایا ہو کہ خود میں اپنے الفاظ میں اگر برأت کا اعلان کرتا ہوں تو اس کی حیثیت حدیث کی ہو گی۔ جو لوگ خود اپنے کانوں سے میرے الفاظ سن لیں گے انہیں تو قطعی اطمینان ہو جائے گا۔ لیکن یہی حدیث جب روایتوں کے ذریعے آگے بڑھے گی اور آنے والی نسلوں تک پہنچے گی تو کوئی بھی اپنے وقت کا منافق حدیث کی صحت کو مجروح کرنے کے لیے کہہ سکے گا کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا حدیث کا فلاں

راوی ساقط الاعتبار ہے یا اپنے سلسلۂ سند کے اعتبار سے یہ حدیث قابلِ اعتماد نہیں ہے۔

لیکن برأت کا اعلان اگر خدا کی طرف سے ہو جائے تو اُسے قرآن کہا جائے گا۔ اور قیامت تک کسی بڑے سے بڑے منافق اور بد خواہ کو بھی اس کی جرأت نہ ہوگی کہ قرآن کی صحت کے بارے میں شک اور شبہے کی بات نکال سکے۔

یہی وہ عظیم مصلحت تھی جس کے پیش نظر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خود برأت کا اعلان نہیں فرمایا اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی بھر کی پرسوز رفاقت کو یہ قابلِ رشک صلہ عطا فرمایا کہ وہ قیامت تک کے لیے آیاتِ قرآنی کا عنوان بن گئیں۔ جب تک "قاری" کے سینے سے تلاوتِ قرآنی کے نغمے اُبلتے رہیں گے حضرت عائشہ کے تذکرۂ جمیل کی خوشبو سے دنیا معطر ہوتی رہے گی۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو نورِ نبوت کی غیبی قوتِ ادراک کے ذریعے اس امر کا یقین تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی برأت میں ضرور قرآن کی کوئی آیت نازل ہوگی۔ اس لیے کہ جس خدائے کریم و قدیر نے صرف اپنے محبوب کی خواہش پر تحویلِ قبلہ کی آیت اُتاری تھی۔ اس کی شانِ کریمانہ سے یہی متوقع تھا کہ ناموسِ رسول کے تحفظ اور محبوب کے پاسِ خاطر کے لیے ضرور اس کی رحمت جوش میں آئے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اور مخالفین کا دوسرا سوال یہ ہے کہ اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے نورِ نبوت سے اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ واقعہ غلط ہے اور منافقین نے صرف اپنے دلوں کے غیظ کی تسکین کے لیے بہتان باندھا ہے تاکہ اخلاص پیشہ مسلمانوں کے خیالات پراگندہ ہوں اور جاں نثاروں کی صفوں میں انتشار پیدا ہو جائے تو حضور

پاک صلی اللہ علیہ وسلم ایک مہینے تک پریشان کیوں تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ پہلی جیسی شگفتگی باقی کیوں نہیں رہ گئی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ صرف تکلیف اور پریشانی کی بنیاد پر یہ نتیجہ نکالنا سراسر غلط ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا الزام سے بری ہیں اور معاذ اللہ حضور کو ان کی پاکیزگی پر شک تھا۔

دوسرے کی آپ بیتی آپ سمجھ نہیں سکتے تو اپنی ہی زندگی کا کوئی ایسا موقع تلاش کیجئے۔ جب آپ کے دشمنوں نے آپ پر نہایت ذلیل اور شرمناک قسم کا کوئی بہتان لگایا ہو اور طرح طرح سے اس کا پروپیگنڈہ کر کے سوسائٹی میں آپ کو رسوا کرنا چاہتے ہوں ایسی صورتِ حال میں ایمان سے بتایئے کہ یہ جاننے کے باوجود کہ آپ پاک دامن اور بے قصور ہیں کیا آپ کو پریشانی لاحق نہیں ہوگی۔ کیا ایک باعزت آدمی اس طرح کے حالات میں صرف اس لیے مسرور اور مطمئن نظر آئے گا کہ وہ اپنے بارے میں اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کے خلاف جو الزام لگایا گیا ہے وہ بالکل بے بنیاد جھوٹا اور غلط ہے۔

فطرتِ انسانی کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر آپ کا جواب یہ ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے کہ اس طرح کے حالات میں ایک شریف آدمی کی پریشانی عین فطرت کے مطابق ہے تو اسی کے ساتھ ساتھ یہ سچائی بھی تسلیم کرنی پڑے گی کہ پریشانی کی وجہ شرانگیز پروپیگنڈہ ہے، لاعلمی نہیں ہے۔

انہی اندوہناک اور پریشان کن حالات کا یہ اثر تھا کہ ان ایام میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکثر متفکر اور اداس رہا کرتے تھے۔ طبعی حالات کے تحت جہاں زندگی کے اور معمولات میں تبدیلیاں ہوئیں وہاں ازدواجی زندگی کی خوش گوار فضا پر

بھی اُداسیوں کے بادل چھا گئے ۔ اس لیے کہتے دیجئے کہ رنج وغم کی اس طبعی کیفیت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن دنوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ناراض تھے انتہا درجہ کی بد دیانتی اور غلط فہمی ہے ۔

اب اپنے جوابات کی تائید میں مرجع المفسّرین حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ والرضوان کا ایک قول نقل کرتا ہوں تاکہ کوئی یہ الزام نہ رکھ سکے کہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے وہ صرف ایجاد بندہ ہے ۔ اس واقعہ کے ذیل میں موصوف ارشاد فرماتے ہیں ۔

لو عرف ذٰلك لما ضاق قلبه و لما سال عائشة كيفية الواقعة قلنا الجواب عن الاوّل الكفر ليس من المنفرات اما كونها فاجرة فمن المنفرات ۔

والجواب عن الثّانى انه عليه السّلام كثيرا ما كان يضيق قلبه من اقوال الكفار مع علم الفساد بتلك الاقوال قال الله تعالىٰ ولقد نعلم انك يضيق صدرك بما يقولون ○

فكان هٰذا من هٰذا الباب (تفسیر کبیر ج ۶ ص ۳،۵)

(مفہوم اُردو زبان میں)

(یہ شبہ وارد کیا جا سکتا ہے کہ) اگر حضور کو حقیقت واقعہ کا علم ہوتا تو کبھی اُنہیں دل کی پریشانی لاحق نہیں ہوتی اور حضرت عائشہ سے وہ واقعہ کی تفصیل دریافت نہ کرتے ۔

پہلے شبہ کا جواب تو یہ ہے کہ منافقین کا حملہ چونکہ ناموس پر تھا اس لیے حضور کو پریشانی لاحق ہونا ایک طبعی امر تھا ۔ کیونکہ نبی کی بیوی کی طرف فجور کی نسبت کفر کی نسبت سے بھی زیادہ سخت ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ کسی عورت کا کافر ہونا اخلاقی طور پر نفرت کا باعث نہیں ہوتا۔ لیکن عورت کی بدچلنی معاشرے میں نہایت نفرت کی چیز سمجھی جاتی ہے۔

اور رہ گیا یہ سوال کہ واقعہ کی حقیقت سے باخبر ہوتے ہوئے بھی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں پریشان تھے۔ تو تاریخ نبوت میں دشمنوں کی طرف سے ایذا رسانی کا یہ کوئی پہلا واقعہ نہیں تھا۔ آئے دن کفار کے طعنوں اور بدگوییوں سے حضور اکثر دل گرفتہ رہا کرتے تھے۔ حالانکہ حضور اچھی طرح جانتے تھے کہ کفار جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں حضور کی اس طبعی کیفیت کا اظہار ان لفظوں میں کیا گیا ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ۔

"اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ کفار کی باتوں پر آپ دل گرفتہ رہا کرتے ہیں"۔

پس جس طرح کفار کے طعنوں کا غلط اور بے بنیاد ہونا جاننے کے باوجود بھی حضور کو پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ اسی طرح حضرت اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں بھی یہ جاننے کے باوجود کہ وہ الزام سے بَری ہیں منافقین کی بدزبانیوں سے حضور دل گرفتہ تھے۔

یہاں پہنچ کر تنقیدی جائزے کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ پچھلے اوراق میں یہ بات مدلل طور پر ثابت کر دی گئی ہے کہ علم غیب کے انکار میں مضمون نگار کا استدلال خود ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہے۔ حدیث کے مضمون سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ چونکہ مسئلہ علم غیب رسول مسلمانوں کے بنیادی عقیدے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے اس مسئلے پر اب مثبت انداز میں ایک علمی بحث کا آغاز کر رہا ہوں، تاکہ قارئین پر یہ حقیقت بھی اچھی طرح واضح ہو جائے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے

بارے میں علمِ غیب کا عقیدہ اختراعی نہیں ہے بلکہ کتاب وسُنّت اور اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔

قبل اس کے کہ اصل بحث کا آغاز کیا جائے۔ بطور تمہید چند مقدمات ذہن نشین فرمالیں تاکہ اس مسئلے کی پوری تفصیلات سے آپ واقف ہوسکیں۔

(۱) سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدۂ علمِ غیب کے وہ حدود کیا ہیں جو خدا کے علم کو رسول کے علم سے ممتاز کرتے ہیں اور منکرین کی طرف سے مساوات کی بنیاد پر شرک کا جو الزام عائد کیا جاتا ہے اس کی کھلی ہوئی تردید ہوجاتی ہے۔

حضور کے علم پاک کے سلسلے میں ہمارا عقیدہ تین قیود کے ساتھ مقید ہے۔

(الف) پہلی قید تو یہ ہے کہ حضور پاک کا علم دو حدوں کے درمیان محدود ہے۔ جبکہ خدا کا علم لامحدود ہے۔ نہ اس کی کوئی ابتداء ہے نہ انتہا۔

اسی عقیدے کے ذیل میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کے مطابق ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تخلیقِ آدم سے لے کر دخول جنّت ونار تک کا علم مانتے ہیں۔

(ب) دوسری قید یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حادث ہے۔ خدا کے علم کی طرح قدیم نہیں ہے۔ حادث کا مطلب یہ ہے کہ وہ کبھی نہیں تھا اور کبھی نہیں بھی رہے گا۔ یعنی خدائے تعالیٰ کے علم کی طرح حضور کا علم ازلی اور ابدی نہیں ہے۔

(ج) تیسری قید یہ ہے کہ حضور کا علم عطائی ہے۔ یعنی اپنی ذات سے نہیں ہے۔ خدا کی عطا سے ہے۔ جبکہ خدا کا علم ذاتی ہے یعنی خود اپنی ذات سے ہے کسی کا عطا کردہ نہیں ہے۔

(۲) علمِ غیب رسول کے سلسلے میں یہ بنیادی اصول مان لینے کے بعد یہ مان لینا

بھی ضروری ہے کہ جو شخص بھی حضور کے لیے ایک ذرّے کا علم بھی ذاتی مانتا ہے یا حضور کے علم کو خدا کے علم کی طرح لامحدود اور غیر متناہی قرار دیتا ہے یا خدا کے علم کی طرح حضور کے علم کو بھی قدیم یعنی ازلی اور ابدی مانتا ہے وہ بالفاظ دیگر خدا کی صفتِ خاص میں رسول کو شریک ٹھہراتا ہے۔ اس لیے ایسا شخص قطعاً مشرک کافر اور خارج اسلام ہے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی سخت جہالت و الحاد کا شکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حضور کے لیے محدود، حادث اور عطائی علم ماننے کی صورت میں بھی شرک کا الزام عائد ہوتا ہے۔ یہ لوگ یا تو شرک کا مفہوم نہیں جانتے یا ان کے دلوں پر کفر و نفاق کی مہر لگ گئی ہے۔

(۳) منکرین علمِ غیب کی ایک کھلی ہوئی گمراہی یہ بھی ہے کہ وہ ہمیشہ غلط قیاس آرائیوں سے کام لیتے ہیں۔

مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مصلحت کے پیشِ نظر اگر کسی سوال کا جواب نہیں دیا یا کسی حکمت کے تقاضے پر جواب میں تاخیر ہوئی یا کسی سے کوئی بات دریافت کر لی تو جھٹ یہ لوگ حکم لگا دیتے ہیں کہ حضور کو معلوم ہوتا تو حضور جواب کیوں نہیں دیتے۔ حضور جانتے ہوتے تو جواب میں تاخیر کیوں فرماتے۔ اگر حالات سے باخبر ہوتے تو دوسرے سے دریافت کیوں کرتے۔

واضح رہے کہ یہ ساری قیاس آرائیاں جذبۂ تنقیص کے نتیجے میں خود ان کے اپنے ذہن کی پیداوار ہوتی ہیں۔ حدیثوں کے الفاظ میں اس طرح کی غلط اندیشی کے لیے کوئی اشارہ نہیں ملتا۔

اس طرح کی قیاس آرائیوں کا فساد سمجھنے کے لیے کہیں دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن میں بیان کیا ہوا یہ قصہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر خدا سے ہمکلام تھے تو خدائے پاک نے ان سے دریافت فرمایا "وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى اے موسیٰ آپ کے داہنے ہاتھ میں کیا ہے۔

جواب دیا۔ "هِیَ عَصَایَ" یہ میری لاٹھی ہے۔

دریافت کرنے کی بنیاد پر کیا کوئی بدبخت یہ کہہ سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو حضرت موسیٰ کے ہاتھ کی لاٹھی نظر نہیں آرہی تھی ورنہ ان سے کیوں دریافت فرماتا۔

اسی طرح قرآن میں یہ قصہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ جب خدا کے حکم کے باوجود ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا تو خدائے پاک نے اس سے دریافت فرمایا۔

مَا مَنَعَكَ اَنْ لَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ

"میرے حکم کے بعد تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا۔"

غور فرمائیے! کیا یہاں بھی کوئی بیگانۂ ہوش قیاس کی یہ تک بندی لڑا سکتا ہے کہ اگر خدا کو اس کے دل کی بات معلوم ہوتی تو اس سے وجہ کیوں دریافت فرماتا؟

اسی طرح بہت سی حدیثوں میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ ملائکہ سیاحین جب زمین کا گشت کر کے عرشِ اعظم کی طرف واپس جاتے ہیں تو خدائے پاک ان سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں پایا۔

کیا اس مقام پر بھی کوئی بدسرشت اپنی اس شقاوت فکر کا مظاہرہ کر سکتا ہے کہ خدا اگر اپنے بندوں کے احوال سے واقف ہوتا تو فرشتوں سے کیوں دریافت کرتا؟

ان سارے واقعات سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ کسی بات کا پوچھنا لاعلمی کی دلیل نہیں ہے۔ جانتے ہوئے بھی کسی مصلحت کے پیش نظر سوال کیا جا سکتا ہے یا جواب دینے سے اعتراض کیا جا سکتا ہے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ دوسرا شخص بھی ان مصلحتوں سے واقف ہو۔

دور کیوں جائیے خود ہماری بھی زندگی میں بھی اس طرح کے بےشمار مواقع پیش آتے ہیں کہ مصلحتوں کی وجہ سے ہم کسی چیز کو جانتے ہوئے بھی دریافت کرتے ہیں یا جواب

دینے سے گریز کرتے ہیں۔
اس بحث کو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ منکرین علم غیب کا یہ سب سے بڑا ہتھیار ہے۔
(۴) اس مقام پر ایک اصولی بحث اور بھی سمجھنے کی ہے اور وہ یہ ہے کہ قرآنِ عظیم میں عقیدۂ علم غیب پر ہمیں دو طرح کی آیات ملتی ہیں۔
چند آیتیں ایسی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم ہے اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کے مضمون سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں ہے۔
ان دونوں طرح کی آیتوں پر نظر ڈالنے کے بعد جو سب سے اہم سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ہم صرف ثبوت والی آیتوں پر ایمان لائیں اور انکار والی آیتوں کا انکار کردیں یا پھر انکار والی آیتوں کو تسلیم کریں اور ثبوت والی آیتوں کو نظر انداز کردیں۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا اور ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا تو پھر ایسی حالت میں جبکہ ایک آیت کا مضمون دوسری آیت کے مضمون سے ٹکرا رہا ہے آخر اس کا حل کیا ہوگا؟
میں اپنے قارئین کرام سے عرض کروں گا کہ پہلے آپ دونوں طرح کی آیتیں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد ہم آپ کو حل کی طرف لے چلیں گے۔

(ثبوت والی آیتیں)

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔

عالم الغیب خدا، اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا۔ لیکن جسے چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَیْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ یَّشَآءُ۔

اللہ کی یہ شان نہیں ہے کہ تم میں سے ہر ایک کو اپنے غیب پر مطلع کردے لیکن اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے اسے غیب کا علم عطا فرماتا ہے۔

تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۔

یہ غیب کی خبریں ہیں جنھیں اے رسول ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں (یعنی بذریعۂ وحی ہم غیب کی خبروں سے آپ کو مطلع کر رہے ہیں)۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ۝

اور وہ (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) غیب کی بات بتانے پر بخیل نہیں ہیں۔

خداوند قدوس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے اعلان کرایا کہ:

وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۔

اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں کیا جمع کرتے ہو۔

نوٹ: کون کیا کھاتا ہے اور اپنے گھر میں کیا جمع کرتا ہے۔ یہ بھی غیب ہی کی خبر ہے۔ خدا نے غیب کا یہ علم اپنے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمایا ہے۔

غور فرمایئے! ان تمام آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے علم غیب کی نسبت اپنے رسول کی طرف نہایت صراحت کے ساتھ فرمائی ہے اور اچھی طرح واضح فرما دیا ہے کہ خدا کی عطا سے غیب کا علم رسول کو بھی ہے۔

اب وہ آیتیں ملاحظہ فرمایئے جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیب کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

(انکار والی آیتیں)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ

اے رسول! آپ کہدیجئے کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔

اور اللہ ہی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ؕ

اے نبی آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع و نقصان کا اُتنے ہی بھر مالک ہوں جتنا خدا نے مجھے اختیار دیا ہے اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا اور مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

ملاحظہ فرمایئے! ان آیات میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں واضح طور پر علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے اور پوری صراحت کے ساتھ اس امر کا اعلان کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

یہی وہ منزل ہے جہاں منکرینِ علمِ غیب نے ٹھوکر کھائی ہے اور دونوں طرح کی آیتوں کے درمیان کوئی نقطۂ تطبیق تلاش کرنے کے بجائے اُنھوں نے ثبوت والی آیتوں کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف انکار والی آیتوں پر ایمان لے آتے ہیں لیکن ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیوں کہ ہمارا ایمان پورے قرآن پر ہے۔ ہماری نظر میں اس کا حل صرف یہ ہے کہ جن لوگوں نے قرآن کو خود صاحبِ قرآن سے سمجھا ہے ان کی طرف اخلاص کے ساتھ اگر رجوع کیا جائے تو دونوں طرح کی آیتوں کے درمیان کوئی نقطۂ اتفاق ضرور مل جائے گا۔ جس کے نتیجے میں دونوں طرح کی آیتوں پر ایمان لانے میں مضمون کا کوئی ٹکراؤ باقی نہیں رہے گا۔

اکابر امت اور ائمہ تفسیر نے دونوں طرح کی آیتوں کے درمیان مطابقت کا جو مفہوم روایات کی روشنی میں دریافت کیا ہے۔ اس کی تفصیلات ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) مشہور محدث حضرت امام نووی اپنے فتاویٰ میں تحریر فرماتے ہیں:

مامعنی قول اللہ تعالیٰ لایعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ واشباہ ذٰلک مع انہ قد علم ما فی غد فی معجزات النبی صلوات اللہ وسلامہ علیہ و فی کرامات الاولیاء رضی اللہ عنہم الجواب معناہا لایعلم ذٰلک استقلالا الا اللہ واما المعجزات والکرامات فحصلت باعلام اللہ لا استقلالاً۔

اس آیت کریمہ کہ زمین و آسمان میں اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا اور اسی طرح کی دوسری آیتوں کا مطلب کیا ہے۔ حالانکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اولیاء کی کرامات کے ابواب میں ہم بہت سی غیب کی خبریں پڑھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کے معنیٰ یہ ہیں کہ اللہ کے سوا ذاتی طور پر کوئی غیب نہیں جانتا اور معجزات و کرامات کے ابواب میں جو ہم غیب کی خبریں پڑھتے ہیں تو وہ اللہ کی عطا سے ہے ذاتی نہیں ہے۔

(۲) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علم غیب کی نفی والی آیات کا جواب دیتے ہوئے امام خفاجی کتاب الشفاء کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں:

وھٰذا لاینافی الآیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب الا اللہ فان المنفی عنہ من غیر واسطۃ واما اطلاعہ باعلام اللہ فانہ امر متحقق بقولہ تعالیٰ فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول۔

(حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غیب دانی سے متعلق جو روایات کتاب الشفاء میں نقل کی گئی ہیں) وہ اُن آیتوں کے منافی نہیں ہیں جو اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ کے سوا غیب کی بات کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ جن آیتوں میں علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا کی عطا کے بغیر کوئی نہیں جانتا۔ اور جن حدیثوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی کے واقعات بیان کیے گئے ہیں وہ اللہ کی عطا سے ہے۔ اور یہ امر متحقق ہے کیونکہ اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا لیکن جسے چن لیتا ہے اپنے رسولوں میں سے۔

(۳) علامہ قسطلانی شرح مواہب اللدنیہ میں اس مسئلے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

ولا ینافی الآیات الدالۃ علی انہ لایعلم الغیب الا اللہ ولوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر لان المنفی عنہ من غیر واسطۃ۔

(حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی سے متعلق احادیث میں بیان کردہ واقعات) ان آیات قرآنی کے منافی نہیں ہیں جن میں بیان کیا گیا کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کی بات نہیں جانتا (اور اے نبی آپ کہہ دیجئے) اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ کیونکہ ان آیتوں میں ذاتی علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے۔ جبکہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا علمِ غیب عطائی ہے۔

(۴) علامہ خازن اپنی تفسیر لباب التاویل میں ارشاد فرماتے ہیں:

فان قلت قد اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن المغیبات وقد جاءت احادیث فی الصحیح وھو من اعظم معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم الجمع بینہ وبین قولہ تعالیٰ لوکنت

اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر قلت یحتمل ان یکون قاله صلی اللہ علیہ وسلم علی سبیل التواضع والادب والمعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللہ۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے غیبی امور کی خبر دی ہے اور بہت سی صحیح روایات کے ذریعہ پتہ چلتا ہے کہ غیب دانی حضور کا سب سے بڑا معجزہ ہے۔ تو پھر ان احادیث اور قرآن کی اس آیت کے درمیان مطابقت کی صورت کیا ہوگی۔ جس میں حضور پاک کی زبانی کہلوایا گیا ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا۔ میں اس سوال کا جواب یہ دوں گا کہ یا تو حضور نے برسبیل تواضع وادب یہ بات ارشاد فرمائی ہے یا حضور کی مراد یہ ہے کہ بغیر اللہ کی عطا کے ذاتی طور پر مجھے غیب کا علم ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا جبکہ حدیثوں میں جو واقعات بیان کیے گئے ہیں ان کا تعلق عطائی علم غیب سے ہے۔ اس لیے اب احادیث اور قرآن کی اس آیت کریمہ کے درمیان کوئی تعارض باقی نہیں رہا۔

(۵) حضرت امام مناوی شرح جامع صغیر میں ارشاد فرماتے ہیں۔

واما قوله یعلمه فمفسر بانه لا یعلمها احد بذاته من ذاته الا هو۔

"اللہ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا اپنی ذات سے بالذات کوئی بھی غیب نہیں جانتا (جبکہ نبی کے بارے میں بھی ہم عطائی علم کا عقیدہ رکھتے ہیں)۔

مذکورہ بالا عبارتوں پر آپ غور فرمائیں تو آپ واضح طور پر محسوس فرمائیں گے کہ نفی اور ثبوت دونوں طرح کی آیتوں کے درمیان اب کسی طرح کا کوئی تعارض باقی نہیں

رہا۔ جن آیتوں میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علمِ غیب کے ثبوت کا بیان ہے ان سے عطائی اور محدود علمِ غیب مراد ہے اور جن آیات میں یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی غیب کی بات نہیں جانتا اس سے مراد ذاتی، لامحدود، ازلی اور ابدی علمِ غیب ہے۔ جو صرف اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ اس طرح کا علم کسی بندے کے حق میں تسلیم کرنا صریح شرک اور کھلا ہوا کفر ہے۔

ایک اور اہم سوال

دونوں طرح کی آیتوں کا مفہوم واضح ہو جانے کے بعد اب ایک دوسرا سوال آپ سے ہم کر سکتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں علمِ غیب کے ثبوت والی آیتوں کے بعد آخر انکار والی آیتوں کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے عرب میں کہانت کا بڑا زور تھا۔ کاہنوں اور رمالوں کے بارے میں اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں۔

اسی باطل عقیدے کی تردید میں انکار والی آیتیں نازل ہوئیں۔ جن کے ذریعہ واضح طور پر اعلان کر دیا گیا کہ غیب کی بات سوا خدا کے کوئی نہیں جانتا لیکن یہ کتنا بڑا ستم ہے کہ ان ساری آیتوں کو جو کاہنوں، رمالوں اور نجومیوں کے غیب دانی کے باطل عقیدے کی تردید کے لیے نازل ہوئیں، منکرین علمِ غیب ان ساری آیتوں کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر منطبق کرتے ہیں۔

کاہنوں کے متعلق تو یہ عقیدہ اس لیے غلط تھا اور ہے کہ خدا نے انہیں یہ علم عطا ہی نہیں کیا۔ لیکن اپنے رسول کو تو خدا نے یہ علم عطا کیا ہے جس کا بیان آپ متعدد آیتوں میں پڑھ چکے۔

اس مضمون کی ایک حدیث مرفوع بھی حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے۔ سرکار ارشاد فرماتے ہیں:

من اتی کاھنا فصدقہ فیما یقول فقد کفر بما انزل اللہ تعالیٰ علی محمد۔ (مشکوۃ المصابیح)

جو کاہن کے پاس آئے اور اس کی کہی ہوئی باتوں کو سچ سمجھے تو اس نے قرآن کے ساتھ کھلا کفر کیا۔

علمِ غیب کے سلسلے میں یہ چند اصولی باتیں ذہن نشین کر لینے کے بعد اب احادیث کی روشنی میں عقیدۂ علمِ غیب کا جائزہ لیں۔

احادیث سے علمِ غیب کا ثبوت

یوں تو احادیث و سیر کی کتابوں میں بیشمار حدیثیں بکھری ہوئی ہیں جن میں حضور نے غیبی امور سے متعلق کسی مخصوص واقعہ یا مخصوص بات کی خبر دی ہے۔ لیکن ذیل کی حدیثوں سے نہایت صراحت کے ساتھ اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ ساری زمین کو حضور نے ملاحظہ فرمایا، دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اور قیامت تک جو کچھ ہوتا رہے گا حضور اسے دیکھ رہے ہیں اور قیامت تک دیکھتے رہیں گے۔ جو کچھ زمینوں اور آسمانوں میں ہے۔ حضور نے سب کو جان لیا پہچان لیا۔ کائنات کی ہر چیز حضور پر روشن ہوگئی خداوند قدوس کی طرف سے حضور کو ایسی غیبی قوت ادراک عطا کی گئی ہے کہ حضور پیٹھ کے پیچھے کی چیزوں کو بھی ایسا ہی دیکھتے ہیں جیسے سامنے کی چیزوں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ حضور نے ابتدائے آفرینش سے لے کر دخول جنّت و نار تک پیش آنے والے حالات و واقعات کی خبر دی۔ وغیرہ وغیرہ۔

پہلی حدیث:

عن ثوبان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ زوی لی الارض فرایت مشارقھا ومغاربھا۔ (رواہ مسلم)

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو سمیٹ کر میرے سامنے اس طرح پیش کیا کہ میں نے مشرق سے لے کر مغرب تک پوری روئے زمین کا مشاہدہ کر لیا۔

اس حدیث کی شرح میں مشہور محدث حضرت ملا علی قاری علیہ رحمۃ الباری تحریر فرماتے ہیں:۔

ای جمعها حتی اطلعت ما فیها جمیعها۔ (شرح شفا)

یعنی خدا نے اُسے سمیٹ دیا یہاں تک کہ جو کچھ زمین میں ہے سب کا میں نے معائنہ کر لیا۔

دوسری حدیث:۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان اللّٰہ رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ما هو کائن فیها الی یوم القیٰمة کانّما انظر کفی هٰذہٖ۔ (رواہ الطبرانی)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو اس طرح میرے پیش نظر کر دیا ہے کہ میں دنیا اور دنیا میں ہونے والے واقعات کو دیکھ رہا ہوں اور قیامت تک دیکھتا رہوں گا جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھتا ہوں۔

تیسری حدیث:

عن عبد الرحمٰن بن عائش قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم رأیت ربی عز وجل فی احسن صورة قال فیم یختصم الملأ الاعلیٰ قلت انت اعلم قال فوضع کفه بین کتفی فوجدت بردها بین ثدیی فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض۔
(مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبدالرحمن ابن عائش رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں نے اپنے عزّت وجلال والے رب کو نہایت حسین صورت میں دیکھا۔ میرے رب نے دریافت فرمایا، تمہیں معلوم ہے ملائکہ کس بات پر جھگڑ رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا تو ہی بہتر جانتا ہے۔

فرمایا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا دستِ قدرت میرے دونوں شانوں کے بیچ میں رکھا جس کے فیض کی ٹھنڈک میں نے اپنی دونوں چھاتیوں کے درمیان محسوس فرمائی۔ اس کی برکت سے میں نے زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مشاہدہ کر لیا۔

حضرت شیخ محدث عبدالحق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ میں نے زمین و آسمان کے سارے علوم و احوال کا احاطہ کر لیا۔

یہی حدیث حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی منقول ہے اس میں فعلمت ما فی السمٰوٰت والارض کے بجائے فتجلّٰی لی کل شیٔ وعرفت یعنی مجھ پر ہر چیز روشن ہو گئی اور میں نے ہر چیز کو جان لیا پہچان لیا۔

(مشکوٰۃ المصابیح)

چوتھی حدیث:۔

عن ابی ھریرۃ قال جاء ذئب الی راعی غنم فاخذ منھا شاۃً فطلبہ الرّاعی حتی استنزعھا منہ قال فصعد الذئب علی تل فاقعی واستثفر وقال قد عمدت الی رزق رزقنیہ اللہ اخذتہ ثم انتزعتہ منی فقال الرجل تاللہ ان رایت کالیوم ذئب

يتكلم فقال الذئب اعجب من هذا رجل في النخلات بين الحرتين يخبركم بما مضى وما هو كائن بعد كم قال فكان الرجل يهوديا فجاء الى النبى صلى الله عليه وسلم فاخبره واسلم فصدقه النبى صلى الله عليه وسلم۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک بھیڑیا بکریوں کے چرواہے کے پاس آیا اور ریوڑ میں سے ایک بکری کو پکڑ لیا چرواہے نے اس بھیڑیئے کا پیچھا کر کے اس بکری کو چھڑا لیا۔ ابوہریرہ کہتے ہیں کہ وہ بھیڑیا ایک ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ خدا نے مجھے رزق عطا کیا تھا تو نے مجھ سے چھین لیا۔ چرواہا اس کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں نے آج کی طرح کبھی بھیڑیئے کو کلام کرتے نہیں دیکھا۔ بھیڑیئے نے جواب دیا۔ اس سے زیادہ حیرت انگیز بات تو وہ ہے جو دو پہاڑوں کے درمیان کھجوروں کے جھرمٹ (مدینہ) میں رہتا ہے اور گزشتہ اور آئندہ کے واقعات و احوال کی خبر دیتا ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ وہ چرواہا ایک یہودی تھا۔ اس واقعہ سے وہ اتنا متاثر ہوا کہ جنگل ہی دوڑتا ہوا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور سرکار سے یہ ماجرا بیان کر کے مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خبر کی تصدیق فرمائی۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

پانچویں حدیث:

بخاری شریف میں ہے کہ ایک موقع پر مسجد نبوی شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

واللہ لا یخفی علی رکوعکم ولا سجودکم ولا خشوعکم وانی ارٰکم من خلفی کما ارٰکم من امامی۔

قسم خدا کی (جب تم میری اقتداء میں نماز پڑھتے ہو) تو نہ تمہارا رکوع

مجھ پر مخفی رہتا ہے نہ تمہارا سجدہ اور نہ تمہارے دل کا خشوع و خضوع، میں اپنے پیچھے سے نہیں ایسے ہی دیکھتا ہوں جیسے سامنے سے۔

چھٹی حدیث :

صاحب تفسیر روح البیان اور صاحب تفسیر حسینی نے یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج قطرت فی حلقی قطرۃ علمت ما کان و ما سیکون۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ شب معراج عرش اعظم کے نیچے میں کھڑا تھا کہ میرے حلق میں نور کا ایک قطرہ ٹپکا جس کی برکت سے گذشتہ اور آئندہ کے علوم مجھے حاصل ہو گئے۔

ساتویں حدیث

حضرت علامہ خازن اپنی تفسیر لباب التاویل میں حضرت سدی سے روایت کرتے ہیں :

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علی امتی فی صورھا فی الطین کما عرضت علی آدم و علمت من یومن بی و من یکفر فبلغ ذلک المنافقین فقالوا استھزاءً زعم محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہ یعلم من یومن بہ و من یکفر ممن لم یخلق و نحن معہ و ما یعرفنا فبلغ ذلک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقام علی المنبر فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال ما بال اقوام طعنوا فی علمی لا تسئلونی من شیء فیما بینکم و بین الساعۃ الا انبأتکم بہ فقام عبد اللہ ابن حذافۃ السھمی فقال من ابی یا رسول اللہ قال حذافۃ

فقال عمر فقال یارسول اللہ رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبقرآن اماماً وبک نبیا فاعف عنا فقال عفا اللہ عنکم۔

حضرت سدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آغاز تخلیق میں مجھ پر میری اُمت اپنی خاکی صورتوں میں پیش کی گئی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام پر ان کی ذریت پیش کی گئی تھی۔ مجھے معلوم کرایا گیا کہ میری اُمت میں سے کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون انکار کرے گا۔

حضور کی یہ بات جب منافقین تک پہنچی تو اُنہوں نے حضور کی اس بات کا مذاق اُڑاتے ہوئے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا یہ دعوٰی ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے ان کے بارے میں وہ جانتے ہیں کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائے گا اور کون ان کا انکار کرے گا۔ حالانکہ ہم لوگ ان کے ساتھ رہتے ہیں اور وہ ہمارے حال سے بے خبر ہیں۔ جب سامنے کے لوگوں کو وہ نہیں جانتے تو جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے اُن کے احوال کی انہیں کیا خبر ہوگی ؟

منافقین کی یہ اہانت آمیز گفتگو جب حضور تک پہنچی تو حضور جلال کی حالت میں منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا بیان کی اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ کیا حال ہوگا اس قوم کا جو میرے علم میں طعنہ زن ہے۔ اب سے لے کر قیامت تک جو چاہو مجھ سے دریافت کر لو میں تمہارے ہر سوال کا جواب دوں گا۔

[illegible] عبداللہ سہمی کھڑے ہوگئے (جن کے نسب کے

بارے میں لوگوں کو شبہ تھا، سوال کیا۔ یا رسول اللہ میرے باپ کا نام کیا تھا۔ حضور نے فرمایا تمہارے باپ کا نام خذافہ ہے۔

جلال کبریائی کا یہ رنگ دیکھا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا حضور ہم خدا کو اپنا رب، اسلام کو اپنا دین قرآن کو اپنا امام اور حضور کو سچے دل سے اپنا نبی مانتے ہیں۔ حضور کی شان میں ہم سے کوئی گستاخی سرزد نہیں ہوئی ہے پھر بھی حضور ہمیں معاف فرمائیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ تمہیں معاف کرے۔

(تفسیر بغوی و تفسیر بیضاوی)

اکابر اُمّت اور اجلۂ صوفیائ کے اقوال سے علمِ غیب کا ثبوت

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے ثبوت میں نمونے کے طور پر چند حدیثیں آپ کے سامنے پیش کی گئی ہیں۔ دل اگر تنقیص رسول کے آزار میں مبتلا نہیں ہے تو اتنا بھی بہت ہے اب اُمّت کے وہ اکابر اور اجلۂ صوفیا جن کے فہم و دیانت پر سارے عالم اسلام نے اعتماد کیا ہے اور جنھوں نے قرآن وحدیث کے مطالب و معانی کو ہم سے بہتر سمجھا ہے۔ علم غیب رسول کے ثبوت میں ان کی ایمان افروز شہادتیں پڑھیئے۔

علم غیب کے ثبوت میں امام غزالی کی شہادت

علامہ زرقانی نے شرح مواہب اللدنیہ میں سیدنا امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ نبی کو چند ایسی خصوصیات بخشی جاتی ہیں۔ جن کے ذریعہ وہ غیر نبی سے ممتاز

ہوتا ہے۔ ان خصوصیات کی تفصیل یہ ہے۔

انہ یعرف حقائق الامور المتعلقۃ باللہ تعالیٰ وصفاتہ و ملائکتہ والدار الاخرۃ علما مخالفا لعلم غیرہ۔

ان لہ فی نفسہ صفۃ بہا تتم الافعال الخارقۃ للعادۃ کما ان لنا صفۃ تتم بہا الحرکات المقرونۃ بارادتنا وھی القدرۃ ان لہ صفۃ بہا یبصر الملائکۃ ویشاھدھم کما ان للبصیر صفۃ بہا یفارق الاعمیٰ ان لہ صفۃ بہا یدرک ما یکون فی الغیب۔

پہلی خصوصیت: نبی کی یہ ہوتی ہے کہ وہ ان ساری حقیقتوں کو جن کا تعلق اللہ کی ذات وصفات اور فرشتوں اور عالم آخرت سے ہے اس قوت و تحقیق کیساتھ جانتا پہچانتا ہے کہ اس درجہ کا علم وعرفان غیر نبی میں سے کسی بھی فرد کو حاصل نہیں ہے۔

دوسری خصوصیت: نبی کی یہ ہوتی ہے کہ اس کی ذات میں ایک ایسی باطنی قوت ودیعت کی جاتی ہے۔ جس کے ذریعے وہ عالمِ اسباب میں تصرف کرتا ہے اور معجزات کا اظہار فرماتا ہے۔ یہ قوّت اس کے حق میں بالکل اسی طرح کی اختیاری ہوتی ہے جیسی ہمیں چلنے پھرنے کی قدرت حاصل ہے کہ نقل وحرکت کے لیے صرف ہمارا ارادہ کافی ہے۔

تیسری خصوصیّت: نبی کی یہ ہوتی ہے کہ اس کی قوت بصارت کو ایک ایسا باطنی نور عطا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ فرشتوں اور عالم آخرت کی چیزوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے جیسے آنکھ والا اپنی قوت بصارت کے ذریعے اندھوں سے ممتاز ہوتا ہے اسی طرح نبی باطنی قوت بصارت کے ذریعے غیر نبی سے ممتاز ہوتا ہے۔

چوتھی خصوصیت: نبی کی یہ ہوتی ہے کہ اسے ایک ایسی غیبی قوتِ ادراک دی جاتی ہے جس کے ذریعے وہ پردۂ غیب میں ہونے والی باتوں کو دریافت

کرتا ہے ۔

قطب الاقطاب سیدی شیخ عبد العزیز دباغ کی ایمان افروز شہادت

تصوف کی مشہور کتاب ابریز شریف کے مصنف اپنے شیخ عبد العزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں :

واقوی الارواح فی ذلک روحہ صلی اللہ علیہ وسلم فانہا لم یحجب عنہا شیء من العالم فھی مطلعۃ علی عرشہ وعلوہ وسفلہ ودنیاہ واٰخرتہ ونارہ وجنتہ لان جمیع ذلک خلق لاجلہ صلی اللہ علیہ وسلم فتمییزہ علیہ السلام خارق لھذہ العوالم باسرھا فعندہ تمییز فی اجرام السمٰوات من این خلقت ومتی خلقت والی این تصیر فی جرم کل سماء وعندہ تمییز فی ملائکۃ کل سماء من این خلقوا ومتی خلقوا ولم خلقوا والی این یصیرون ویمیز اختلاف مراتبہم ومنتھی درجاتھم۔ وعندہ علیہ السلام تمییز فی الحجب السبعین وملائکۃ کل حجاب علی الصفۃ السابقۃ ۔

وعندہ علیہ السلام تمییز الاجرام النیرہ التی فی العالم العلوی مثل النجوم والشمس والقمر واللوح والقلم والبرزخ والارواح التی فیہ علی الوصف السابق۔

وکذا عندہ علیہ السلام تمییز فی الجنان ودرجاتھا وعدد سکانھا ومقاماتھم فیھا وکذا ما بقی من العوالم۔

قوت کشف و مشاہدہ کے اعتبار سے ارواح کائنات میں سب سے قوی اور لطیف روح سیدکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ اسی لیے حضور کی روح مقدس پر عالم کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ عرش و فرش، بلندی و پستی، دُنیا و آخرت، دوزخ و جنّت سب کچھ حضور کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں حضور ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور ظاہر ہے کہ جو چیز جس کے لیے بنائی جاتی ہے اس سے مخفی نہیں رکھی جاتی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرام سماوی کے حقائق نہایت واضح طور پر معلوم ہیں۔ یہاں تک معلوم ہے کہ آسمان کے طبقات کہاں سے پیدا کیئے گئے کب پیدا کیئے گئے اور ان کا انجام کیا ہوگا۔ اور حضور کو یہ معلوم ہے کہ کس آسمان میں کون کون سے فرشتے ہیں وہ کب پیدا کیئے گئے اور کہاں پیدا کیے گئے اور کب پیدا کیئے گئے اور وہ کس کس جگہ جائیں گے اور آپ ان کے مراتب کے اختلاف کو بھی جانتے ہیں اور ان کے درجات کی انتہا کو بھی جانتے ہیں۔ حضور ان سَتّر پردوں سے بھی باخبر ہیں۔ اور ان فرشتوں کو بھی جانتے ہیں جو ان پردوں کے اندر رہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو عالم علوی کے چمکنے والے چاند، سُورج، ستارے لوح، قلم، عالم برزخ اور عالمِ ارواح کے تمام حالات کا تفصیلی طور پر علم ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جنتوں کے طبقات، اہلِ جنّت کی تعداد اور ان کے مقامات سے بھی بخوبی واقفیت ہے۔

حضرت امام قسطلانی شارح مواہب لدنیہ کی شہادت

حضرت علامہ قسطلانی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی قوتِ ادراک پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لافرق بین موتہ وحیاتہ فی مشاھدتہ لامتہ ومعرفتہ

باحوالهم ونیاتهم وعزائمهم وخواطرهم وذٰلك
عنده جلی لاخفاء به۔

اپنی اُمّت کے مشاہدہ اوران کے احوال ونیات اوران کے ارادوں اوران کے دلوں کے خطرات سے واقفیت وآگہی کے سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور زندگی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ جیسے اپنی حیاتِ ظاہری میں وہ اپنی اُمّت کے احوال سے باخبر تھے وصال کے بعد بھی باخبر ہیں۔ اور اُمّت کی یہ ساری کیفیات ان پر مہرِ نیمروز کی طرح روشن ہیں کوئی پردہ نہیں ہے۔

امام التفسیر حضرت شیخ احمد صاوی کی ایمان افروز عبارت

امام احمد صاوی اپنی کتاب تفسیر صاوی میں مسئلہ علم غیب پر علمائے اُمّت کا فیصلہ نقل کرتے ہیں :

والذی یجب الایمان به ان رسول الله صلی الله علیه وسلم لم ینتقل من الدنیا حتی اعلمه الله بجمیع المغیبات التی تحصل فی الدنیا والاٰخرة فهو یعلمها کما هی عین یقین ولکن امر بکتمان البعض۔ (تفسیر صاوی ج ۲ ص ۱۱۱)

علم غیب رسول کا وہ عقیدہ جس پر ہر مسلمان کو ایمان لانا ضروری ہے یہ ہے کہ دنیا سے حضور اس حال میں تشریف لے گئے کہ خدا نے انہیں دنیا وآخرت کے جملہ غیوب سے باخبر کر دیا تھا، حضور ان سارے غیوب کو یقین کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ لیکن ان میں سے بعض چیزوں کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

۵ مسئلہ علمِ غیب میں حضرت شیخ عبد الحق محدّث دہلوی کا عقیدہ

مدارج النبوت شریف میں حضرت شیخ ارشاد فرماتے ہیں :

ہر چہ در دنیا است از زمان آدم تا نفخۂ اولیٰ بروئے صلی اللہ علیہ وسلم منکشف ساختند۔ تا ہمہ احوال او را اول تا آخر معلوم گردید۔ و یاران خود را نیز بر بعض ازاں احوال خبر داد۔ (مدارج)

حضرت آدم علیہ السلام کے زمانۂ پاک سے لے کر صور پھونکنے تک دنیا میں جو کچھ ہے سب حضور پر منکشف کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ حضور پاک کو شروع سے آخر تک دنیا کے سارے احوال معلوم ہو گئے اور ان میں سے کچھ باتوں کی خبر اپنے صحابہ کو بھی دی۔

مسئلہ علمِ غیب میں حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ

حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی تفسیر عزیزی میں تحریر فرماتے ہیں:

ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلاں امروز چنیں کند و فلاں چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواں کرد۔

ہر نبی کو اپنی اپنی اُمّت کے اعمال پر خدا مطلع فرماتا ہے کہ فلاں آج ایسا کرتا ہے اور فلاں ویسا، تاکہ وہ قیامت کے دن اپنی اپنی اُمّت

کے اعمال پر گواہی دے سکیں۔

شارح حدیث حضرت ملّا علی قاری علیہ رحمت الباری کی روح پرور شہادت

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث صلوا علیّ فان صلوتکم تبلغنی حیث کنتم "تم مجھ پر درود بھیجو کہ تم جہاں سے بھی بھیجو گے تمہارا درود مجھ تک پہنچے گا" کی شرح میں حضرت ملّا قاری تحریر فرماتے ہیں:

وذلك ان النفوس الزكية اذا تجردت عن العلائق البدنية عرجت واتصلت بالملاء الاعلى ولم يبق لها حجاب فترى الكل كالمشاهد بنفسها۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ لطیف اور طیّب روحیں جب جسدِ عنصری کی قید سے آزاد ہوتی ہیں تو آسمان کی طرف پرواز کرتی ہیں۔ یہاں تک کہ ملاء اعلیٰ میں اپنا مستقر بنا لیتی ہیں۔ اُس وقت ان کی بصارت پر کوئی حجاب باقی نہیں رہتا۔ وہ ہر چیز کا بذاتِ خود مشاہدہ کرتی ہیں۔

امام وقت حضرت علامہ قیصری کا ایمان افروز عقیدہ

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبی قوتِ ادراک کی وضاحت کرتے ہوئے اپنی گراں قدر تصنیف فصل الخطاب میں حضرت علامہ قیصری تحریر فرماتے ہیں:

ولا يعزب عن علمه مثقال ذرة فى الارض ولا فى

بامور دنیاکم من حیث بشریۃ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرہ برابر بھی زمین و آسمان کی کوئی چیز مخفی نہیں ہے۔ یہ ان کی نبوت عالیہ کا منصب ہے اگرچہ اُنھوں نے بتقاضائے بشریت اپنے صحابہ سے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اپنی دنیا کا حال تم خود بہتر جانتے ہو۔

رسول پاک کے حاضر و ناظر ہونیکے سلسلے میں حضرت ابن دینار تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حقیقت افروز عقیدہ

صاحب شرح شفا نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی غیب دانی اور ان کے حاضر و ناظر ہونے کے سلسلے میں حضرت ابن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو مکۃ مکرمہ کے کبار تابعین میں سے ہیں۔ ان کا قول نقل کیا ہے۔ وہ ارشاد فرماتے ہیں:

ان لم یکن فی البیت احد فقل السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ لان روحہ علیہ السلام حاضر فی بیوت اهل الاسلام۔

اگر گھر میں کوئی موجود نہ ہو تو حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس ہر مسلمان کے گھر میں جلوہ فرما ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ارشاد گرامی

خانوادۂ دہلی کے مشہور بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اپنی تفسیر عزیزی میں پارہ سیقول کی اس آیت وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا۔

کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ کا ترجمہ ہے"۔ اور قیامت کے دن" رسول تم پر گواہ ہوں گے۔

وباشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبۂ ہر متدین بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ است وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمان شمارا واعمال نیک وبد شمارا واخلاص ونفاق شمارا۔

تمہارے رسول تم پر گواہ ہوں گے اور ان کی گواہی اس لیے قبول ہوگی کہ وہ اپنی نبوت کے نور سے ہر دیندار مسلمان کے رُتبے سے واقف ہیں کہ دین میں اس کا کیا مقام ہے؟ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور وہ کون سا حجاب ہے جس کے سبب سے اس کی ترقی رُکی ہوئی ہے۔

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گناہوں سے بھی واقف ہیں اور تمہارے ایمان کے درجوں کو بھی جانتے ہیں اور اچھے بُرے کاموں سے بھی باخبر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی جانتے ہیں کہ جو شخص تم میں سے اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے تو آیا وہ دل سے مسلمان ہے یا فقط ظاہر میں مسلمان اور دل میں نفاق بھرا ہوا ہے۔

نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کے ثبوت میں اکابر اُمت اور اجلۂ صوفیاء کی روشن عبارتوں کا سلسلہ یہاں پہنچ کر ختم ہوگیا۔ ماننے والوں کے لیے اتنے حوالے بھی بہت کافی ہیں۔ اور جو لوگ نفاق کے مرض

میں مبتلا ہیں اور اُن کے دلوں پر مہر لگ گئی ہے اُنہیں کوئی دلیل بھی مطمئن نہیں کر سکتی۔

مسئلہ علم غیب پر اپنے مضمون کا اختتام کرتے ہوئے میں خدائے قدیر کی بارگاہ میں دعا کرتا ہوں کہ اپنے نبی کے فضائل و کمالات کے اعتراف کے لیے قارئین کرام کے دلوں کے دروازے کھول دے۔

اخیر میں انتہائی قلق کے ساتھ شکوہ کرتا ہوں کہ دیوبندی علماء نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنے عوام کو اتنا گستاخ اور جری بنا دیا ہے کہ وہ لوگ حضور پاک کے علم پر زبانِ طعن دراز کرتے ہوئے ذرا شرم محسوس نہیں کرتے کہ وہ اُمتی ہو کر اپنے ہی نبی کے خلاف زبان کھول رہے ہیں۔

دنیا کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسی نامراد قوم ہو گی جس نے اپنے مذہبی پیشوا کی شان گھٹا کر اپنے جذبے کی تسکین فراہم کی ہو۔ خدا ایسے شقی القلب لوگوں کے شر سے اُمت کے پاک طینت افراد کو محفوظ رکھے۔

عقیدۂ ختم نبوّت
عقلی، تاریخی اور مذہبی
دلائل کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ ط وَعَلٰی اٰلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ہ

اپنے گردو پیش پر اگر آپ گہری نظر ڈالیں تو ہر پیکرِ وجود کی تین حالتیں آپ کو ملیں گی ۔ ابتدا، ارتقاء اور اختتام ۔ کیا انسان، کیا حیوان، کیا نباتات، کیا جمادات ۔ ہر شے ان ہی تین حالتوں میں محصور نظر آئے گی ۔

انسان پیدا ہوتا ہے ۔ جوان ہوتا ہے ۔ مر جاتا ہے ۔ کلی مُسکراتی ہے پھُول بنتی ہے مُرجھا جاتی ہے ۔ چاند پہلے دن ہلال کی شکل میں طلوع ہوتا ہے ۔ پھر بڑھتے بڑھتے مہِ کامل بنتا ہے اس کے بعد غائب ہو جاتا ہے ۔ غرض کائنات کی جس شے کو دیکھیے ابتدا، ارتقاء اور اختتام کے مرحلوں سے گزرتی ہوئی نظر آئے گی ۔ یہاں تک کہ ایک دن یہ دنیا ہی اپنی بے شمار نیرنگیوں کے ساتھ اختتام کو پہنچ جائے گی ۔ پھر جب صورتِ حال یہ ہے تو کون کہہ سکتا ہے کہ نبوت جو ایک بار آ گئی اب اس کا سلسلہ کسی ذات پر ختم نہیں ہو گا؟

پھر آخر اتنا تو سبھی مانتے ہیں کہ ابتداءً اس کرۂ ارض پر کچھ نہ تھا ۔ خواہ نہ ہونے کے اسباب کچھ بھی ہوں، تو جب ابتداءً ایک چیز کسی وجہ سے نہیں تھی

تو اب اس وجہ کے دوبارہ پیدا ہونے اور آبادی کے معدوم ہو جانے کے خلاف کون سی دلیل قائم کی جا سکتی ہے۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنے میں اب کوئی امر مانع نہیں ہے کہ جس طرح اوّل آبادی نہیں تھی، آخر میں بھی نہ ہو اور ایسا ہونے سے قبل جو نبوّت ہوگی وہ یقیناً آخری نبوّت ہوگی۔

اسی مفہوم کو سرکارِ ارض و سما صاحبِ لولاک لما صلّی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ظاہر فرمایا ہے کہ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ میری ان دو انگلیوں کے درمیان جس طرح کوئی فصل نہیں ہے اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے۔ میری نبوت بالکل آخری نبوّت ہے۔

یہ بات جملہ معترضہ کے طور پر بحث کے درمیان نکل آئی ورنہ سلسلۂ کلام یہ چل رہا تھا کہ جس طرح ہر چیز اپنے نقطۂ ارتقاء پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اسی طرح سلسلۂ نبوت بھی اگر اپنے نقطۂ ارتقاء پر پہنچ کر ختم ہو جائے تو کون سی چیز مانع ہے؟ اب رہا سوال اس کے نقطۂ ارتقاء پر پہنچنے کا! تو اس باب میں دو ہی صورتیں ممکن ہیں۔ یا یہ کہ نبوّت نقطۂ ارتقاء پر پہنچ گئی یا نہیں پہنچی۔ اگر پہنچ گئی تو سمجھ لیجیے کہ اختتام واقع ہو گیا۔ کیونکہ قانونِ فطرت کے مطابق ارتقاء کی آخری منزل اختتام ہی ہے۔

اور اگر نہیں پہنچی تو نئی نبوت کا انتظار کرنے والے انتظار کریں لیکن پہلے اتنا بتا دیں کہ کسی بھی متفقہ نبوت سے لے کر آج تک، جس پر مسلم عقیدے کے مطابق چودہ سو سال، عیسائی عقیدے کے مطابق دو ہزار برس اور یہودی عقیدے کے مطابق اسی کے قریب یا اس سے زیادہ کی جو مدّت گزر چکی ہے تو اس

مدت میں کوئی نیا نبی کیوں نہیں آیا؟ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ بھیجنے والے ہی نے دروازہ بند کر دیا۔

متفقہ نبوت سے میری مراد ایسا نبی ہے جو اپنے ملک و قوم کے علاوہ اپنی پیغمبرانہ عظمت کی تصدیق دیگر اہلِ مذاہب کے افراد سے بھی کرا چکا ہو۔ جیسے ہمارے آقا رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کہ جہاں مسلمانوں کے سبھی فرقے آپ کی رسالت کی شہادت دیتے ہیں، وہاں دوسری اقوام کے لوگ بھی آپ کی پیغمبرانہ زندگی کی عظمت و اعجاز کے قائل ہیں۔ جیسا کہ اقوام و ملل کی تاریخ جاننے والوں سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ایک اور سوال قابلِ غور ہے کہ نبوت کس پر ختم ہوئی یا ہوگی، اس کے جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس کیا ہے؟ تو اس سلسلے میں عرض کروں گا کہ جو نبوت کا مدعی ہے وہی بتائے گا کہ وہ آخری نبی ہے یا اور کوئی نبی اس کے بعد آرہا ہے۔ جیسا کہ انبیائے ماسبق کی تاریخ میں ہمیں ملتا ہے کہ ہر نبی نے دنیا سے رخصت ہوتے وقت اس امر کی نشان دہی فرمائی کہ ایک نبی ہمارے بعد آرہا ہے۔ چونکہ نبوت کا تعلق ایمانیات سے ہے اس لیے اس اہم اور بنیادی سوال کو تشنہ نہیں چھوڑا جا سکتا۔

پس صفِ انبیاء میں اگر کوئی نبی یہ کہتا ہوا مل جائے کہ وہ آخری نبی ہے تو سمجھ لیجئے کہ نبوت کا سلسلہ اس پر تمام ہو گیا اس کے اس اعلان میں اب کسی کی تاویل یا حجت کی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ کسی کے قول میں تاویل کی ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب وہ اصولِ فطرت اور مسلماتِ عقل کے خلاف ہو۔ لیکن اگر وہ بات خود تقاضائے قانونِ قدرت کے مطابق ہے

تو اس میں زحمتِ تاویل کی ضرورت ہی کیا ہے اس لیئے وہ بات ٹھیک اسی طور پر سمجھی جائے گی جس پر وہ اپنے الفاظ و عبارت سے ظاہر ہے۔

اب آیئے اُن احادیث کی ہم آپ کو سیر کرائیں جن میں نہایت صراحت کے ساتھ سرورِ کونین نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امر کا اعلان فرمایا ہے کہ وہ آخری نبی ہیں۔ ان کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

پہلی حدیث

حضرت جبیر ابن معطم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً اَنَا مُحَمَّدٌ اَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُوا اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یُحْشَرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ۔

(مسلم شریف جلد ۲ کتاب الفضائل ص۲۶۱)

میرے بہت سے نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو مٹاتا ہے۔ میں حاشر ہوں کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر میرے قدموں پر ہوگا۔ میں عاقب ہوں اور عاقب وہ ہوتا ہے جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔

فائدہ اس حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام عاقب بھی بتایا اور عاقب کی خود تفسیر فرمائی کہ عاقب اسے کہتے ہیں جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ اب یہ حدیث اس مفہوم میں صریح ہو گئی کہ حضور آخری

نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

دوسری حدیث

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

أَنَا مُحَمَّدٌ وَّأَحْمَدُ وَّالْمُقَفِّيْ وَالْحَاشِرُ وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ وَنَبِيُّ الرَّحْمَةِ۔

(مسلم شریف جلد دوم کتاب الفضائل ص۲۶۱)

میں محمدؐ ہوں اور احمد ہوں، آخری نبی ہوں، میں حاشر ہوں۔ میں نبیؐ توبہ اور نبیؐ رحمت ہوں۔

فائدہ اس حدیث میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک نام "المقفّی" بھی بتایا ہے۔ جس کے معنی ہیں آخر میں آنے والا۔ جب کہ امام نووی نے شرح مسلم شریف میں، علامہ مناوی نے شرح کبیر میں، ملّا علی قاری نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات میں "مُقَفّی" کے معنیٰ آخرانبیاء لکھا ہے۔

تیسری حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور شافع یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

فُضِّلْتُ عَلَى الْأَنْبِيَآءِ بِسِتٍّ أُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ وَأُحِلَّتْ لِيَ الْغَنَآئِمُ وَجُعِلَتْ

لِیَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَّطَهُوْرًا وَاُرْسِلْتُ اِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً وَّخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ ٥

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن ص۵۱۲)

مجھے دیگر انبیاء و رسل پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت و برتری دی گئی پہلی چیز تو یہ کہ مجھے کلمات جامعہ کی صفت عطا ہوئی، دوسری چیز یہ کہ رعب و دبدبہ کے ذریعہ میری نصرت کی گئی، تیسری چیز یہ کہ اموالِ غنیمت میرے لیے حلال کیے گئے۔ چوتھی چیز یہ کہ تمام روئے زمین میرے لیے مسجد اور طاہر و مطہّر بنائی گئی۔ پانچویں چیز یہ کہ مجھے تمام جہاں کے لیے رسول بنایا گیا اور چھٹی چیز یہ کہ میری ذات پر نبیوں کی آمد کا سلسلہ ختم کیا گیا۔

چوتھی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقعہ پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

مَثَلِیْ وَمَثَلُ الْاَنْبِیَاءِ کَمَثَلِ قَصْرٍ اُحْسِنَ بُنْیَانُہٗ وَتُرِکَ مِنْهُ مَوْضِعُ لَبِنَةٍ فَطَافَ بِهِ النُّظَّارُ یَتَعَجَّبُوْنَ مِنْ حُسْنِ بُنْیَانِهٖ اِلَّا مَوْضِعُ تِلْكَ اللَّبِنَةِ فَکُنْتُ اَنَا سَدَدْتُّ مَوْضِعَ اللَّبِنَةِ خُتِمَ بِیَ الْبُنْیَانُ وَخُتِمَ بِیَ الرُّسُلُ۔

وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا تِلْكَ اللَّبِنَةُ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ۔

(مسلم شریف ج ۱ ص۲۴۸)

میری مثال اور دیگر انبیاء کی مثال اس ایوان کی طرح ہے جس کی تعمیر بہت اچھی کی گئی لیکن ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی لوگ اس عمارت کی خوبی دیکھ کر تعجب کرتے ہیں سوا اس عیب کے کہ عمارت میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے۔ تو میں نے آکر اس ایک اینٹ کی خالی جگہ کو پُر کر دیا۔ وہ ایوان بھی میرے ذریعہ اتمام کو پہنچا اور رسولوں کی آمد کا سلسلہ بھی میرے اوپر اتمام کیا گیا۔

اور ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ آخری اینٹ میں ہوں اور میں نبیوں کا خاتم ہوں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۲ باب فضائل سید المرسلین)

پانچویں حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے شفاعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ شفاعت کا سوال لے کر سارے انبیاء کے پاس جائیں گے جب حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو وہ ارشاد فرمائیں گے کہ آج شفاعت کا تاج محبوب کبریا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرق انور پر چمک رہا ہے۔ تم لوگ ان ہی کے پاس جاؤ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ پھر لوگ میرے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے۔

یَا مُحَمَّدُ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَخَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ۔

اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

چھٹی حدیث

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَآئِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَآءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ وَّاِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ

(مسلم شریف کتاب الامارۃ صـ۱۲۶)

بنی اسرائیل کے انبیاء سیاست مُدن کے بھی فرائض انجام دیتے تھے۔ جب ایک نبی دنیا سے تشریف لے جاتے تو دوسرے نبی ان کے بعد آجاتے اور میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ساتویں حدیث

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر تاجدار کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ وَلَا فَخْرَ وَاَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ وَّمُشَفَّعٍ وَّلَا فَخْرَ۔

(مشکوٰۃ کتاب الفتن صـ۵۱۴)

میں پیشوا ہوں رسولوں کا اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے اور میں انبیاء کا خاتم ہوں اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے اور سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول کی جائے گی اور یہ بات ازراہ فخر نہیں ہے۔

آٹھویں حدیث

حضرت عرباض ابن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اِنِّی عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَاِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ۔ (مشکوٰۃ شریف صہ ۵۱۳)

اسی وقت سے میرا نام خاتم الانبیاء کی حیثیت سے اللہ تعالےٰ کے یہاں مرقوم ہے جب کہ حضرت آدم علیہ السلام آب و گل کی منزل میں تھے۔

نویں حدیث

حضرت ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔

اَنَا اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ۔

(سنن ابن ماجہ فتنۃ الدجال صہ ۲۰۷)

میں جملہ صف انبیاء میں آخری نبی ہوں اور تم جملہ اُمتوں میں آخری اُمت ہو۔

دسویں حدیث

حضرت سعد ابن ابی وقاص نے بیان کیا کہ حضور جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کرتے

ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَۃِ ھَارُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی اِلَّا اَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ (مسلم شریف ج ۲ صـ ۲۷۸)

تم میرے لیے اسی درجہ میں ہو جس درجہ میں حضرت موسیٰ کے لیے حضرت ہارون تھے، لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

گیارہویں حدیث

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سید العالمین حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اَنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ کَذَّابُوْنَ ثَلٰثُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعَمُ اَنَّہٗ نَبِیُّ اللّٰہِ وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

(مشکوٰۃ کتاب الفتن صـ ۴۱۵)

میری اُمّت میں تیس جھوٹے مدعیان نبوّت پیدا ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے گا کہ وہ اللہ کا نبی ہے۔ حالانکہ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

یہ حدیث چند اہم ترین نکتوں پر روشنی ڈالتی ہے۔

پہلا نکتہ یہ ہے کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے مطابق اُمّت میں ایسے افراد ضرور پیدا ہوں گے جو نبوّت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے بلکہ یہ اگر کہا جائے گا تو غلط نہ ہوگا کہ جھوٹے مدعیانِ نبوت کو دیکھ کر ہمیں اپنے نبی صادق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچائی کا یقین تازہ ہو جاتا ہے۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ یہ سارے مدعیان نبوّت جھوٹے اور کذّاب ہوں گے۔ ان کا دعویٰ صداقت پر نہیں بلکہ دجل اور فریب پر مبنی ہوگا۔ اس خبر کے

بعد اب کسی مدعی نبوّت کے بارے میں اس کے دعوے کی سچّائی کو پرکھنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی کیونکہ اُمت کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ وہ جھوٹا اور کذّاب ہے۔

تیسرا نکتہ یہ ہے کہ کسی نئے مدعی نبوّت کا جھوٹ فاش کرنے کے لیے یہ دلیل بہت کافی ہے کہ حضور رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں، خاتم الانبیاء ہیں، ان کے بعد اب کوئی نبی نہیں۔ اب اس دلیل کے بعد نہ کسی بحث و حجت کی گنجائش ہے اور نہ یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ نئے مدعی نبوّت کے پاس اپنے دعوے کے ثبوت میں کیا دلائل ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات اظہر من الشمس ہو گئی کہ سارے انبیاء و مرسلین میں سید عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک تنہا ذات ہے جس نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا ہے کہ میں سارے انبیاء کا خاتم ہوں۔ میں آخری نبی ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اس اعلان کے بعد اب نہ کسی نئے نبی کا ہمیں انتظار ہے اور نہ کسی مدعیٔ نبوت کی آواز پر ہمیں کان دھرنے کی ضرورت ہے۔

اب اس بحث کا ایک آخری گوشہ اور باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی طے ہو جائے تو یہ بحث اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ مکمل ہو جائے گی اور وہ یہ ہے کہ آنے والے کا اعلان تو ہم نے سن لیا کہ وہ آخری نبی ہے۔ وہ انبیاء کا خاتم ہو کر آیا ہے۔ لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس طرح کا کوئی اعلان بھیجنے والے کی طرف سے بھی ہے یا نہیں؟ بھیجنے والے کی طرف سے بھی اس طرح کا کوئی اعلان ہمیں مل جاتا ہے تو اب ختم نبوّت کے عقیدے پر دونوں طرف سے مہر لگ جاتی ہے۔ اب اپنے قلوب کا دروازہ کھول کر بھیجنے والے کا اعلان سنیئے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط

محمد تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول اور نبیوں کے خاتم ہیں۔

احادیث میں لفظ "خاتم النبیّین" کی تفسیر خود حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلّم سے بایں الفاظ منقول ہے اَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ "میں انبیاء کا خاتم ہوں۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے" اس کے علاوہ دیگر احادیث میں آخر الانبیاء کے لفظ سے بھی خاتم النبیّین کی تفسیر کی گئی ہے۔ اسی لیے صحابہ کرام سے لے کر، سارے اکابرینِ اُمّت اور سلف صالحین تک سب نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ خاتم النبیّین کے معنی آخر الانبیاء ہے۔

ان ہی نصوص اور اجماعِ اُمّت کی بنیاد پر ختمِ نبوت کا یہ عقیدہ ایک ہزار ۴ سو برس سے کروڑوں، اربوں انسانوں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔

مزید براں اس عقیدے کا ایک حیرت انگیز کرشمہ یہ بھی ہے کہ مذہب کی بے شمار شاخوں میں طرح طرح کے اختلافات کے باوجود اس عقیدے پر سب متفق ہیں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں ان کے بعد کوئی اور نبی نہیں ہے۔ پھر چودہ سو برس سے اربہا ارب انسانوں کے سوچنے کا ایک ہی انداز حسنِ اتفاق کا نتیجہ ہرگز نہیں قرار دیا جا سکتا۔ خاص کر ایسی حالت میں جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی پیشِ نظر رکھا جائے کہ میری اُمّت گمراہی پر کبھی مجتمع نہ ہو گی۔

بات اپنے سارے گوشوں کے ساتھ اگرچہ تمام ہو گئی مگر طمانیتِ قلب

کے لیے ذرا اس پر بھی غور کرتے چلئے کہ آیا نبی خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت جاری رہنے کا کوئی قرینہ و امکان بھی ہے یا نہیں ؟ تو اس کے متعلق ہم علم و یقین کی آخری چوٹی پر کھڑے ہو کر اعلان کرتے ہیں کہ مدت ہوئی امکان کا دروازہ مقفل ہو چکا ہے اور قرینے کا فقدان تو ایسا ہے کہ دونوں جہاں میں چراغ لے کر ڈھونڈ لیے تو کہیں نہیں ملے گا۔

پھر امکان ہوتا تو وہ صادق و امین پیغمبر جس نے نزول مسیح کی خبر دی ہے وہ ہرگز یہ نہیں کہتا کہ مجھ پر سلسلۂ نبوت ختم ہے۔ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ اور میری جرأتِ رندانہ معاف کیجیے تو دو قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ یہ ارشادات اس نبی کے ہیں جس کی زبان پر تقدیر کے نوشتے ڈھلتے ہیں، اس لیے بالفرض اس سے پہلے امکان تھا بھی تو اب نہیں ہے کیونکہ دُنیا میں ہر چیز ممکن ہو سکتی ہے پر رسول کا کذب ممکن نہیں ہے اور قرینے کے متعلق صرف اتنا کہنا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو اس کے ملنے کی بہترین جگہ کتاب الٰہی تھی جیب کہ تیس پارے کی ضخیم کتاب میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے جہاں یہ قرینہ موجود ہو کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی اور نبی آنے والا ہے بلکہ اس کے برعکس قرینہ نہیں صراحت موجود ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم پیغمبراں ہیں وَلٰکِنۡ رَّسُوۡلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ؕ

مرزا غلام احمد قادیانی کا محاسبہ

یہاں تک تو عقیدہ ختم نبوت کے مختلف گوشوں پر بحث تھی جو عقل و نقل اور تاریخ کی روشنی میں مکمل ہو گئی۔ اب ہم ذیل میں منکرین ختم نبوت کے سربراہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعووں کا بھی ایک تنقیدی جائزہ لینا چاہتے ہیں تاکہ

جو لوگ جہل وکفر کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں وہ ہدایت وایمان کے اُجالے میں آجائیں۔ مرزاجی کی تکذیب کے لیے جہاں قرآن وحدیث اور اجماع اُمّت کی بوجھل شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں جن کے کچھ نمونے پچھلے صفحات میں آپ کی نظر سے گزر چکے ہیں وہاں مرزاجی کے دعووں کی تفصیل ہی انھیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔ الگ سے ان کی دروغ بیانی کا ثبوت فراہم کرنے کی ہمیں کوئی ضرورت پیش نہیں آتی۔ اپنے بارے میں انھوں نے جو عجیب وغریب دعوے کیے ہیں اب ان کی مضحکہ خیز تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔ (۱) میں نبی ہوں۔(۲) اللہ ہی نے میرا نام نبی ورسول رکھا ہے (۳) میں ظلّی نبی ہوں (۴) میں بروزی نبی ہوں (۵) میں مسیح موعود ہوں (۶) میں مہدی ہوں (۷) میں مجدّد ہوں (۸) میں محمد کی بعثت ثانیہ ہوں یعنی میرے پیکر میں خود محمد نے ظہور کیا ہے (۹) میں مسیح کی بشارت اور اسمہٗ احمد کا مصداق ہوں۔ نعوذ باللہ من ذلک (قادیانی رسائل وکتب سے ماخوذ)

یہ ہیں وہ کل دعوے جو مرزاجی نے اپنے متعلق کیے ہیں۔ یہ تمام دعوے آپس میں اس طرح متصادم ہیں کہ انھیں ایک محل میں جمع کرنا ممکن نہیں ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ ایک ہی منہ سے نکلے ہوئے یہ دعوے ہیں اس لیے ان کے درمیان کوئی تفریق بھی نہیں کی جاسکتی۔

مرزاجی کے دعووں کا تنقیدی جائزہ

کسی بھی اجنبی آدمی کو مرزاجی کے ان دعووں پر نظر ڈالنے کے بعد جس حیرانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ یہ ہے۔

(۱) بفرضِ محال اگر وہ خدا کی طرف سے ان ہی معنوں میں نبی اور رسول ہیں جن معنوں میں پچھلے تمام انبیاء ومرسلین تھے تو پھر یہ ظلّی اور بروزی نبی کا پیوند

کیا ہے؟ جب کہ انبیائے ماسبق میں سے ہر نبی حقیقی اور اصلی نبی تھا۔ کسی نے بھی اپنے آپ کو ظلی یا بروزی نبی کی حیثیت سے نہیں پیش کیا۔

(۲) اور اگر ظلی و بروزی نبی ان معنوں میں نبی نہیں ہے جن معنوں میں قرآن نبی کا لفظ استعمال کرتا ہے تو پھر قرآنی نبی کی طرح اپنے اوپر ایمان لانے کا مطالبہ کیوں ہے؟ اور پھر ایک ایسی اصطلاح جو تاریخ انبیاء میں نہیں ملتی کس مصلحت سے تراشی گئی ہے۔

(۳) پھر اپنے دعوے کے مطابق مرزا جی اگر مسیح موعود ہیں تو ظلی و بروزی ہونے کا دعویٰ غلط ہے کیونکہ مسیح موعود مستقل نبی ہیں ظلی و بروزی نبی نہیں ہیں۔ نیز مسیح موعود صرف مسیح ہی نہیں ہیں بلکہ مسیح ابن مریم ہیں۔ لہٰذا یہ سوال مزید برآں ہے کہ غلام احمد ابن چاند بی بی مسیح ابن مریم کیوں کر ہو گئے۔

(۴) اور اگر وہ مہدی ہیں تو مسیح موعود نہیں ہو سکتے کیوں کہ ان دونوں اسموں کا مسمّٰی ایک نہیں ہے الگ الگ ہے۔ یعنی مہدی اور مسیح موعود دو الگ الگ شخصیتیں ہیں اور احادیث کی روایات کے مطابق دونوں کا ظہور بھی الگ الگ ہوگا۔ نیز حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پیغمبر ہیں جب کہ امام مہدی پیغمبر نہیں ہیں بلکہ وہ اُمّت محمدیہ کے ایک فرد ہیں۔ اس لیے دو الگ الگ شخصیتوں کا مصداق شخص واحد کو قرار دینا کھلا ہوا دجل اور سفید جھوٹ ہے۔

(۵) اور اگر مرزا جی مجدد ہیں تو نبی ہونے کا دعویٰ غلط ہے۔ کیونکہ حدیث کی صراحت کے مطابق مجدد نبی نہیں ہوتا بلکہ افراد اُمّت میں سے اس کی حیثیت صرف ایک دینی مصلح کی ہوتی ہے۔ لہٰذا مجدد ہونے کا دعویٰ اگر صحیح تسلیم کیا جائے تو لازماً نبی و رسول ہونے کے دعوے کی تکذیب کرنی ہوگی اور بفرضِ محال اگر نبی و رسول ہونے کا دعویٰ صحیح قرار دیا جائے تو مجدد ہونے کے دعوے کو جھٹلانا ہوگا۔ کیونکہ دونوں

دعوے ایک ساتھ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

(۶) اور اپنے دعوے کے مطابق مرزا جی محمد کی بعثت ثانیہ ہیں تو پھر معاذ اللہ وہ محمد ہی ہیں کیونکہ قیامت کے دن اولاد آدم کی جو بعثتِ ثانیہ ہو گی تو وہاں موجود ہر شخص اپنے اصل وجود کے ساتھ آئے گا ظل کے ساتھ نہیں لہٰذا ایسی صورت میں یا تو ظلی اور بروزی ہونے کا دعویٰ غلط ہے یا پھر محمد کی بعثت ثانیہ ہونے کی بات جھوٹی ہے۔

(۷) اب رہ گیا یہ دعویٰ کہ وہ مسیح کی بشارت اور اسمہ احمد کے مصداق بھی ہیں تو اس دعوے کا تضاد بھی کسی تبصرے کا محتاج نہیں ہے کیونکہ اگر وہی حضرت مسیح علیہ السلام کی بشارت اور اسمہٗ احمد کے مصداق ہیں تو پھر اپنے آپ کو "غلام احمد" قرار دینا غلط ہے۔ کیونکہ یہ دعویٰ کر کے تو معاذ اللہ وہ خود احمد و محمد ہونے کے مدعی ہیں۔ اور اگر وہ "غلام احمد" کو صحیح مانا جائے تو اسمہٗ احمد کے مصداق ہونے کا دعویٰ باطل ہے۔

خلاصہ یہ کہ مرزا جی کے ان دعوؤں کو اگر عقل و مذہب کی ترازو میں تولا جائے تو ہر دعویٰ دوسرے دعوے کی تکذیب کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ان کا کوئی دعویٰ بھی ایسا نہیں ہے جسے صحیح تسلیم کر لینے کے بعد دوسرا دعویٰ دامن نہ تھامتا ہو کہ میرا انکار کرو۔

ان حالات میں یہ فیصلہ کرنا قارئین کرام ہی کا کام ہے کہ مرزا جی حقیقت میں کیا ہیں۔ نبی ہونے کی بات تو ایک خواب پریشان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ابھی تو یہی سوال زیر بحث ہے کہ وہ صحیح الدماغ آدمی بھی تھے یا نہیں؟ کیونکہ عقل و دانش کی سلامتی کے ساتھ کوئی شخص بھی اس طرح کے متضاد دعوے ہرگز نہیں کر سکتا۔ گفتگو کا یہ انداز یا تو "چنیا بیگم" سے جی بہلانے والوں کا ہے

یا پاگل خانے کے دیوانوں کا۔ یا پھر کسی ایسے سنسنی خیز شاطر کا جس کی آنکھ سے شرم وحیا کا پانی اتر گیا ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مرزا جی کے ان دعووں پر خود ان کے ماننے والے بھی آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ایک طبقہ ان کے دعوائے نبوت کو تسلیم کرتا ہے جب کہ دوسرا گروہ انھیں صرف مجدد مانتا ہے کھلی ہوئی بات ہے کہ جب ماننے والے ہی دعوے پر متفق نہیں ہیں۔ تو دوسروں کے ماننے نہ ماننے کا سوال کہاں باقی رہتا ہے۔

اخیر میں ان لوگوں سے جو مرزا جی کو "امتی نبی" مانتے ہیں چند سوال کر کے یہ بحث ختم کرتا ہوں کہ ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں خاتم پیغمبراں سرور کون ومکاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ومحبت کے فیضان سے امتِ محمدیہ میں کوئی نبی پیدا ہوا ہو تو اس کا نام اور پتہ بتایئے؟ اسی کے ساتھ اس سوال کا بھی جواب دیجیے کہ صحیح حدیثوں میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے تیس دجالین و کذابین کی جو خبر دی گئی ہے تو اس کا مصداق مرزا غلام احمد قادیانی کیوں نہیں ہے۔ نیز یہ سوال بھی جواب طلب ہے کہ احادیث کی روشنی میں مسیح موعود بطن مادر سے پیدا ہوں گے یا آسمان سے ان کا نزول ہوگا۔ اور نزول بھی ہوگا تو قادیان میں یا جامع دمشق کے مینارے پر۔

واضح رہے کہ ان سوالات سے میرا مدعا کسی بحث ومناظرہ کا دروازہ کھولنا نہیں ہے کیونکہ بحث کا سوال تو وہاں اٹھتا ہے جہاں درمیان میں عقل واستدلال کا ہاتھ ہو، ہوا پر پل باندھنے والوں سے کون دیوانہ ہے جو بحث کرے گا بلکہ مقصد صرف اتنا ہے کہ جو لوگ غلط فہمی کی راہ سے یا اپنے آباواجداد کی اندھی تقلید میں ایک فرضی افسانے یا ایک دیوانے کی بڑ پر مذہب کی طرح یقین کیے

بیٹھے ہیں، انھیں حقیقت کے عرفان کی طرف بلایا جائے اور وہ ان سوالات کی روشنی میں سچائی کی تلاش کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں۔

قادیانی مذہب اور حکومتِ برطانیہ

تاریخی اعتبار سے یہ حقیقت اتنی واضح ہو چکی ہے کہ اب اس میں دو رائے کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیانی مذہب کی ولادت حکومتِ برطانیہ کی گود میں ہوئی اور اسی کی سرپرستی میں وہ پروان چڑھا۔ انگریزوں نے اپنے قالبوں کا نبی دو مقصد کے لیے مبعوث کیا تھا۔

پہلا مقصد تو یہ تھا کہ ختم نبوت کا جو عقیدہ قرآن سے ثابت ہے اسے ایک نیا نبی بھیج کر جھٹلا دیا جائے اور ساری دنیا میں اس بات کی تشہیر کی جائے کہ قرآن کی کہی ہوئی بات غلط ہو گئی اس لیے وہ خدا کی کتاب نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کی بات غلط نہیں ہو سکتی اور دوسرا مقصد یہ تھا کہ نبی کی زبان و قلم سے جو بات نکلتی ہے، دنیا اسے وحی الٰہی سمجھ کر بے چوں و چرا قبول کر لیتی ہے۔ اس لیے ایک ایسا نبی مبعوث کیا جائے جو حکومتِ برطانیہ کا قصیدہ پڑھے مسلمانوں کو ذہنی طور پر حکومت برطانیہ کا غلام بنا کر رکھے اور مسلمانوں کے اندر سے جہاد کی اسپرٹ ختم کرائے تاکہ انگریزی حکومت کے خلاف مسلمانوں کی طرف سے جہاد اور بغاوت کا اندیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے۔ ان ساری باتوں کے ثبوت کے لیے ہمیں کہیں باہر سے کوئی شہادت فراہم کرنے کی ضرورت نہیں ہے خود مرزا غلام احمد قادیانی نے اپنے قلم سے ان ساری باتوں کا ثبوت فراہم کر دیا ہے پاسداری کے جذبے سے اُوپر اُٹھ کر مرزا جی کی یہ تحریریں پڑھیے۔ اپنے آقائے نعمت سرکار برطانیہ کی قصیدہ خوانی کرتے ہوئے مرزا جی لکھتے ہیں:

میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں نہ شام میں نہ ایران میں نہ کابل میں مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں۔ (اشتہار مرزا جی مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۶ ص ۶۹)

مرزا جی کا ایک اشتہار اور پڑھیے اپنے منعم کی بے التفاتی کا شکوہ کتنی دردناک حیرت کے ساتھ نمایاں ہے۔

بارہا بے اختیار دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی غرض سے ہم نے کئی کتابیں مخالفت جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام رکھوائے اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم دن رات کیا خدمت کر رہے ہیں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ میری خدمات کی قدر کرے گی۔ (تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص ۲۸)

ساٹھ سالہ جوبلی کے موقع پر مرزا جی نے ملکہ وکٹوریہ کو ایک نامۂ عقیدت ارسال کیا تھا۔ اس کا جواب موصول نہ ہونے پر جذبۂ شوق کی بے چینی ملاحظہ فرمایئے:۔

اس عاجز کو وہ اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور محبت اور جوش اطاعت جو حضور ملکہ معظمہ اور اس کے معزز افسروں کی نسبت حاصل ہے جو میں ایسے الفاظ نہیں پاتا جن میں ان اخلاص کا اندازہ کر سکوں۔

اس سچی محبت اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرۂ ہند (۱) اقبالہا کے نام سے تالیف کر کے اور اس کا نام تحفۂ قیصریہ رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری

سرفرازی کا موجب ہوگا ۔۔۔۔ مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمہ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا ۔

(ستارہ قیصرہ ص۲ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

مرزا جی کی مذکورہ بالا تحریروں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ قادیانی مذہب کے ساتھ انگریزوں کا سرپرستانہ تعلق کیسا تھا اور نیازمندی کے کس والہانہ جذبے کے ساتھ انہوں نے اپنی مصنوعی اور باطل نبوّت کے فروغ کے لیے انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کی ۔ اب چشم حیرت کھول کر عقیدہ ختم نبوت کے خلاف انگریزوں کی در پردہ سازش کی ایک دل ہلا دینے والی کہانی اور پڑھیے جس کا عنوان ہے ۔

دیوبند اور قادیان

قادیان سے ایک مصنوعی پیغمبر کو کھڑا کرنے اور اس کی دعوت کو فروغ دینے کے لیے جہاں انگریزوں نے اپنے سرکاری وسائل کا استعمال کیا وہاں علمی اور فکری طور پر نئی نبوت کا راستہ ہموار کرنے کے لیے دیوبندی اکابر کے علمی اور مذہبی اثرات سے بھی کام لیا۔ شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ کسی جدید نبوت کی راہ میں ختم نبوت کا یہ قرآنی عقیدہ ہمیشہ حائل رہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں ان کے بعد کوئی نیا نبی نہیں پیدا ہو سکتا ۔

اب نئی نبوت کی راہ میں قرآن کی طرف سے جو رکاوٹ کھڑی تھی اسے دور کرنے کے دو ہی راستے تھے یا تو قرآن کی اس آیت ہی کو بدل دیا جائے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے صراحت کے ساتھ خاتم النبیین کا لفظ موجود ہے جس کے معنی آخری نبی کے ہیں یا پھر خاتم النبیین کا لفظ جوں کا توں رہتے دیا

جائے صرف اس کا مفہوم بدل دیا جائے۔

پہلا راستہ ممکن نہیں تھا کہ روئے زمین پر قرآن کے کروڑوں نسخے اور لاکھوں حفاظ موجود تھے، لفظ کی تحریف چھپائے نہیں چھپ سکتی تھی اس لیے معنوی تحریف کا راستہ اختیار کیا گیا اور طے پایا کہ لفظ خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی، جو عہد صحابہ سے لے کر آج تک ساری اُمّت میں شائع اور ذائع ہے، اسے بدل دیا جائے اور اس لفظ کا کوئی ایسا معنی تلاش کیا جائے جو کسی نئے نبی کے آنے میں رکاوٹ نہ بنے چنانچہ راستے کا یہ پتھر ہٹانے کے لیے دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا قاسم نانوتوی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ میں اپنی طرف سے کوئی الزام عائد نہیں کر رہا ہوں بلکہ خود ایک قادیانی مصنف نے اپنی کتاب "افادات قاسمیہ" میں پوری تفصیل کے ساتھ یہ قصہ بیان کیا ہے۔ یہ کتاب سالہا سال سے چھپ رہی ہے لیکن دیوبند سے اب تک اس کی کوئی تردید شائع نہیں ہوئی جس سے سمجھا جاتا کہ قادیانیوں کی طرف سے نانوتوی صاحب کے خلاف جھوٹا الزام عائد کیا گیا ہے۔

اب قادیانی مصنف ابو العطا جالندھری کی اس عبارت کی ایک ایک سطر خوب غور سے پڑھیے اور ذہن و فکر کے تہہ خانے میں اتر کر چھپی ہوئی سازشوں کا سراغ لگائیے۔

"یوں محسوس ہوتا ہے کہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے "اُمّتی نبوت" کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی (بانی دار العلوم دیوبند) کو خاتمیت محمدیہ کے اصل مفہوم کی وضاحت کے لیے رہنمائی فرمائی

اور آپ نے اپنی کتابوں اور اپنے بیانات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دلکش تشریح فرمائی۔

بلاشبہ آپ کی کتاب "تحذیر الناس" اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے۔ (افادات قاسمیہ ص۱۰ مطبوعہ ربوہ پاکستان)

دیکھ رہے ہیں آپ ساحران افرنگ کا یہ تماشا! کتنی خوبصورتی کے ساتھ ایک شرمناک سازش کو الہام کا رنگ دیا جا رہا ہے گویا یہ سارا اہتمام خدائے قدیر کی طرف سے تھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوائے نبوت سے پہلے نانوتوی صاحب "تحذیر الناس" نام کی ایک کتاب لکھیں اور اس میں خاتم النبیین کے معنیٰ آخری نبی کا انکار کر کے ایک نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ ہموار کریں۔ نانوتوی صاحب نے اپنی کتاب "تحذیر الناس" میں اس بات کی بھرپور کوشش کی ہے کہ "سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے" یعنی خاتم النبیین کے لفظ کا انکار بھی نہ ہو اور نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ بھی ہموار ہو جائے۔ تاکہ انگریزوں کا حق نمک بھی ادا ہو جائے اور مسلمانوں کو بھی دھوکے میں رکھ سکیں کہ ہم لوگ ختم نبوت کے منکر نہیں ہیں لیکن خدائے پاک جزائے خیر دے ان علمائے حق کو جنہوں نے تحذیر الناس کے فریب کا پردہ چاک کر کے عقیدہ ختم نبوت کے خلاف ایک گہری سازش کو ہمیشہ کے لیے بے نقاب کر دیا۔

قارئین کرام اگر یہ جاننا چاہتے ہیں کہ تحذیر الناس نامی کتاب میں کیا ہے، قادیانی مصنفین اس کی تعریف میں رطب اللسان کیوں ہیں اور اس کتاب کے ذریعہ نانوتوی صاحب نے نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ کس طرح ہموار کیا ہے تو ہر طرح کی عصبیت سے بالاتر ہو کر سنجیدگی کے ساتھ آنے والی بحث کا مطالعہ کریں۔ سازشوں کی یہ داستان بڑی لمبی اور پُر فریب ہے۔

قصہ تحذیر الناس کی پُرفریب سازش کا

بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں آپ یہ پورا قصہ قادیانی مصنفین کی زبانی سنیے۔ تمہید کے طور پر ایک قادیانی مصنف اس قصے کا آغاز کرتا ہے:۔

یعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ احمدی (یعنی قادیانی) ختم نبوت کے قائل نہیں ہیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہیں مانتے۔ یہ محض دھوکے اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ جب احمدی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ شہادت پر یقین رکھتے ہیں تو یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ وہ ختم نبوت کے منکر ہوں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین نہ مانیں۔

قرآن کریم میں صاف طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط (احزاب ع ۵) یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی جوان مرد کے باپ ہیں نہ آئندہ ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ قرآن کریم پر ایمان رکھنے والا آدمی اس آیت کا انکار کس طرح کر سکتا ہے۔ پس احمدیوں کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ خاتم النبیین نہیں تھے۔ جو کچھ احمدی کہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ خاتم النبیین کے وہ معنی جو اس وقت مسلمانوں میں رائج ہیں نہ تو قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت پر چسپاں ہوتے ہیں اور نہ ان سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت اور شان اس طرح ظاہر ہوتی ہے جس عزت اور شان کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا

گیا ہے۔ (پیغام احدیت صفحہ ۱)

اس عبارت میں خط کشیدہ سطروں کو پھر ایک بار غور سے پڑھیئے کہ بحث کا یہی حصّہ سازشوں کی بنیاد ہے۔ یہیں سے لفظ خاتم النّبیین کے اس معنیٰ کے انکار کا راستہ کھلتا ہے، جو نئے نبی کی راہ میں حائل ہے۔

مذکورہ بالا عبارت کی روشنی میں قادیانیوں کا یہ دعویٰ اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو گیا ہو گا کہ وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النّبیین ہونے کا انکار نہیں کرتے بلکہ خاتم النّبیین کے اس معنیٰ کا انکار کرتے ہیں جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور اسی انکار پر انھیں ختم نبوت کا منکر کہا جاتا ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ خاتم النّبیین کا وہ کون سا معنیٰ ہے جو عام مسلمانوں میں رائج ہے اور سب سے پہلے اُس معنیٰ کا انکار کس نے کیا ہے۔ آتنی تفصیل کے بعد اب ہر طرف سے خالی الذہن ہو کر تحذیر النّاس کے مُصنّف مولانا محمد قاسم نانوتوی کی کارگزاریوں کے متعلق ایک قادیانی مُصنّف کا یہ بیان پڑھیے اور عقیدہ ختم نبوت کے انکار کے سلسلے میں اصل مجرم کا سراغ لگایئے۔

تمام مسلمانوں فرقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النّبیین ہیں کیوں کہ قرآن مجید کی نص وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ ط میں آپ کو خاتم النّبیین قرار دیا گیا ہے۔ نیز اس امر پر بھی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے لیے لفظ خاتم النّبیین بطور مدح وفضیلت ذکر ہوا ہے۔ اب سوال صرف یہ ہے کہ لفظ خاتم النّبیین کے کیا معنی ہیں۔ یقیناً اس کے معنیٰ ایسے ہی ہونے چاہئیں جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مدح ثابت ہو۔

اسی بنا پر جناب مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند نے عوام کے معنوں کو نادرست قرار دیا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں۔

عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیائے سابق کے زمانے کے بعد ہے اور آپ سب میں آخری نبی ہیں۔ مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم اور تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں۔ پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ط فرمانا اس صورت میں کیوں کر صحیح ہو سکتا ہے۔ (تحذیر الناس ص۳)

(رسالہ خاتم النبیین کے بہترین معنیٰ ص۴ شائع کردہ قادیان)

آسان لفظوں میں نانوتوی صاحب کی اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ لفظ خاتم النبیین کے معنیٰ آخری نبی قرار دینا یہ ناسمجھ عوام کا خیال ہے جو کسی بھی طرح قابل التفات نہیں ہے۔ اہل فہم طبقہ اس لفظ کے معنیٰ آخری نبی کے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ زمانے کے اعتبار سے کسی کا پہلے ہونا یا آخر میں ہونا کچھ خاص مدح اور فضیلت کی چیز نہیں ہے۔ اس لفظ کے معنیٰ آخری نبی قرار دینے میں چونکہ حضور کی کوئی خاص فضیلت نہیں نکلتی اس لیے یہ معنیٰ اگر مراد لیا جائے تو مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ کا ذکر کرنا لغو ہو جائے گا۔

غور فرمایئے! ڈیڑھ ہزار برس کی لمبی مدت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک کتاب وسنت کی روشنی میں ساری امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ کے معنیٰ آخری نبی کے ہیں۔ اس لفظ سے اگر حضور کو آخری نبی نہ مانا جائے تو نئے نبی کی آمد کا راستہ کس دلیل سے بند کیا جا سکتا ہے۔

ساری امت میں نانوتوی صاحب وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے انگریزوں کا حق نمک ادا کرتے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی ماننے سے انکار

کیا ہے تاکہ قادیان سے ایک نئے نبی کی آمد کے لیے راستہ صاف ہو جائے۔
نانوتوی صاحب کے حامیوں کا منہ بند کرنے کے لیے میں اس مسئلے میں ان ہی کے گھر کی ایک مضبوط شہادت پیش کرتا ہوں۔ دیوبندی جماعت کے معتمد وکیل مولوی منظور نعمانی اپنی کتاب "ایرانی انقلاب" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

یہ عقیدہ کہ ختم نبوت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی آسکتا ہے، اُن آیات قرآنی اور احادیث متواترہ کی تکذیب ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم النبیین اور آخری نبی ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔

(ایرانی انقلاب ص۹۱)

یہ عبارت چیخ رہی ہے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہیں مانتا وہ آیات قرآنی اور احادیث متواترہ کا انکار کرتا ہے اور دوسرے لفظوں میں وہ نئے نبی کی آمد کا دروازہ کھلا رکھنا چاہتے ہیں۔
یہی وہ گراں قدر خدمت ہے جس کے صلے میں قادیانی جماعت کی طرف سے مولانا قاسم نانوتوی کو خراج عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک قادیانی مصنف لکھا ہے۔

جماعت احمدیہ خاتم النبیین کے معنوں کی تشریح میں اسی مسلک پر قائم ہے جو ہم نے سطور بالا میں جناب مولوی محمد قاسم نانوتوی کے حوالہ جات سے ذکر کیا ہے۔ (افادات قاسمیہ ص۱۶)

ایک معمولی ذہن کا آدمی بھی اتنی بات آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے کسی مخالف کے مسلک پر قائم رہنے کا عہد ہرگز نہیں کر سکتا۔ پیچھے چلنے کا پرخلوص جذبہ اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جسے اپنا ہم سفر اور مقتدا

سمجھا جائے۔

ایک ہی تصویر کے دو رُخ

پچھلے اوراق میں خاتم النّبیین کے معنی کے سلسلے میں قادیانی مصنّفین کی عبارتیں آپ کی نظر سے گزر چکیں اور مولانا قاسم نانوتوی کی وہ تحریر بھی آپ نے پڑھ لی جسے اپنی حمایت و تائید میں قادیانی مصنف نے تحذیر الناس سے نقل کیا ہے اب ان نتائج پر غور فرمایئے جو ان عبارتوں کے تجزیہ کے بعد سامنے آتے ہیں تاکہ یہ حقیقت آپ پر اچھی طرح واضح ہو جائے کہ دیوبند اور قادیان کے درمیان فکر اور استدلال کی کتنی گہری یکسانیت ہے اور دیوبند صرف وہابیت ہی کا نہیں قادیانیت کا بھی محسن اعظم ہے۔

(۱) پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا قاسم نانوتوی کی صراحت کے مطابق خاتم النّبیین کے الفاظ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی سمجھنا یہ معاذ اللہ ناسمجھ عوام کا شیوہ ہے۔ اُمّت کا سمجھ دار طبقہ خاتم النّبیین کے لفظ سے آخری نبی مراد نہیں لیتا۔ ان ہی سمجھ دار لوگوں میں ایک سمجھ دار مولانا قاسم نانوتوی بھی ہیں۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ خاتم النّبیین کے اجماعی معنی کو مسخ کر کے حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار سب سے پہلے مولانا قاسم نانوتوی نے کیا ہے۔ کیونکہ قادیانیوں نے اگر انکار میں پہل کیا ہوتا تو وہ ہرگز یہ اعلان نہ کرتے کہ لفظ خاتم النّبیین کے معنی کی تشریح کے سلسلے میں جماعت احمدیہ مولانا نانوتوی کے مسلک پر قائم ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ خاتم النّبیین کے معنی آخری نبی کے انکار کے سلسلے میں مرزا غلام احمد قادیانی اور مولانا نانوتوی کے اندازِ فکر اور طریقہ استدلال میں پوری یکسانیت ہے۔

چنانچہ قادیانیوں کے یہاں بھی خاتم النبیین کے اصل مفہوم کو مسخ کرنے کے لیے حضور سراپا نور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا سہارا لیا گیا ہے اور نانوتوی صاحب بھی مقام مدح کہہ کر آخری نبی کے معنیٰ کے انکار کے لیے حضور کی عظمت شان ہی کو بنیاد بنا رہے ہیں۔

وہاں بھی کہا گیا ہے کہ خاتم النبیین کے لفظ سے حضور کو آخری نبی سمجھنا یہ معنی عام مسلمانوں میں رائج ہیں اور یہاں بھی کہا جا رہا ہے کہ یہ معنیٰ عوام کے خیال میں ہیں۔

اتنی عظیم مطابقتوں کے بعد اب کون کہہ سکتا ہے کہ اس مسئلے میں دونوں کا نقطہ نظر الگ الگ ہے۔ دنیا سے انصاف اگر رخصت نہیں ہو گیا تو اب اس انکار کی گنجائش نہیں ہے کہ قادیان اور دیوبند ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں یا ایک ہی منزل کے دو مسافر ہیں کوئی پہنچ گیا ہے۔ کوئی رہ گزر میں ہے۔

پس خاتم النبیین بمعنی آخری نبی کے انکار کی بنیاد پر اگر قادیانی جماعت کو منکر ختم نبوت کہنا امر واقعہ ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ اسی انکار کی بنیاد پر دیوبندی جماعت کو بھی منکر ختم نبوت نہ قرار دیا جائے۔

شاید صفائی میں کوئی یہ کہے کہ قادیانی جماعت کے لوگ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عملاً ایک نیا نبی مان چکے ہیں اس لیے انھیں منکر ختم نبوت کہنا واقعہ کے عین مطابق ہے۔ میں جواباً عرض کروں گا کہ عقیدے کی حد تک یہی مسلک تو دیوبندی جماعت کا بھی ہے جیسا کہ ان کی کتاب تحذیر الناس میں لکھا ہوا ہے:

اگر بالفرض آپ کے زمانے میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور قائم رہتا ہے۔

(تحذیر الناس ص ۱۲)

اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کوئی فرق نہ آئے گا۔ (ص ۲۸)

غور فرمایئے جب دیوبندی جماعت کے یہاں بھی بغیر کسی قباحت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نیا نبی پیدا ہو سکتا ہے تو قادیانیوں کا اس سے زیادہ اور قصور ہی کیا ہے کہ جو چیز اہلِ دیوبند کے یہاں جائز و ممکن تھی اسے انھوں نے واقع کر لیا۔ اصل کفر تو نئے نبی کے جواز و امکان سے وابستہ تھا۔ جب وہی کفر نہ رہا تو اب کسی نئے مدعی نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھنے کا ہمارے پاس ذریعہ کیا رہا۔

کیوں کہ اس راہ میں عقیدے کی جو سب سے مضبوط دیوار حائل تھی وہ تو یہی تھی کہ قرآن و حدیث کی نصوص اور اجماع اُمّت کی روشنی میں چونکہ حضور آخری نبی ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نیا نبی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن جب دیوبندی جماعت کے نزدیک حضور آخری نبی بھی نہیں ہیں اور کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت میں بھی کوئی فرق نہیں آسکتا تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ اب آخر کس بنیاد پر کسی نئے مدعیٔ نبوت کو اپنے دعوے سے باز رکھا جائے گا اور کس دلیل سے کسی نئے نبی پر ایمان لانا کفر قرار پائے گا۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ بنیادی سوال کے لحاظ سے دیوبندی جماعت اور قادیانی جماعت کے درمیان قطعاً کوئی جوہری فرق نہیں ہے۔

میری اس مدلل رائے سے اگر دیوبندی مذہب کے علماء کو اختلاف ہو تو وہ کھلے بندوں یہ اعلان کر دیں کہ تحذیر الناس ان کی کتاب نہیں ہے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو تحذیر الناس میں کتاب و سنّت اور اجماع اُمّت سے ثابت شدہ

جن دو بنیادی عقیدوں کا انکار کیا گیا ہے اور جس کے نتیجے میں حضور خاتم پیغمبراں صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی کے آنے کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اس کے خلاف فتوے کی زبان میں اپنی مذہبی بیزاری کا صاف صاف اعلان کریں۔

واضح رہے کہ ان کے دو بنیادی عقیدے جن کا تحذیر الناس میں انکار کیا گیا ہے، یہ ہیں:

پہلا عقیدہ ــــ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کے ہیں۔

دوسرا عقیدہ ــــ کسی نئے نبی کے آنے کی صورت میں حضور کی خاتمیت باقی نہیں رہ سکتی۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ دیوبندی علماء تحذیر الناس کے خلاف یہ اعلان ہرگز نہیں کریں گے۔ کیونکہ انھوں نے اسلام کے ان دو بنیادی عقیدوں کو اب تک تسلیم ہی نہیں کیا ہے۔ بہر حال کوئی وجہ بھی ہو اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اسلامی دنیا کا جو الزام قادیانی جماعت پر ہے وہی الزام دیوبندی جماعت پر بھی عائد کیا جائے گا۔

ختم نبوت کا انکار وراثت میں

عقیدہ ختم نبوت کے انکار کا جو سنگِ بنیاد مولانا قاسم نانوتوی نے رکھا تھا، اسے بعد کے آنے والوں نے صرف محفوظ ہی نہیں رکھا بلکہ اس پر عمارت بھی کھڑی کر دی۔ اس سلسلے میں قاری طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم کی کارگزاری خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ انھوں نے اپنے دادا جان کے اس نظریہ کی تبلیغ و اشاعت میں ایسے ایسے گل بوٹے کھلائے ہیں کہ سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

نمونے کے طور پر ان کی تقریر کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمایئے جسے مقتیان دیوبند نے انکشاف نامی کتاب میں نقل کیا ہے فرماتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم امکاں میں سرچشمۂ علوم وکمالات ہیں۔ حتّٰی کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں بھی فیض ہیں خاتم النّبیین کی امّت کا۔ درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے۔

(انکشاف مطبوعہ دیوبند صہ ۲۶۴)

جب حقیقی نبی آپ ہیں تو ظاہر ہے کہ دوسرے انبیاء مجازی اور ظلّی نبی ہوں گے۔ یہی وہ فارمولا ہے جسے مرزا غلام احمد قادیانی نے ظلی نبی، بروزی نبی اور اُمتی نبی کے نام سے اپنے لیے ایجاد کیا ہے۔

تقریر کے علاوہ "آفتاب نبوّت" کے نام سے اسی عنوان پر انہوں نے ایک کتاب بھی لکھی ہے جو پاکستان سے شائع ہوئی ہے اس میں ایک جگہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"حضور کی شان محض نبوّت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوّت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا، نبی ہو گیا۔ (آفتاب نبوّت صہ ۱۹)

اس عبارت پر مدیر تجلی آنجہانی مولانا عامر عثمانی کا یہ تبصرہ ملاحظہ فرمایئے۔

یہ تبصرہ نہیں ہے بلکہ دیوبندی جماعت کی پشت پر قہرِ الٰہی کا ایک عبرت ناک تازیانہ ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

قادیانیوں کو اس سے استدلال ملا کہ روح محمدی تو بہر حال فنا نہیں ہوئی وہ آج بھی کہیں نہ کہیں موجود ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ پہلے اس نے

ہزاروں انسانوں کو نبوت بخشی تو آپ نہ بخشے۔

(تجلی دیوبند نقد و نظر نمبر ص۷)

اب اسی کے ساتھ تجلی کے حوالے سے مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ دعویٰ بھی پڑھ لیجیے تاکہ یہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجائے کہ مہتمم صاحب نے آفتاب نبوت لکھ کر در پردہ کس کا حق نمک ادا کیا ہے۔

اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم بنایا یعنی آپ کو افاضۂ کمال کے لیے مہر دی جو کسی اور نبی کو نہیں دی گئی۔ اس وجہ سے آپ کا نام خاتم النبیین ٹھہرا یعنی آپ کی پیروی کمالات نبوت بخشتی ہے۔ اور آپ کی توجہ روحانی "نبی تراش" ہے اور یہ قوت قدسیہ کسی اور کو نہیں ملی۔

(حقیقۃ الوحی بحوالہ تجلی نقد و نظر نمبر ص۷۳)

اب عین دوپہر کے اجالے میں مہتمم صاحب کا اصل چہرہ دیکھنا چاہتے ہوں تو مہتمم صاحب موصوف اور مرزا صاحب دونوں کی تحریروں کو ایک چوکھٹے میں رکھ کر مدیر تجلی کا یہ دھماکہ خیز بیان پڑھیے۔

حضرت مہتمم صاحب نے حضور کو "نبوت بخش" کہا تھا مرزا صاحب "نبی تراش" کہہ رہے ہیں۔ حرفوں کا فرق ہے معنیٰ کا نہیں!

(تجلی نقد و نظر نمبر ص۷۸)

کیا سمجھے آپ؟ دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح مرزا صاحب کا عقیدہ ہے کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے بلکہ آج بھی حضور پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی توجہ نبوت کی استعداد رکھنے والے کسی شخص پر پڑ جائے تو وہ نبی ہو سکتا ہے۔ اسی طرح مہتمم صاحب بھی حضور کو "نبوت بخش" کہہ کر بالکل اسی

عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ الفاظ و بیان میں فرق ہو سکتا ہے لیکن مدّعا دونوں کا ایک ہے۔

واضح رہے کہ مدیر تجلّی کا یہ تبصرہ الزام نہیں، بلکہ عین امر واقعہ ہے۔ کیونکہ دونوں کے انداز فکر میں اتنی عظیم مطابقت ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی خط فاصل نہیں کھینچا جا سکتا۔ مثال کے طور پر مرزا صاحب نے اپنے دعوائے نبوّت کے جواز میں مجازی، ظلّی اور اُمّتی نبی کا ایک نیا فارمولا تیار کیا تھا اور مہتمم صاحب کی تقریر کا جو اقتباس مقتیان دیوبند نے انکشاف نامی کتاب میں پیش کیا ہے، اس میں مہتمم صاحب نے بھی اسی فارمولے کی زبان استعمال کی ہے جیسا کہ ان کی تقریر کا ایک فقرہ نقل کیا گیا ہے۔

> درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں۔ آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے۔

غلط جذبۂ پاسداری سے بالاتر ہو کر انصاف کیجئے کہ یہ بالکل مرزا صاحب کی زبان ہے یا نہیں؟

"درحقیقت حقیقی نبی آپ ہیں" کا مدّعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ آپ کے سوا دوسرے تمام انبیاء مجازی اور ظلی نبی ہیں۔ یہی مرزا صاحب نے بار بار کہا ہے اور یہی بات مہتمم صاحب فرما رہے ہیں۔ دونوں کے درمیان لفظوں کا فرق ہو سکتا ہے، معنیٰ کا نہیں۔

"آپ کی نبوت کے فیض سے انبیاء بنتے چلے گئے" یہ فقرہ بھی قادیانیوں کے اس دعوے کو تقویت پہنچاتا ہے کہ جب آپ کی نبوت کے فیض سے پہلے بھی انبیاء بنتے رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اب یہ سلسلہ بند ہو جائے۔

تصویر کا رُخ زیبا

مدرسہ دیوبند کے سربراہوں کے ذریعے قادیانی مذہب کو کتنی تقویت ملی، اُسے پھولنے پھلنے کے کتنے مواقع میسّر آئے اور ذہن کی فضا ساز گار بنانے کے کیسے کیسے ایمان سوز نوشتے ہاتھ آئے، اس کی قدرے تفصیل پچھلے اوراق میں آپ کی نگاہ سے گزر چکی، اب بریلی کے مرکز رشد و ہدایت کا بھی ایک جلوہ ملاحظہ فرمایئے۔

وہ تاج برطانیہ جس کی حدود مملکت میں سورج نہیں غروب ہوتا تھا، نہ وہ بریلی کا قلم خرید سکا، نہ اس فتنے کی سرکوبی کے سلسلے میں حکومت کی سطوت و جبروت کا کوئی خطرہ وہاں حائل ہو سکا۔ ادھر فتنہ نے جنم لیا اور اُدھر سرخیل کاروانِ سنّت، مجدّدِ دین و ملّت حضرت امام احمد رضا کے قلم کی تلوار بے نیام ہو گئی۔ یہ پوری کہانی مولانا ابوالحسن علی ندوی کی زبانی سُنیے کہ اسے دوست کا نہیں دشمن کا اعتراف کہا جائے گا۔

موصوف اپنے پیر و مرشد شاہ عبدالقادر رائے پوری کا ایک واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ اُجِیْبُ کُلَّ دُعَائِكَ اِلَّا فِیْ شُرَکَائِكَ (میں تمہاری ہر دعا قبول کروں گا۔ سوا ان دعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہوں۔

حضرت نے مرزا صاحب کو اسی الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے

کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے اس لیے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لیے دُعا کریں۔ وہاں سے بھی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہنچا، تمہارے لیے خُوب دُعا کرائی گئی۔ تم کبھی کبھی اس کی یاد دہانی کر دیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانے میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ایک کارڈ دعاء کی درخواست کا ڈال دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے۔ میں نے بھی دیکھیں قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچے ہیں۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری ص ۵۵، ۵۶)

(مرتبہ مولانا ابوالحسن علی ندوی)

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کچھ دنوں شاہ عبدالقادر صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی تھے لیکن دین میں اعلیٰ حضرت کی سختی انھیں پسند نہیں آئی اور وہ دوسری جگہ چلے گئے۔

اس عبارت میں ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پیر و مرشد کا کردار ملاحظہ فرمایئے کہ ایک کذّاب مدعی نبوّت کے ساتھ کتنی خوش عقیدگی ہے اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت کے ایمان و یقین کی بصیرت، حق کا عرفان اور باطل شکنی کا حوصلہ ملاحظہ فرمایئے کہ دشمن سے لڑنے کے لیے ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔

دَورِ حاضر میں

مُنکرینِ رسالت

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے اسے پڑھیئے

زیر نظر کتاب میں دورِ حاضر کے منکرین ختم نبوت کے دو چہرے پیش کیے گئے ہیں۔ ایک چہرہ تو اتنا بے نقاب ہے کہ اُسے بے نقاب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ یہ چہرہ قادیانیوں کا ہے۔ جو مرزا غلام احمد قادیانی کو کھلے بندوں نبی مانتے ہیں۔ لیکن دوسرا چہرہ جو خوبصورت غلاف میں چھپا ہوا ہے اُسے قلم کی نوک سے پوری طرح بے نقاب کر دیا گیا ہے۔ یہ چہرہ دیوبندی مذہب کے اُن پیشواؤں کا ہے جنہیں سادہ لوح عوام صرف ان کے علم اور تقدس کی جھوٹی شہرت کے ذریعہ جانتے ہیں۔ گھر کے اندر کا حال اُنہیں بالکل نہیں معلوم۔ اس کتاب میں ناقابلِ تردید دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں ایک مصنوعی نبی کو جنم دینے والے یہی دیوبندی اکابر ہیں۔

میں اپنے اس پیش لفظ کے ذریعہ اچھی طرح واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ دیوبندی اکابر کے خلاف میرا یہ الزام مذہبی تعصب پر نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی ہے کیونکہ مرزا غلام احمد قادیانی کذّاب کے ساتھ اکابر دیوبند کی نیاز مندی اور خوش عقیدگی کا جو واقعہ مشہور دیوبندی رہنما مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب "سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری" میں بیان کیا ہے۔ اُسے دشمن کا نہیں بلکہ ایک عقیدت کیش مخلص کا اعتراف سمجھنا چاہیئے۔

اب یہ کہانی اُنھی کی زبانی سُنیے۔ موصوف اپنے پیرومُرشد کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت نے مرزا صاحب کی تصانیف میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کو اللہ کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ اُجِیبُ کُلَّ دُعَائِكَ اِلَّا فِی شُرَکَائِكَ یعنی میں تمہاری ہر دُعا قبول کروں گا۔ سوائے اُن دُعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہوں۔

حضرت مرزا صاحب کو اُسی الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے۔ اس لیے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لیے دعا کریں۔

وہاں سے عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہنچا۔ تمہارے لیے خوب دُعا کرائی گئی۔ تم کبھی کبھی اس کی یاددہانی کر دیا کرو۔ حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانے میں ایک پیسہ کا کارڈ تھا میں تھوڑے وقفہ کے بعد ایک کارڈ دعا کی درخواست کا ڈال دیتا۔"

ایک مرتبہ فرمایا کہ مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں۔ اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے میں نے بھی دیکھا، قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اُس طرف میلان ہو گیا، اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچے ہیں"۔

(سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری ص ۵۵-۵۶)

اسی کتاب میں لکھا ہے کہ کچھ دنوں تک شاہ عبدالقادر صاحب اعلیٰ حضرت کی خدمت میں بھی تھے۔ لیکن دین میں اعلیٰ حضرت کی سختی اُنھیں پسند نہیں آئی

اور وہ دوسری جگہ چلے گئے۔

اس عبارت میں ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی کے ساتھ مولانا ابوالحسن علی ندوی کے پیرو مرشد کا کردار ملاحظہ فرمایئے کہ ایک کذاب مدعی نبوت کے ساتھ اُنھیں کتنی خوش عقیدگی ہے کہ اُس سے اپنے شرح صدر اور ہدایت، کے لیے دعا کرا رہے ہیں اور دوسری طرف اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت کے ایمان و یقین کی بصیرت، عرفانِ حق کی جلالتِ شان اور باطل شکنی کا حوصلہ ملاحظہ فرمائیے کہ دُشمن سے لڑنے کے لیے ہتھیار جمع کر رہے ہیں۔

اور یہ بھی سچائیوں کی فیروزمندی کہی جائے گی کہ اس عبارت میں واقعہ نگار نے دونوں کا حال بیان کر دیا ہے۔ اپنا بھی اور ہمارا بھی۔!!

واقعہ کی تفصیل بتا رہی ہے کہ یہ اُس وقت کی بات ہے جبکہ مرزا صاحب اللہ کے ساتھ مخاطبت اور نزول وحی و الہام کا دعوٰی کر چکے تھے اس لیے تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ سارا تعلق بے خبری میں نہیں قائم ہوا تھا۔ بلکہ پیر صاحب کا منہ بولا اقراری بیان ہے کہ مرزا صاحب کی کتابیں پڑھنے کے بعد ان کی طرف دل کا میلان اتنا بڑھ گیا کہ ایسا معلوم ہونے لگا کہ اپنے دعوائے نبوت میں وہ سچے ہیں۔

واقعات کے بطن سے پیدا ہونے والی الزام کی چٹان کیونکر ٹوٹ سکتی ہے کہ ختم نبوت کا وہ عقیدہ جو اُمّت کو ورثے میں ملا تھا، دیوبندی اکابر کے حلق کے نیچے نہیں اُتر سکا۔ کیونکہ ختمِ نبوت کا عقیدہ اگر انھوں نے دل سے تسلیم کیا ہوتا تو ایک جھوٹے مدعی نبوت کے ساتھ اس طرح کی خوش عقیدگی کا مظاہرہ وہ کبھی نہیں کرتے۔

حقائق و واقعات کا یہ نتیجہ پڑھ کر پیشانی پر شکن نہ ڈالیے کہ عقیدہ ختم نبوت کے انکار میں میرے پاس دیوبندی اکابر کی ایک ایسی بھی دستاویز موجود ہے

جسے پڑھتے ہی پوری جماعت پر سکتہ طاری ہو جائے گا۔ اور دیوبندی فرقے کے مہنتوں کو مسلم آبادیوں میں منہ چھپانے کی کوئی جگہ نہیں مل سکے گی۔

اب دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ دیوبندی فرقے کے عظیم رہنما قاری طیب صاحب کی تہلکہ خیز تحریر پڑھیے۔

ختم نبوت کے یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا۔
یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے۔

(خطبات حکیم الامت الاسلام ف۵)

آخیر میں دیوبندی علماء سے یہ گزارش کرتے ہوئے اپنا پیش لفظ ختم کرتا ہوں کہ خدا کے لیے اب تو دُنیا کو دھوکہ مت دیجیے۔

ارشد القادری
نئی دہلی
۱۲ر اپریل ۱۹۸۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا گروہ

منکرینِ رسالت کا سب سے پہلا گروہ ابوجہل، ابولہب اور اس کے ساتھیوں کا ہے۔ دل سے لے کر زبان تک اور گھر سے لے کر میدانِ جنگ تک ان کی زندگی کا کوئی بھی گوشہ انکار سے خالی نہیں ہے۔ اور نہ صرف یہ کہ ان ظالموں نے رسالت کا کھلم کھلا انکار کیا بلکہ ان محسوس حقیقتوں کا بھی انکار کر دیا جن سے دعوئے رسالت کی سچائی پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ سنگریزے شہادت دے رہے ہیں۔ درختوں کی شاخیں سرنگوں ہیں۔ چاند نے اپنا سینہ شق کر دیا ہے۔ پتھروں کے جگر موم ہو گئے ہیں۔ لیکن یہ سنگدل سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اپنی شقاوتوں پر نازاں ہیں۔ سچ کہا ہے کسی دانا نے کہ عناد ایک ایسا حجاب ہے جس میں بصیرت ہی کی نہیں ماتھے کی آنکھ بھی چھپ جاتی ہے۔ معاند آدمی سوئی تو دیکھ سکتا ہے لیکن بوقبیس کا پہاڑ اسے نظر نہیں آ سکتا۔

اس گروہ کا انکار اتنا واضح ہے کہ مزید کسی وضاحت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ اور رسول کے تئیں بھی یہ منکر ہیں اور خلق خدا سے بھی ان کا انکار چھپا ہوا نہیں ہے۔ ان کے چہرے پر کوئی نقاب ہی نہیں ہے کہ اسے اٹھایا جائے۔

دوسرا گروہ

منکرین رسالت میں دوسرا گروہ عبداللہ بن اُبیّ اور اس کے ساتھیوں کا ہے اس گروہ کو قرآن منافقین کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ خدا کی کائنات میں یہ اتنی پیچیدہ مخلوق ہے کہ اس کا سمجھنا بہت مشکل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے مختلف انداز میں اس گروہ کی نشاندہی فرمائی ہے اور اس کے ذہن و فکر کا جغرافیہ اتنی وضاحت کے ساتھ نمایاں کر دیا ہے کہ اب سرحدوں کے امتیاز میں کوئی دقت پیش نہیں آتی۔ اس گروہ سے اسلام کی وحدت کو جو شدید نقصان پہنچا ہے وہ ہماری تاریخ کی ایک خونچکاں داستان ہے۔ جمل اور صفین سے لے کر معرکۂ کربلا تک مقدس خونوں کی یہ بہتی ہوئی نہر انہی ظالموں کے ہاتھ کی کھودی ہوئی تھی۔

آدمی کی فطرت یہ ہے کہ جب تک واقعہ عالمِ وجود میں نہ آجائے گزند پہنچانے والی چیزوں کو وہ کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا۔ منافقین کے بارے میں قرآن کی بار بار نشاندہی بلا وجہ نہیں تھی۔ لیکن ان لرزہ خیز واقعات کے بعد جو پہلی صدی میں رونما ہوئے یقین کر لینا پڑا کہ سب سے بڑا خطرہ اسلام کے لیے منافق کا وجود ہے۔

آستین میں سانپ بن کر چھپے رہنے کے لیے اس کے پاس سب سے محفوظ نقاب اس کا نمائشی اسلام اور مسلم معاشرہ کے ساتھ کلمۂ طیبہ کا اشتراک ہے کوئی ننگِ اسلام ہی ہوگا جو توحید و رسالت کے اقراری کو اپنا شریکِ اسلام نہ سمجھے اور اس کے لیے ایک

مخلص بھائی کی طرح اپنے پُر سوز دل کی وسعتوں کا دروازہ نہ کھول دے۔
بس یہی ہے وہ دام ہمرنگ زمین جہاں آسانی سے ایک مسلمان کا شکار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن قربان جائیے قرآن کریم کی بلاغت بے پایاں کے کہ اس نے منافق کے چہرے کا یہ نقاب ہی اُلٹ کر رکھ دیا ہے۔
وہ کہتا ہے کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ توحید و رسالت کا ہر اقراری تمہارے ایمان و اسلام کا شریک ہی ہو جائے۔ کچھ ایسے بھی توحید و رسالت کے اقراری ہیں جو اپنے اقرار کے باوجود منکرین کے زمرے میں شامل ہیں۔
چنانچہ منافقین کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک جگہ قرآن فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ؕ

اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور روزِ قیامت پر حالانکہ وہ اس اقرار کے باوجود بھی مسلمان نہیں ہیں۔
توحید الٰہی اور عقیدۂ آخرت کے اقرار کے باوجود اس آیت میں اُن کے مومن و مسلمان ہونے کی واضح طور پر نفی کر دی گئی ہے۔ اب دوسری آیت میں رسالتِ محمدی کے اقرار کی حیثیت ملاحظہ فرمایئے۔

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۝

آپ کے پاس منافقین آ کر کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ بے شک اس کے رسول ہیں۔
لیکن منافقین کے بارے میں اللہ شہادت دیتا ہے کہ وہ بلا شبہ جھوٹے ہیں۔

اس آیت میں تو ان کے نمائشی اسلام کا پردہ اس طرح چاک کر دیا گیا ہے کہ ایک تار بھی باقی نہیں چھوڑا گیا۔ اب سمجھنا یہ ہے کہ وہ کس بات میں جھوٹے ہیں رسول تو اپنی جگہ پر یقیناً رسول ہیں پھر آخر ان کا جھوٹ کیا ہے!

اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ دراصل وہ جھوٹے اپنی شہادت میں ہیں یعنی اپنے ضمیر کے عقیدے کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ ہے ایسا اقرار یقیناً ایک جھوٹے آدمی کا اقرار ہے اور چونکہ خیالات کا اصل مرکز دل ہے اس لیے اعتبار دل ہی کے عقیدے کا ہوگا۔ زبان کے اقرار کی حیثیت بالکل ایک جھوٹے ترجمان کی ہوگی۔

قرآن کی اس تنبیہہ سے معلوم ہوا کہ دل کی چوری پکڑی جانے کے بعد زبان کا کلمہ بھی کلمہ نہیں رہ جاتا۔ نبی کی طرف سے دل میں نفاق رکھ کر کوئی لاکھ اقرار کرے اُسے منکرین ہی کے زمرے میں شمار کیا جائے گا۔

آپ جب اس امر کی تفتیش کرنے بیٹھیں گے کہ منافقین کے دلوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عناد کیا تھا۔ تو آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح کھل جائے گی کہ سرکار کی عظمت شان سے وہ جلتے تھے، فضیلت و کمال کی کوئی برتری اُنہیں گوارا نہ تھی۔ ایسی تمام آیات سن کر وہ بوجھل ہو جاتے، جو جلالت شانِ رسول کی ترجمان ہیں۔

ان کے دل کی اس کیفیت کو قرآن نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ

ان کے دلوں میں (جلن کا) روگ ہے تو اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول کی رفعت وعظمت کا اظہار کر کے) اور ان کے روگ میں اضافہ کر دیا۔

حضور کے علم و فضل کا انکار، حضور کی شانِ تصرف کا انکار، حضور کی عظمت و

برتری کا انکار، اس طرح کے بے شمار انگاروں کے ساتھ وہ رسالت محمدی کے اقرار کا رشتہ جوڑنا چاہتے تھے۔ قرآن نے اسی حرکت پر انہیں تنبیہہ فرمائی کہ لوازم رسالت کے انکار کے ساتھ رسالت کا اقرار کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔

یہاں ضابطہ کے طور پر یہ بات اپنی قوت حافظہ سے منسلک کر لیجئے کہ رسالت کا منکر وہی نہیں ہے جو برملا رسالت کا انکار کرتا ہے۔ بلکہ وہ بھی منکرین کے زمرے میں ہے جو ایک طرف رسالت کا اقرار کرتا ہے اور دوسری طرف منصب رسالت کے لوازم سے دل میں عناد کا جذبہ رکھتا ہے۔ ایسے لوگوں کا پردہ فاش کر کے عوام کو ان کے دل کی چوری سے باخبر کرنا کتاب الٰہی کی سنت ہے۔

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق اس گروہ کی شاخیں قیامت تک پھوٹتی رہیں گی۔ چنانچہ آج بھی قرآنی حقائق کی روشنی میں اگر حالات و واقعات کا بے لاگ جائزہ لیا جائے تو منکرین رسالت کی مختلف شاخیں آج بھی مذہبی دنیا میں موجود ہیں۔ جو اپنے چہرے پر نمائشی اسلام کا نقاب ڈالے ہوئے ہمارے معاشرے میں بار پاگئی ہیں۔

ذیل میں ان کی نشاندہی اس لحاظ سے بے حد ضروری ہے کہ صحیح اسلام کو عزیز رکھنے والے ان کے فریب سے اپنے آپ کو بچا سکیں۔

پہلی شاخ

ہندو پاک[1] میں مختلف مقامات پر ایک گروہ پھیلا ہوا ہے جو اپنے آپ کو

---

[1] پاکستان میں اس کی مثال میں فرقہ پرویزیہ کو پیش کیا جا سکتا ہے جو علوم اسلام کے نام سے ادارہ چلاتا ہے اس کا بانی غلام احمد پرویز ہے بہت پڑھے لکھے کہلانے والے اپٹوڈیٹ حضرات اس کے جال میں بتلا ہیں۔ ہندوستان میں بھی اس فرقہ کے مراکز جگہ جگہ قائم ہیں۔

اہل قرآن کہتا ہے۔ وہ برملا رسول کی اطاعت کا منکر ہے، کیونکہ کھلم کھلا وہ تمام حدیثوں کا انکار کرتا ہے اور انہیں قابل عمل نہیں سمجھتا۔ حالانکہ کسی کی اطاعت اس کے احکام و قوانین کے علم کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔ اور ظاہر ہے کہ رسول کے احکام و قوانین کے جاننے کا ذریعہ ہمارے پاس احادیث کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔

آیات قرآنی کے مطالب کے سلسلے میں وہ رسول کی تشریحات پر بھی اعتماد نہیں کرتا وہ یہ حق مرکز ملت کو دیتا ہے۔ واضح رہے کہ مرکز ملت سے اس کی مراد اس گروہ کا سربراہ ہے۔

گزشتہ مباحث کی روشنی میں اب یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ اطاعت رسول کا انکار دوسرے لفظوں میں منصب رسالت ہی کا انکار ہے۔ لیکن طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اس انکار صریح کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور مسلمانوں کے ساتھ کلمے میں اشتراک کے مدعی ہیں۔ تاہم اتنا غنیمت ہے کہ وہ اپنے دل کے مرکزی خیالات پر کوئی پردہ نہیں ڈالتے۔ اطاعتِ رسول اور احادیث سے انکار کا وہ کوئی گوشہ چھپا کر نہیں رکھتے۔ انہوں نے اپنے آپ کو دوپہر کے اُجالے میں لاکر کھڑا کر دیا ہے۔ وہ جیسے ہیں سب کے سامنے ہیں۔ اس لیے ہمیں انہیں منکرین رسالت کے زمرے میں شامل کرتے وقت کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

اب آگے کا حال سنیئے:

دوسری شاخ

یہ گروہ قادیانیوں کا ہے جو مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف منسوب ہے۔
یہ گروہ بھی اس معنی میں رسالت کا منکر ہے کہ یہ "ختم کی بالرسالۃ" کا قائل ہے۔

کیونکہ شرک چاہے الوہیت کے ساتھ ہو یا رسالت کے ساتھ بہرحال وہ انکار ہی کے ہم معنی ہے۔ آخر کفار مکہ بھی تو خدا کی الوہیت سے مطلقاً انکار نہیں کرتے تھے۔ ان کا انکار جو کچھ تھا وہ یہی تھا کہ خدا کے ساتھ ساتھ ہمارے یہ اصنام بھی منصب الوہیت میں شریک ہیں۔ ان کے اسی شرک کو قرآن نے انکار سے تعبیر کیا ہے۔

اسی طرح قادیانیوں کا گروہ بھی رسالت محمدی سے مطلقاً انکار نہیں کرتا اس کا اصرار صرف اس بات پر ہے کہ مرزا غلام احمد کو بھی رسالت محمدی میں شریک مان لیا جائے۔

ہمارا کہنا ہے کہ چاہے صاف لفظوں میں رسالت محمدی کا انکار نہ سہی لیکن "شرک بالرسالۃ" کا یہ ادعا بھی تو انکار ہی کے ہم معنی ہے۔ قادیانی گروہ صرف رسالت ہی کا منکر نہیں، ختم رسالت کا بھی منکر ہے۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ منکر رسالت کے لیے ختم رسالت کا انکار لازمی ہے کیونکہ رسالت کے انکار کے ساتھ ختم رسالت کا عقیدہ کبھی جمع نہیں ہو سکتا۔ قادیانی گروہ کو عقیدۂ ختم رسالت سے انکار کی ضرورت یوں بھی پیش آئی ہے کہ بغیر اس کے کسی مصنوعی نبی کو ڈھالنا ناممکن ہے۔ اس راز کو سمجھنے کے لیے کچھ زیادہ غور و فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ بالکل ظاہر ہے کہ جب تک دروازہ مقفل ہے کوئی داخل نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اُسے توڑا نہ جائے۔

لیکن وہ مقام جہاں ہمیں ان کی چوری پکڑنے میں تھوڑی سی زحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یہ ہے کہ ایک طرف تو یہ لوگ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی بھی تسلیم کرتے ہیں اُسے مسیح موعود بھی کہتے ہیں۔ اس پر وحی کے نزول کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں اور دوسری طرف اسلام و قرآن کے ساتھ بھی اپنی وابستگی کا اعلان کرتے ہیں مسلمانوں کے ساتھ کلمۂ اسلام اور ضروریات دین میں اشتراک کے بھی مدعی ہیں۔

ذیل میں ان کے شرک کا ایک رُخ ملاحظہ فرمایئے۔

پہلا رُخ

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے ایک عربی خط میں لکھتا ہے :

"میرا اعتقاد یہ ہے کہ میرا کوئی دین بجز اسلام کے نہیں اور میں کوئی کتاب بجز قرآن کے نہیں رکھتا اور میرا کوئی پیغمبر بجز محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں جو کہ خاتم النبیین ہے جس پر خدا نے بے شمار برکتیں اور رحمتیں نازل کی ہیں اور اس کے دشمنوں پر لعنت بھیجی ہے گواہ رہ کہ میرا تمسک قرآن شریف سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی جو چشمہ حق و معرفت ہے میں پیروی کرتا ہوں۔

اور ان تمام باتوں کو قبول کرتا ہوں جو خیر القرون میں باجماع صحابہ صحیح قرار پائی ہیں۔ نہ ان پر کوئی زیادتی کرتا ہوں نہ ان میں کوئی کمی اور اسی اعتقاد پر میں زندہ رہوں گا اور اسی پر میرا خاتمہ اور انجام ہوگا۔ اور جو شخص ذرہ برابر شریعت محمدیہ میں کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو" (ترجمہ)

(انجام آتھم ص ۱۴۳)

مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ اعلان پڑھیے :

"میں ان تمام امور کا قائل ہوں جو عقائد اسلامی میں داخل ہیں اور جیسا کہ سُنّت جماعت کا عقیدہ ہے ان سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن و حدیث کی رُو سے مسلم الثبوت ہیں اور سیدنا و مولانا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت اور

رسالت کو کاذب اور کافر جانتا ہوں۔

میرا یقین ہے کہ وحی نبوت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی اور جناب رسول اللہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گئی..... اس میری تحریر پر ہر شخص گواہ رہے۔

(اعلان مورخہ ۲ اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت ص۲ تا ۲۱)

مرزا جی کا یہ اعلان بھی پڑھیے!

ہم اس بات کے لیے بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا اور راستباز نبی مانیں اور ان کی نبوت پر ایمان لاویں۔ ہماری کسی کتاب میں کوئی ایسا لفظ بھی نہیں ہے جو ان کی شان بزرگی کے خلاف ہو۔" (ایام صلح ٹائٹیل ص۳)

اب مرزا جی کی ایک اور تحریر ملاحظہ فرمایئے:

"غرض وہ تمام امور جن پر سلف صالح کا اعتقادی اور عملی طور پر اجماع تھا اور وہ امور جو اہلِ سُنّت کی اجماعی رائے سے اسلام کہلاتے ہیں ان سب کا ماننا فرض ہے اور ہم آسمان و زمین کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ یہی ہمارا مذہب ہے۔" (ایام صلح ص۸۶)

اب اخیر میں عقیدۂ ختم نبوّت پر مرزا جی کی ایک مکمل تحریر پڑھیے۔

"کیا تو نہیں جانتا کہ پروردگار رحیم و صاحب فضل نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بغیر کسی استثناء کے خاتم النّبیین نام رکھا ہے اور ہمارے نبی نے اہل طلب کے لیے اس کی تفسیر اپنے قول "لا نبی بعدی" میں واضح طور پر فرما دی ہے۔ اب اگر ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا ظہور جائز قرار دیں تو گویا ہم باب وحی بند ہو جانے کے بعد

اس کا کھل جانا جائز قرار دے دیں گے اور یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ مسلمانوں پر ظاہر ہے۔ اور ہمارے نبی صلعم کے بعد نبی کیونکر آسکتا ہے۔ درآنحالیکہ آپ کی وفات کے بعد وحی منقطع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر نبیوں کا خاتمہ فرما دیا۔ (حمامۃ البشریٰ ص ۳۴)

دیکھ رہے ہیں آپ! قادیانی مذہب کی اس دستاویز پر کہیں بھی انگلی رکھنے کی جگہ ہے! اُدھر حضرت آدم صفی اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر سرکار مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور اِدھر حضرات صحابۂ کرام سے لے کر اہلِ سُنّت وجماعت کے سلفِ صالحین تک کوئی دامن بھی ایسا نہیں ہے جس سے غلام احمد لپٹا ہوا نہ ہو۔

حضور کے ختم نبوت کا بھی اقرار ہے اس کا بھی اعلان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو بھی نبوت ورسالت کا مدعی ہے وہ کافر و کاذب ہے۔ دینداری کی انتہا یہ ہے کہ جو شخص بھی شریعت محمدی میں ذرا سی کمی بیشی کرے یا کسی اجماعی عقیدے کا انکار کرے اس پر خدا اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو۔

اب بتایئے! ـــــ کیا اس سے بھی زیادہ کسی متدین صحیح الاعتقاد اور نکھرے ہوئے مسلمان کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

لیکن اب حیرت وخشیت میں ڈوب کر تصویر کا دوسرا رُخ ملاحظہ فرمایئے۔

دوسرا رُخ

مرزا جی لکھتے ہیں:

"یہ کس قدر لغو اور باطل عقیدہ ہے کہ ایسا خیال کیا جاوے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے اور آئندہ کو قیامت تک اس کی کوئی بھی اُمید نہیں۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ ج ۸ ص ۱۸۳)

دوسری جگہ مرزا جی کا ملفوظ یوں نقل کیا گیا ہے :

ہمارا مذہب تو یہ ہے کہ جس دین میں نبوت کا سلسلہ نہ ہو وہ مردہ ہے یہودیوں عیسائیوں اور ہندوؤں کے دین کو جو ہم مردہ کہتے ہیں تو اس لیے کہ ان میں اب کوئی نبی نہیں ہوتا۔ اسلام کا بھی یہی حال ہوتا تو ہم بھی قصہ گو ٹھہرے کس لیے اسے دوسرے دینوں سے بڑھ کر کہتے ہیں۔

(حقیقۃ النبوۃ ص ۲۷۲)

پہلے تو مرزا جی نے ختم نبوت کا دروازہ توڑا۔ اس کے بعد اپنی نبوت کا آغاز یوں کرتے ہیں۔

"ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ حقیقی اور واقعی طور پر تو یہ امر ہے کہ ہمارے سیدنا و مولانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور آنجناب کے بعد مستقل طور پر کوئی نبوت نہیں اور نہ کوئی شریعت ہے اگر کوئی ایسا دعویٰ کرے تو وہ بلاشبہ بے دین اور مردود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے ارادہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کے اظہار و اثبات کے لیے کسی شخص کو آنجناب کی پیروی اور متابعت کی وجہ سے وہ مرتبہ کثرت مخاطبات الٰہیہ بخشے جو اس کے وجود میں کلی طور پر نبوت کا رنگ پیدا کر دے سو اس طرح سے خدا نے میرا نام نبی رکھا یعنی نبوت محمدیہ میرے آئینہ نفس میں منعکس ہو گئی۔

(چشمہ معرفت ص ۳۲۴)

آگے چل کر یہ دعویٰ اور واضح ہو گیا۔ لکھتے ہیں :

مجھے بروزی صورت نے نبی اور رسول بنایا ہے اور اس بنا پر خدا نے بار بار میرا نام نبی اللہ اور رسول اللہ رکھا۔ مگر بروزی صورت میں میرا نفس

درمیان میں نہیں ہے بلکہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اسی لحاظ سے میرا نام محمد یا احمد ہوا۔ پس نبوت اور رسالت کسی دوسرے کے پاس نہیں گئی۔ محمد کی چیز محمد کے پاس ہی رہی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔"

(ایک غلطی کا ازالہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

محمد رسول اللہ بننے کے لیے اب لفظوں کا حجاب بھی اُٹھا دیا گیا۔ مرزا جی کے الفاظ یہ ہیں:

"اور ہمارے نزدیک تو کوئی دوسرا آیا ہی نہیں۔ نہ نیا نبی نہ پُرانا بلکہ خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی چادر دوسرے کو پہنائی گئی ہے اور وہ خود ہی آئے ہیں۔" (اخبار الحکم قادیان ۳۰ نومبر ۱۹۰۱ء)

اب صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی کا اعلان سُنیے:

"اس بات میں کیا کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قادیان میں اللہ نے پھر محمد صلعم کو اُتارا تاکہ اپنے وعدہ کو پورا کرے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ ایک دفعہ خاتم النبیین کو دنیا میں مبعوث کرے گا پس مسیح موعود (مرزا غلام احمد) خود محمد رسول اللہ ہے جو اشاعت اسلام کے لیے دوبارہ دنیا میں تشریف لائے۔" (کلمۃ الفصل)

جب مرزا جی معاذ اللہ محمد رسول اللہ ہی ٹھہرے تو اب ان پر ایمان لانے کا مرحلہ کتنا سنگین ہو جاتا ہے ظاہر ہے۔ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی لکھتے ہیں ذرا اسم سری ملاحظہ فرمائیے۔

"اب معاملہ صاف ہے۔ اگر نبی کریم کا انکار کفر ہے تو مسیح موعود کا انکار بھی کفر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسیح موعود نبی کریم سے الگ چیز نہیں ہے بلکہ وہی ہے۔" (کلمۃ الفصل)

محمد رسول اللہ کی طرح معاذ اللہ مرزا جی پر بھی درود بھیجنا ضروری ہے۔ ذرا

قادیانی کے یہ الفاظ پڑھیے۔

"پس یہ آیت یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کی رو سے اور ان احادیث کی رو سے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی تاکید کی جاتی ہے مسیح موعود (مرزا جی) علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درود بھیجنا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیجنا از بس ضروری ہے۔ (رسالہ درود شریف مصنّفہ محمد اسماعیل قادیانی ص۱۲۶)

درود و سلام کے متعلق مرزا غلام احمد قادیانی کی زبان سے ایک اعتراض کا دلچسپ جواب سُنیے:

"بعض بے خبر ایک یہ اعتراض بھی میرے اُوپر کرتے ہیں کہ اس شخص کی جماعت کے لوگ اس پر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اطلاق کرتے ہیں اور ایسا کرنا حرام ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ میں مسیح موعود ہوں اور دوسروں کا صلوٰۃ یا سلام کہنا تو ایک طرف رہا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے متعلق) فرمایا ہے کہ جو شخص اس کو پاوے میرا سلام اس کو کہے اور احادیث اور تمام شروح احادیث میں مسیح موعود کی نسبت صدہا جگہ صلوٰۃ و سلام کا لفظ لکھا ہوا موجود ہے۔ پھر جب کہ میری نسبت نبی علیہ السلام نے یہ لفظ کہا صحابہ نے کہا بلکہ خدا نے کہا تو میری جماعت کا میری نسبت یہ فقرہ بولنا کیوں حرام ہو گیا۔ (منقول از اربعین ص۶۰۲)

مرزا جی کے پاس قرآن کی طرح وحی الٰہی کا ایک نیا مجموعہ بھی ہے، جیسا کہ خود فرماتے ہیں:

"میں جیسا کہ قرآن شریف پر ایمان رکھتا ہوں ایسا ہی بغیر فرق ایک ذرہ کے خدا کی اس کھلی وحی پر ایمان لاتا ہوں جو میرے اُوپر نازل ہوئی

میں بیت اللہ میں کھڑے ہو کر یہ قسم کھا سکتا ہوں کہ وہ پاک وحی جو میرے
اُوپر نازل ہوئی وہ اسی خدا کا کلام ہے جس نے حضرت موسیٰ عیسیٰ اور
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنا کلام نازل کیا تھا"
(ایک غلطی کا ازالہ)

اب مرزا جی کے وحی والہامات اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات کے متعلق
ایک مضحکہ انگیز عبارت پڑھیے۔

"قرآنِ کریم اور الہامات مسیح موعود دونوں خدا تعالیٰ کے پیغام ہیں دونوں
میں اختلاف ہو ہی نہیں سکتا۔ لہٰذا قرآن کو مقدم رکھنے کا سوال ہی
پیدا نہیں ہوتا اور مسیح موعود (مرزا جی) سے جو باتیں ہم نے سنی ہیں وہ
حدیث کی روایت سے معتبر ہیں کیونکہ حدیث ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کے منہ سے نہیں سنی" (اخبار الفضل قادیان ۳۰ اپریل ۱۹۱۵ء)

اب دوسری عبارت پڑھیے۔

"حضرت مسیح موعود (مرزا جی) نے فرمایا ہے کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ
وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔

کے الہام میں محمد رسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد رسول اللہ خدا نے
مجھے کہا ہے۔

اب اس الہام سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

(۱) یہ کہ آپ (مرزا جی) محمد ہیں اور آپ کا محمد ہونا بلحاظ رسول اللہ ہونے
کے ہے نہ کسی اور لحاظ سے۔

(۲) آپ کے صحابہ اس حیثیت سے محمد رسول اللہ ہی کے صحابہ ہیں جو اَشِدَّآءُ
عَلَی الْکُفَّارِ اور رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ۔ کی صفت کے مصداق ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کی خود اپنے قلم سے ایک مضحکہ خیز تحریر پڑھیئے:

"صحیح بخاری، صحیح مسلم اور انجیل اور دانائیل اور دوسرے نبیوں کی کتابوں میں بھی جہاں میرا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں میری نسبت نبی کا لفظ بولا گیا ہے اور بعض نبیوں کی کتابوں میں میری نسبت بطور استعارہ فرشتہ کا لفظ آگیا ہے اور دانائیل نبی نے میرا نام اپنی کتاب میں میکائیل رکھا ہے اور عبرانی زبان میں لفظی معنی میکائیل کے ہیں "خدا کی مانند"

(حاشیہ اربعین، ۳ ص ۳۰ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

حیرت بھری آنکھوں سے مرزا جی کا ایک اور دعویٰ پڑھیئے۔

"میں آدم ہوں، میں شیث ہوں، میں نوح ہوں، میں ابراہیم ہوں، میں اسحاق ہوں، میں اسماعیل ہوں، میں یعقوب ہوں، میں یوسف ہوں، میں موسیٰ ہوں، میں داؤد ہوں، میں عیسیٰ ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا میں مظہر اتم ہوں یعنی ظلی طور پر محمد اور احمد ہوں"

(حقیقۃ الوحی ص ۶۲ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

قادیانی حضرات اپنے فرقہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں اس کی تفصیل ذیل کی عبارتوں میں پڑھیئے:

پہلی عبارت:

"ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰ کو نہیں مانتا یا عیسیٰ کو مانتا ہے مگر محمد کو نہیں مانتا یا محمد کو مانتا ہے مگر مسیح موعود (مرزا جی) کو نہیں مانتا وہ صرف کافر بلکہ پکا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے"۔

(کلمۃ الفصل، مصنفہ صاحبزادہ بشیر احمد قادیانی)

دوسری عبارت :

"ہمارا یہ فرض ہے کہ غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے۔"

(انوار خلافت ص۹۰ مصنفہ میاں محمود احمد خلیفہ قادیانی)

نبوت اور پیغمبری کا یہ سارا ڈھونگ جس معشوقِ افرنگ کی شہ پر رچایا گیا تھا اب ذرا اس کا بھی کچھ حال پڑھ لیجئے اپنے آقائے نعمت سرکارِ برطانیہ کی ستائش میں مرزا جی لکھتے ہیں :

"میں اپنے کام کو نہ مکہ میں اچھی طرح چلا سکتا ہوں نہ مدینہ میں نہ روم میں اور نہ شام میں، نہ ایران نہ کابل میں۔ مگر اس گورنمنٹ میں جس کے اقبال کے لیے دعا کرتا ہوں۔"

(اشتہار مرزا جی مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۶ ص۶۹)

مرزا جی کا ایک اشتہار اور پڑھیئے۔ شوق کی بے التفاتی کا شکوہ!

"بارہا بے اختیار دل میں یہ بھی خیال گزرتا ہے کہ جس گورنمنٹ کی اطاعت اور خدمت گزاری کی نیت سے ہم نے کئی کتابیں مخالفتِ جہاد اور گورنمنٹ کی اطاعت میں لکھ کر دنیا میں شائع کیں اور کافر وغیرہ اپنے نام رکھوائے اسی گورنمنٹ کو اب تک معلوم نہیں کہ ہم رات دن کیا خدمت کر رہے ہیں میں یقین کرتا ہوں کہ ایک دن یہ گورنمنٹ عالیہ ضرور میری خدمات کی قدر کرے گی۔

(اشتہار مرزا جی مندرجہ تبلیغ رسالت ج ۱۰ ص۲۸)

ساٹھ سالہ جوبلی کے موقع پر ملکہ وکٹوریہ کو مرزا جی نے ایک عقیدت نامہ

ارسال کیا تھا۔ اس کا جواب نہ موصول ہونے پر مرزا جی کی ریاد دہانی، یاد دہائی ملاحظہ فرمایئے۔

"اس عاجز کو وہ اعلیٰ درجہ کا اخلاص اور محبت اور جوش اطاعت جو حضور ملکہ معظمہ اور اس کے معزز افسران کی نسبت حاصل ہے جو میں ایسے الفاظ نہیں پاتا جن میں اس اخلاص کا اندازہ بیان کر سکوں"۔

اس سچی اور اخلاص کی تحریک سے جشن شصت[۶۰] سالہ جوبلی کی تقریب پر میں نے ایک رسالہ حضرت قیصرۂ ہند دام اقبالہا کے نام سے تالیف کرکے اور اس کا نام تحفۂ قیصریہ رکھ کر جناب ممدوحہ کی خدمت میں بطور درویشانہ تحفہ کے ارسال کیا تھا اور مجھے قوی یقین تھا کہ اس کے جواب سے مجھے عزت دی جائے گی اور امید سے بڑھ کر میری سرفرازی کا موجب ہوگا۔ مگر مجھے نہایت تعجب ہے کہ ایک کلمۂ شاہانہ سے بھی ممنون نہیں کیا گیا۔ (ستارۂ قیصرہ صہ۲ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی)

کہانی کا اختتام

شروع سے آخر تک آپ نے یہ کہانی پڑھ لی ہوگی۔ اگر نہیں پڑھی ہو تو درخواست کروں گا کہ ایک بار ضرور پڑھیئے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے دونوں رُخ آپ کے سامنے ہیں۔ ایمان وانصاف کو درمیان میں رکھ کر بتایئے کہ قرآن واسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی پرجوش عقیدت اور وابستگی کا دعویٰ کیا انہیں ایک منکر رسالت کے انجام سے بچا سکتا ہے۔

اس حقیقت کا وجود کہ کوئی کلمہ پڑھنے کے باوجود بھی رسالت کا منکر ہو سکتا

ہے اب آپ کے لیے عقلی اور ذہنی نہیں رہا۔ دیکھنا چاہیں تو آپ اس معنوی حقیقت کو پیکر محسوس میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ آنکھ کھولنے کی زحمت گوارا فرمائیے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام فرقوں نے متفقہ طور پر اس گروہ کو خارج از اسلام قرار دیا ہے۔ یہاں تک کہ دیوبندی فرقہ جس کا قادیانی گروہ کے ساتھ ایک معنوی رشتہ ہے وہ بھی اس کے اسلام کو اسلام اور اس کے کلمے کو کلمہ تسلیم نہیں کرتا۔

قادیانی مذہب کی جو تفصیلات میں نے اسی مذہب کی کتابوں سے پچھلے اوراق میں سپرد قلم کی ہیں ان سے مندرجہ ذیل نتائج پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔

ا۔ رسالت محمدی کے انکار کا ایک پیرایہ یہ بھی ہے کہ ان کا کلمہ پڑھا جائے۔ ان کے اسلام سے اپنی وابستگی کا پُر جوش اظہار کیا جائے اور جب لوگ مانوس ہو جائیں تو رفتہ رفتہ ان کے ذہن و فکر کی زمین اپنے حق میں محفوظ کر لی جائے۔

ب۔ اس دورِ پُر فتن میں مسلمانوں کی مذہبی حِس اور دینی غیرت اس قدر مردہ ہو چکی ہے کہ ناممکن دعویٰ بھی انہیں متزلزل نہیں کر سکتا۔ اور ان کے معاشرے میں بڑے سے بڑے دجّال کو بھی قدم جمانے کی جگہ مل سکتی ہے۔ اسلام کے مفاد سے زیادہ سوسائٹی کا مفاد اب انہیں عزیز ہوتا جا رہا ہے۔ مادی اعزاز سے بوجھل کسی بھی بھاری بھر کم آدمی کی ہلکی سی ضرب بھی ان کے ذہن کے تمام سانچوں کو آسانی سے توڑ سکتی ہے، جو چودہ سو برس کی طویل مدت میں ڈھالے گئے ہیں۔

ج۔ اب کسی کے بارے میں اس حیرت کا اظہار کہ بھلا کلمہ گو ہو کر وہ ایسی بات کہہ سکتا ہے، ایک خوب صورت حماقت سے زیادہ نہیں ہے۔ کہنے والوں نے بھی سننے والوں کی دینی بے غیرتی اور مذہبی مردہ پن کا پوری طرح اندازہ لگا لیا ہے۔

---

[1] بانی دارالعلوم دیوبند قاسم نانوتوی نے ختم نبوت کے نئے اور غلط معنی نکال کر مرزا غلام احمد کو دعویٰ نبوت کا موقع فراہم کیا ہے۔ کما سیاتی بیانیہ۔

اس لیے بڑی سے بڑی اسلام شکن بات کہتے میں اب اُنہیں کوئی باک محسوس نہیں ہوتا۔

د۔ انگریزوں نے اسلام میں انتشار برپا کرنے کے لیے ہندوستان کے اندر بڑے بڑے گل کھلائے۔ دولت اور عہدوں کا لالچ دے کر ایسے لوگوں کی خدمات حاصل کرنا جو مذہبی مفاد و ترقی کے نام پر نئی نئی تحریکیں اُٹھائیں اور آگے چل کر وہ مسلمانوں کی صلاحیتوں کا رُخ باہمی خانہ جنگی کی طرف پھیر دیں فرنگی سیاست کا خاص منصوبہ رہا ہے۔

اس مقصد کے لیے خصوصی طور پر پیغمبر اسلام کے منصب نبوت کو اُنھوں نے نشانہ پر رکھا۔ چنانچہ ان کی ساری اتر جی مذہب کے اسی رُخ پر صرف ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے ذہن سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کی انفرادیت ختم ہو جائے یا تو معاذ اللہ دنیا میں بہت سے محمد پیدا کر دیئے جائیں۔ یا پھر یہ ممکن نہ ہو تو مسلمانوں کے ذہن سے پیغمبر کے متعلق ان کے اُن تصورات کا خاتمہ کر دیا جائے جن سے روحانی توانائیوں کا رشتہ منسلک ہے۔

مذہبی تاریخ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ انگریزوں کے یہ دونوں منصوبے پورے ہو گئے۔ چنانچہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود مسعود کی انفرادیت پر حملہ آور ہونے کے لیے دو ٹیمیں تیار ہوئیں۔ ایک ٹیم کا قصہ تو آپ پڑھ چکے اب دوسری ٹیم کی کہانی سُنیئے:

منکرین رسالت کی تیسری شاخ

یہ گروہ دیوبندی مکتب فکر کا ہے۔ ان پر بھی وہی الزام ہے کہ اُنہوں نے "شرک بالرسالۃ" کا ارتکاب کر کے رسالت کے انکار کا شیوہ اختیار کیا ہے۔ ان

لوگوں کی کہانی اتنی طویل ہے کہ قادیانی مذہب کا جو قصہ آپ نے پڑھا ہے دراصل اُس کا نقطۂ آغاز یہی لوگ ہیں۔

مصنوعی نبوت کی راہ میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہمیشہ حائل رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ ان کے بعد کوئی نیا نبی ہرگز پیدا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اگر پیدا ہو تو حضور کی خاتمیت باقی نہیں رہتی۔

لیکن یہ سُن کر آپ کو حیرت ہو گی کہ حائل ہونے والی اس دیوار کو جس نے سب سے پہلے توڑا وہ اسی دیوبندی گروہ کا سربراہ تھا۔ اس نے برملا یہ کہا کہ "یہ خیال صرف عوام کا ہے ورنہ تحقیقی علم یہ ہے کہ اگر حضور کے بعد بھی کوئی نبی پیدا ہو جب بھی حضور کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

پیغمبر اسلام کی انفرادیت کے خلاف فرنگی سازش کی یہ پہلی کڑی وجود میں آگئی۔ اب پیغمبرانہ منصب کے حصول کے لیے پہل کرنے والے آگے بڑھے۔ یہ لوگ ابھی درمیان ہی میں تھے کہ قادیان کی سرزمین سے آواز آئی۔

ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ ایک ہی وقت میں دو نئی نبوتوں کا دعویٰ آقایانِ نعمت کے خلاف ہو گا۔ دعویٰ نہ کیا جائے دروازہ کھولنے کا حق بہر حال محفوظ ہے اور رہے گا۔

چنانچہ قادیانی ذریت کو اس حق کا اعتراف آج بھی ہے۔ جیسا کہ قادیانی فرقے کے ایک ذمہ دار اہل قلم ابو العطا جالندھری نے "افادات قاسمیہ"[1] نامی کتاب میں

---

[1] یہ مضمون مرزائیوں نے اپنے ماہنامہ "الفرقان" ربوہ کی اکتوبر ۱۹۶۴ء کی اشاعت میں مکمل طور سے شائع کیا ہے۔ یہ رسالہ اگرچہ نایاب ہے مگر ہمارے کرم فرما مولانا حافظ نعمت علی صاحب مالک مکتبہ فریدیہ نے بڑی زبردست تگ و دو کے بعد حاصل کر ہی لیا۔ یہ رسالہ ان کے پاس محفوظ ہے ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

جو ربوہ پاکستان سے شائع ہوئی ہے اس حق کا اعتراف ان لفظوں میں کیا ہے۔
"حضرت مولوی صاحب موصوف (مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند)
کی کتب[1] کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سرورِ کونین حضرت محمد مصطفٰے
صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کے بارے میں سابق[2] علمائے محققین کی

---

[1] لفظ کتب جمع ہے جس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ بانی دار العلوم دیوبند نے ختم نبوت کے بارے میں گھناؤنا تصور اور من گھڑت معنی کو اپنی کئی تصانیف میں بیان کیا اور وہ اس کفری لغزش کا ارادتاً اور قصداً بار بار مرتکب ہوا۔

[2] یہ اس مرزائی کا کذب ہے کہ نانوتوی صاحب نے خاتمیت محمد کا یہ گھناؤنا معنی سابق علمائے محققین کی روشنی میں گھڑا ہے۔ بلکہ یہ من گھڑت معنی اسلاف کے معنی کے برعکس ہیں اور اجماع قطعی کے خلاف ہیں۔ یہی بانی دار العلوم دیوبند ہیں جنہوں نے نبوت کو نبوت ذاتیہ اور نبوت عرضیہ میں تقسیم کر کے غلام احمد قادیانی کے لیے نبوت عرضیہ، بروزیہ اور ظلیہ کے ادعا کا موقع فراہم کیا اور افسوس یہ بھی ہے کہ علمائے دیوبند درس نظامی کی کتابوں کے حواشی تک میں یہ قادیانیہ اور مرزائیانہ زہر گھول کر نئی نسل کو مرزائیت کے گڑھے میں ڈھکیل رہے ہیں۔ چنانچہ درس نظامی کی منطق کی ابتدائی کتاب مرقات کے پہلے صفحہ کے حاشیہ پر نانوتوی کے اس کفری نظریہ کو بڑی شد و مد سے بیان کیا اور لکھا گیا ہے کہ

فحامل النبوۃ اولا بالذات لیس الا نبینا صلی اللہ علیہ وسلم وکل من
الانبیاء علیہم السلام موصوف بھا ثانیا وبالعرض۔

(مرقات ص۲ حاشیہ ۵) یعنی اوّلی اور ذاتی طور پر نبوت کے حامل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور دوسرے نبی ثانوی اور عارضی طور پر نبوت سے متصف ہیں۔ لاحول ولا قوۃ نانوتوی نے نبوت کو ذاتی اور عرضی میں تقسیم کر کے مرزا قادیانی کو اعلانیہ دعوت ادعائے نبوت دی ہے۔ فالی اللہ المشتکیٰ۔ (فقیر قادری)

روشنی میں آپ نے نہایت واضح موقف اختیار فرمایا ہے"۔ (افادات قاسمیہ)

اب دیوبند کے قاسم نانوتوی اور قادیان کے خود ساختہ مسیح موعود (مرزا غلام احمد) کے درمیان ایک الہامی رشتہ اور معنوی ارتباط کے وجود پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یوں محسوس ہوتا ہے کہ چونکہ چودھویں صدی کے سر پر آنے والا مجدد و امام مہدی اور مسیح موعود بھی تھا اور اسے "اُمتی نبوت" کے مقام سے سرفراز کیا جانے والا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مصلحت سے حضرت مولوی محمد قاسم صاحب کو خاتمیت محمدی کے اصل مفہوم کی طرف وضاحت کے لیے رہنمائی فرمائی اور آپ نے اپنی کتابوں اور اپنے بیانات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین ہونے کی نہایت دلکش تشریح فرمائی۔ (افادات قاسمیہ)

بلاشبہ آپ کی کتاب "تحذیر الناس" اس موضوع پر خاص اہمیت رکھتی ہے۔ (افاداتِ قاسمیہ)

قادیانی مصنف کی یہ عبارت محتاج تبصرہ نہیں ہے۔ بیچ چوراہے پر اس نے اہلِ دیوبند کے مصنوعی اسلام کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ اب اس سے انکار مشکل ہے کہ دیوبندی حضرات قادیانی مذہب کے بانی نہیں ہیں۔

یہاں تک تو پچھلے حصے کا بقیہ تھا۔ اب اصل قصے کی طرف آیئے اپنے آقایانِ نعمت کے اشارے پر دیوبندی گروہوں کے سربراہوں نے کھل کر نبوت کا دعویٰ تو نہیں کیا لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ انفرادیت کو مجروح کرنے کے لیے منصب نبوت کے سارے لوازم اور خصوصی اوصاف اپنے درمیان تقسیم کر لیے۔

اب ذیل میں انہی کی کتابوں سے اس شرمناک داستان کی تفصیل پڑھیئے سردست اس مقام پر دیوبندی لٹریچر کے اس حصے سے میں صرف نظر کرتا ہوں جو اہانت رسول کے

۱؎ رسالہ "الفرقان"، ماہ اکتوبر ۱۹۶۴ء ربوہ صفحہ ۹

طویل سلسلوں پر مشتمل ہے اور جس نے مذہبی دنیا میں نہ بجھنے والی ایک آگ لگا کر فرنگی سیاست کا اصل مدعا پورا کر دیا۔

مولوی قاسم نانوتوی

اور

منصبِ نبوّت

یہی وہ "بزرگ" ہیں جن کو لوگ "فاتح بابِ نبوّت" کے نام سے موسوم کرتے ہیں نیز دیوبندی فرقے کے مخصوص مکتبِ فکر کا آپ کو بانی بھی کہا جاتا ہے۔ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ پر بھی نزولِ وحی کی کیفیت کبھی کبھی طاری ہوتی تھی براہِ راست اس کا خود اظہار کرتے ہوئے چونکہ مصلحت مانع تھی۔ اس لیے ایک ایسے شخص کا انتخاب عمل میں آیا جس کی بات کا وزن لوگوں پر پڑ سکے۔

چنانچہ واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک دن آپ شاہ امداد اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے کہا کہ کبھی کبھی بیٹھے بٹھائے میرا سینہ بوجھل معلوم ہونے لگتا ہے۔

شاہ صاحب نے جو جواب دیا۔ سوانح قاسمی کے مصنّف نے اس کے الفاظ یہ نقل کیے ہیں، ملاحظہ ہو۔

"یہ نبوّت کا آپ پر فیضان ہوتا ہے اور یہ ثقل (بوجھ) ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے وقت محسوس ہوتا تھا۔ تم سے حق تعالیٰ کو وہ کام لینا ہے جو نبیوں سے لیا جاتا ہے۔"

(سوانح قاسمی ج ۱ ص ۲۵۲)

سوانح قاسمی میں آپ کو اکثر ان مقامات سے گزارا گیا ہے جن سے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم گزر چکے ہیں۔

معتقدین پر آپ کی پیغمبرانہ خصوصیات کا جو رنگ چڑھا ہوا تھا وہ آپ کی وفات کے بعد بھی قائم رہا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم مولوی رفیع الدین آپ کی قبر کے متعلق اپنا کشف بیان کرتے ہیں۔

مبشرات دارالعلوم کے مصنف کے یہ الفاظ پڑھیئے:

حضرت مولانا محمد رفیع الدین صاحب سابق مہتمم دارالعلوم کا مکاشفہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم کی قبر عین کسی نبی کی قبر میں واقع ہے۔

(مبشرات دارالعلوم ص۳۶)

دیکھ رہے ہیں آپ چلمن سے لگے بیٹھنے کا یہ انداز! صاف صاف نہیں کہہ دیتے کہ "مولانا نانوتوی کی قبر عین نبی کی قبر ہے۔

اُلٹ پھیر کر بات بھی کہی تو ایسی کہ کہتے ہی چوری پکڑی جائے۔ بھلا ایک نبی کی قبر میں ان کی قبر کیونکر واقع ہو سکتی ہے۔ جب کہ اس قبرستان میں پہلے سے کسی نبی کی قبر موجود نہیں ہے۔

فرضی طور پر ہی سہی دیوبند کی سرزمین جب معاذ اللہ ایک نبی کی آرام گاہ قرار پا گئی تو اب وہاں ان تمام لوازمات کی موجودگی بھی ضروری ہے جو کسی نبی کی ذات سے متعلق ہو سکتے ہیں۔

حرم

چنانچہ اب لوازمات کی تفصیل ملاحظہ فرمایئے:
مسجد دارالعلوم دیوبند کی نورانیت و تقدس کا حرم کعبہ کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے مبشرات کا مُصنف لکھتا ہے' الفاظ یہ ہیں۔

مکہ معظمہ کے مشہور مجاور بزرگ جن کا نام محب الدین تھا دارالعلوم میں جب تشریف لائے تھے تو یہاں کی جماعت میں شریک ہو کر اپنا کشفی احساس یہ ظاہر کرتے تھے کہ جس کیفیت کی باقت یہاں کی جماعت میں ہوتی ہے۔ اب تو حرم کی جماعت میں بھی اس کیفیت کو نہیں پاتا۔" (مبشرات ص۳۲)

تجلّیاتِ عرش

مدینۂ طیّبہ میں ہر وقت عرش سے رحمت و نور کی بارش ہوتی ہے۔ ایک نبی کی جلوہ گاہ ہونے کی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کے ساتھ عرش کی تجلیات کا رشتہ ثابت کرنے کی غرض سے مبشرات کا مصنّف لکھتا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

حضرت مولانا محمد شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم دارالعلوم نے اپنے کشف سے معلوم کر کے ارشاد فرمایا کہ دارالعلوم کی وسطی درسگاہ سے عرش معلیٰ تک میں نے نور کا ایک سلسلہ دیکھا ہے۔ (مبشرات ص۳۱)

حظیرۂ قدسیہ

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ مدینۂ طیبہ کے قبرستان جنت البقیع میں دفن ہونا

باعث مغفرت ورحمت ہے۔ دیوبند کا وہ قبرستان جس میں قاسم نانوتوی صاحب مدفون ہیں۔ اس کا نام "حظیرۂ قدسیہ" رکھا گیا ہے۔ اس کے متعلق دیوبندی فرقے کا عقیدہ ہے کہ اس میں مدفون ہونا باعث مغفرت ہے۔ چنانچہ اس قبرستان کے فضل و امتیاز پر روشنی ڈالتے ہوئے مبشرات کا مصنف لکھتا ہے! الفاظ ملاحظہ ہوں۔

حظیرۂ قدسیہ یا خطہ صالحین یعنی جس قبرستان میں حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مدفون ہیں۔ اس حصے کے متعلق حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا کشف تھا کہ اس حصہ میں مدفون ہونے والا انشاءاللہ مغفور ہے۔ (ص۳۱)

یہ انشاءاللہ صرف نمائش کے لیے ہے۔ ورنہ انشاءاللہ کی قید کے ساتھ تو ہر جگہ کا مدفون مغفرت یافتہ ہے۔ پھر کشف کی بات کیا رہی۔

مدینے کے پانی کے ساتھ ہمسری

مدینے کے پانی کا دیوبند کے پانی کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے مبشرات کا مصنف ایک فاضل دیوبند کا یہ بیان نقل کرتا ہے۔

"مولسری والے احاطے کے مشرقی سمت میں جو کنواں ہے۔ اس کا پانی پیجئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے برف ڈال دیا ہے۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ کنویں کی حد تک اتنا لذیذ اتنا خوش گوار اتنا شیریں وصاف پانی مشکل ہی سے کسی کنویں کا اب تک میں نے پیا تھا اور بعد کو بھی برف کے بغیر ایسا پانی جسے پیتے ہی چلے جائیں۔ لیکن نہ گرانی ہی اس سے پیدا ہوا اور نہ دل بھرے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اس کا تجربہ یہاں ہوا یا مدینہ منورہ پہنچ کر بعد کو ہوا۔ (مبشرات ص۲۵)

مولوی رشید احمد گنگوہی

اور

منصب نبوّت

دیو بندی فرقے کے یہ بھی ایک مقتدر پیشوا ہیں ۔ یہ عقیدہ کہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے آپ ہی کا نکالا ہوا ہے ۔ آپ نے بھی اگرچہ صراحت کے ساتھ منصب نبوت کا دعویٰ نہیں کیا ہے ۔ لیکن اس کے قریب تک ضرور پہنچ گئے ہیں ۔

چنانچہ آپ کے متعلق مشہور ہے کہ آپ نے بڑے طنطنے کے ساتھ یہ دعویٰ کیا تھا جس کے الفاظ یہ ہیں :

"سن لو حق وہی ہے جو رشید احمد کی زبان سے نکلتا ہے اور بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں ۔ مگر اس زمانے میں ہدایت و نجات موقوف ہے میرے اتباع پر ۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص۱۷)

کسی کے اتباع پر نجات موقوف ہو یہ صرف نبی کا منصب ہے اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ اس کے لیے کسی دلیل کی احتیاج نہیں اور پھر بات اتنی ہی نہیں ہے ۔ اسی کے ساتھ یہ دعویٰ بھی منسلک ہے کہ اس زمانے میں نجات کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کافی نہیں ہے ۔ گویا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت منسوخ ہو گئی ہے اور اب نجات کے لیے نئے نبی کی پیروی ضروری ہے ۔

اپنے بارے میں یہ دعویٰ تو آپ نے اپنی زبان سے کیا ہے ۔ آپ کے بارے میں آپ کے معتقدین کے کیا خیالات ہیں ۔ اب ذرا ان کی بھی ایک جھلک ملاحظہ فرما لیجئے ۔ آپ کے بارے میں کسی مستان قسم کے فقیر کی یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ

"میں مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔" (تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۳۲۲)

یعنی قضا و قدر کا محکمہ آپ ہی کے حوالے ہے، تقدیروں کے نوشتے آپ ہی کے رشحاتِ قلم سے تیار ہوتے ہیں۔ کسی مصیبت زدہ شخص کے بارے میں حضرت مولانا فضل الرحمن گنج مراد آبادی کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ:

"تم گنگوہ جاؤ تمہاری مشکل کشائی حضرت مولانا رشید احمد صاحب ہی کی دعا پر موقوف ہے۔ میں اور تمام روئے زمین کے اولیاء بھی اگر دعا کریں گے تو نفع نہ ہوگا۔"

(تذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۱۵)

اس بات پر سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ اولیاء سے آگے صرف نبی کا مقام ہے۔ دیوبندی گروہ کے شیخ الہند جناب مولوی محمود الحسن صاحب نے آپ کی وفات کے بعد آپ کے پیغمبرانہ منصب پر جو قصیدہ لکھا ہے۔ اب دو چار اشعار اس کے بھی ملاحظہ فرمایئے۔

وفاتِ سرورِ عالم کا نقشہ آپ کی رحلت
تھی ہستی گر نظیر ہستیٔ محبوبِ سبحانی

(مرثیہ رشید احمد گنگوہی ص ۱۶)

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال شریف کے موقع پر مشرکین نے اُعْلُ ہُبَلْ کا نعرہ لگایا تھا۔ یعنی ہبل جوان کا سب سے بڑا بت تھا۔ اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ تجھے سرنگوں کرنے والا دنیا سے چلا گیا اب تو سربلند ہو جا۔

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ منصب کے ساتھ آپ کے منصب کی

مطابقت تو جبھی ہوگی جب آپ کی وفات پر بھی اسی طرح کی صدا بلند ہو صرف وفات سرورِ عالم کا نقشہ آپ کی رحلت کہہ دینے سے تو کام نہیں چلتا۔

چنانچہ دوسرے شعر میں مطابقت وہمسری کا حق یوں ادا کرتے ہیں ؎

زباں پر اہلِ ہوا کی ہے کیوں اُعلُ ہبُل شاید
اُٹھا عالم سے کوئی بانی اسلام کا ثانی!

مرثیہ ص۹

ساری دنیا بانی اسلام سرور دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتی ہے۔ اور اسی کے متعلق اسلامی دنیا کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ لیکن اس غریب دنیا کو کیا معلوم کہ دیوبندی گروہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی پیدا بھی ہوا اور مر بھی گیا۔

شعر کا مطلب یہ ہے کہ پہلی مرتبہ اُعلُ ہُبُل کا نعرہ اس وقت بلند ہوا تھا جب دنیا سے بانی اسلام کا ظاہری سایہ اُٹھ گیا تھا۔ اور اب دوسری مرتبہ وہی نعرہ جو بلند ہوا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ بانی اسلام کا کوئی ثانی اُٹھ گیا ہے۔

وفات سے وفات کا نقشہ بھی ملا دیا۔ نعرہ بھی لگوا دیا اور ثانی بھی بنا دیا۔ اب پیغمبرانہ منصب میں کیا کمی رہ گئی ہے۔ بات یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی اور آگے لکھتے ہیں:

زمانے نے دیا اسلام کو داغ اس کی فرقت کا
کہ تھا داغِ غلامی جس کا تمغائے مسلمانی

(مرثیہ)

یہ منصب صرف نبی کا ہے کہ اس کی غلامی کا داغ مسلمان ہونے کی سند ہے۔ کسی اُمتی کو یہ مقام ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا لیکن چونکہ آپ بانی اسلام کے ثانی ہیں

اس لیے آپ کو پیغمبرانہ منصب کا یہ خصوصی حق بھی ضرور ملنا چاہیئے۔ یہاں تک تو موازنہ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ اب آپ کی شخصیت کا موازنہ دیگر انبیاء کے ساتھ یوں کیا گیا ہے۔

سیّدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بانگ حق کے ساتھ آپ کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس کی آواز بھی یا بانگِ خلیل اللّٰہی!
کہہ کے لبیک چلے اہلِ عرب اہلِ عجم!

اب سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تقابل ملاحظہ فرمایئے:

اس کی آواز تھی بے شک قُم عیسیٰ کی صدا
جس کے صدقے سے لیا علم نے دوبارہ جنم

اور اس شعر میں تقابل کے ساتھ ترجیحی پہلو کس قدر نمایاں ہے:
ملاحظہ فرمایئے:

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابنِ مریم

ابن مریم حضرت مسیح علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا جا رہا ہے کہ آپ نے تو صرف مردوں کو زندہ کیا تھا۔ زندوں کو آپ مرنے سے نہیں بچا سکے تھے، مگر ہمارے بانیٔ اسلام کے ثانی نے تو مردوں کو بھی زندہ کیا اور زندوں کو بھی مرنے سے بچا لیا۔ بتایئے! کس کا کمال قابلِ ترجیح ہے۔

اب سیّدنا حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گنگوہی صاحب کا نہیں، بلکہ اُن کے کالے بندے یعنی حبشی غلاموں کا تقابل ملاحظہ ہو۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا اُن کے لقب ہے یوسف ثانی

یعنی خود بانی اسلام کے ثانی اور آپ کے کالے کالے بندے سیدنا یوسف علیہ السلام کے ثانی۔

اب بتایئے!

کہ یہ منصب کسی بڑے پیغمبر کا نہیں ہے تو اور کس کا ہو سکتا ہے ——؟

(معاذ اللہ)

حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام بھی اپنے آپ کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی نہیں کہہ سکے۔ اُمتی ہی بننے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی شان میں اس سے بڑھ کر توہین اور کیا ہو سکتی ہے کسی ادنیٰ شخص کے کالے کالے غلاموں کو ان کا ہمسر و ثانی بنا دیا جائے۔ نعوذ باللہ

نبی کی عظمت سے کھیلنا بھی نبی کے منصب سے ہمسری بھی
کہاں پہ لائی ہے آدمی کو شقاوتوں کی یہ سرکشی بھی

مولوی اشرف علی تھانوی

اور

منصب نبوّت

یہ حضرت بھی دیوبندی گروہ کے بہت بڑے مذہبی پیشوا ہیں۔ آپ ہی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم پاک کو پاگلوں اور جانوروں کے علم سے تشبیہ دے کر مسلمانوں کی دینی آسائشوں کا خون کیا ہے۔ اور جس کے زخموں کی ٹیس سے آج تک کراہنے کی آواز آبادیوں سے اُٹھتی رہتی ہے۔

آپ منصب رسالت کی راہ طلب میں اپنے ساتھیوں سے کئی قدم آگے

ہیں۔ آپ نے بھی اگرچہ کھل کر دعویٰ نہیں کیا۔ لیکن کھل کر سامنے ضرور آ گئے ہیں چنانچہ یہی وجہ ہے کہ آپ کے معتقدین آپ کو "مجدد مبعوث" تسلیم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ منصب بھی نبوت ہی کا ایک ضمیمہ ہے۔ یعنی مجدد مبعوث جس منصب پر فائز ہوتا ہے۔ وہ نبوت سے کوئی علیٰحدہ چیز نہیں ہے۔

ثبوت میں تھانوی صاحب کے ایک پُرجوش معتقد کی یہ تحریر پڑھیئے:

"مجدد بھی نبی کی طرح مبعوث ہوتا ہے۔ یعنی تجدید دین کی خدمت کے لیے ہی پیدا فرمایا جاتا ہے۔ للٰذا ہر ولی و بزرگ یا محدث وفقیہہ مجدد نہیں ہوتا۔" (جامع المجددین ص۵۱)

ظاہر ہے کہ جب مجدد بھی نبی کی طرح مبعوث ہوتا ہے تو یہ منصب سب کو کیسے مل سکتا ہے۔ دوسری جگہ اس سے زیادہ واضح لفظوں میں منصب نبوت کا ضمیمہ ثابت کیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں:

غرض بعثت مجددین ختم نبوت کی کتاب کا ایسا ناگزیر ضمیمہ ہے جس کے بغیر اس کتاب کا ختم سمجھنا ہی دشوار ہے اور نہ عقیدۂ ختم نبوت کی اس دشواری کو آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے کہ جب معمولی عقائد و اعمال ہی میں اختلال نہیں بلکہ کفر و شرک تک کے دینی مفاسد ہر زمانے میں نئے نئے پیدا ہوتے رہتے ہیں تو پھر آخر نبوت کی ضرورت کیسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گئی۔ (جامع المجددین مؤلفہ عبدالباری ص۱۹، ۲۰)

دیکھ رہے ہیں آپ؟ بالکل وہی انداز استدلال ہے جو قادیانی مذہب کے قصے میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یعنی عقل و ضرورت کا تقاضا ہے کہ نبوت کا سلسلہ جاری رہنا چاہیئے۔ آخر غلام احمد قادیانی کا اس سے زیادہ اور کیا کفر ہے کہ اس نے عقل و ضرورت ہی کا یہ تقاضا پورا کیا تھا۔

بہر حال آگے بڑھیے۔
تھانوی صاحب کے حق میں اُن کے منصب کی دلیل کے لیے زمین یوں ہموار کرتے ہیں۔

"حضرات انبیاء علیہم السلام کو ان کی نبوت کے لیے دلائل و آیات ہمیشہ اُن کے مذاق اور مطالبات کے مناسب عطا ہوتے رہے حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے بڑا معجزہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ اور اس کی آیات و تعلیمات کا عطا فرمایا گیا۔

(جامع المجددین ص۱۷۴)

اتنی تمہید کے بعد اب اصل بات نوک قلم پر آتی ہے۔ تھانوی صاحب کے لیے مجوزہ منصب کی دلیل پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آج جو شخص بھی دین اسلام کے چہرے کو پورے جمال و کمال کے ساتھ بالکل صاف و بے غبار جامع و کامل دیکھنا چاہتا ہے۔ وہ عہد حاضر کے جامع المجددین (مولانا تھانوی کی کتابی آیتوں کی طرف علماً و عملاً رجوع کر کے خود مشاہدہ کر سکتا ہے"

(جامع المجددین ص۱۷۵)

وہ پیغمبر ہی کیا جس کے پاس کتابی آیات نہ ہوں۔ اسلام کی تجدید ہی کے نام پر مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی اپنے سفر کا آغاز کیا تھا۔ اور یہاں بھی تجدید ہی سے ابتداء کی جا رہی ہے۔

پیغمبر اپنے پیچھے اپنی اُمت کے لیے اپنی زندگی کا ایک اسوہ اور نمونہ بھی چھوڑتا ہے۔ تھانوی صاحب نے بھی اپنے بعد ایک نمونہ چھوڑا ہے۔ ذرا ان الفاظ کے تیور ملاحظہ ہوں۔

"جس طرح انبیاء علیہم السلام اپنی اُمتوں کے لیے" احسن عمل" اکمل اسوہ ہوتے ہیں اسی طرح نبی الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کے تھانوی مجدد کی زندگی تجدیدی درجے میں اُمت محمدیہ کے لیے اسلام کی عملی تعلیمات کا ہر شعبہ میں کامل و جامع نمونہ تھی"۔

(جامع المجددین ص ۱۵۱)

معاذ اللہ! اُمت محمدیہ کے لیے اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا نمونہ کافی نہیں رہا۔ نیا پیغمبر۔ نئی اُمت، نیا نمونہ۔

ایک خواب

جو شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا

یہاں تک تو اہلِ طلب کی ساری جدوجہد منصبِ نبوت کے گرد و پیش تھی اب کہانی اس مقام پر پہنچ رہی ہے۔ جسے نقطۂ عروج کہنا چاہیئے۔ یہاں پیغمبری کے منصب کا اظہار درجہ ابہام میں نہیں ہے۔ بالکل صراحت کے اُجالے میں ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کلمہ دوسروں نے پڑھا۔ تصدیق خود کی ہے۔

اس کہانی کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ تھانوی صاحب کے ایک مرید نے خواب دیکھا۔ بالکل اپنے قابو کا خواب، پھر جاگ گیا۔ یا خواب میں بھی جاگتا ہی تھا۔ بہرحال اس کے قلم کی لکھی ہوئی سرگزشت جسے تھانوی صاحب کو بطور نذرِ عقیدت کے اس نے پیش کیا تھا یہ ہے:

"ایک روز کا ذکر ہے کہ حسن العزیز (ایک کتاب کا نام) دیکھ رہا تھا اور دوپہر کا وقت تھا کہ نیند نے غلبہ کیا اور سو جانے کا ارادہ کیا۔

رسالہ حسن العزیز کو ایک طرف رکھ دیا۔ لیکن جب بندہ نے دوسری طرف کروٹ بدلی تو خیال آیا کہ کتاب کو پشت ہو گئی، اس لیے رسالہ حسن العزیز کو اُٹھا کر اپنے سر کی جانب رکھ لیا اور سو گیا۔

(رسالہ الامداد ص ۱۲۴، شوال ۱۳۳۵ھ)

اب یہاں سے اصل خواب شروع ہوتا ہے۔ کلیجے پہ ہاتھ رکھ کر پڑھیے آگے لکھتا ہے ———

"کچھ عرصہ کے بعد خواب دیکھتا ہوں کہ کلمہ شریف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ پڑھتا ہوں۔ لیکن مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ؕ کی جگہ حضور (یعنی تھانوی صاحب) کا نام لیتا ہوں۔ اتنے میں دل کے اندر یہ خیال پیدا ہوا کہ تجھ سے غلطی ہوئی کلمہ شریف کے پڑھنے میں اس کو صحیح پڑھنا چاہیے۔ اس خیال سے دوبارہ کلمہ شریف پڑھتا ہوں دل پر تو یہ ہے کہ صحیح پڑھا جاوے۔ لیکن زبان سے بے ساختہ بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے اشرف علی نکل جاتا ہے۔ حالانکہ اس بات کا علم ہے کہ اس طرح درست نہیں۔ لیکن بے اختیار زبان سے یہی کلمہ نکلتا ہے۔" (رسالہ الامداد ص ۲۴)

علم نفسیات کے ماہرین کا کہنا ہے کہ خواب کے واقعات دراصل ذہنی تصورات کا عکس ہوتے ہیں۔ زبان اتنی سرکشی پر نہیں اُتر سکتی کہ بار بار دل کے ارادوں کی خلاف ورزی کرے۔

بہر حال کہانی یہیں پر ختم ہوتی۔ اصل واقعہ آگے پڑھیے۔ اس کے بعد لکھتا ہے:

"دو تین بار جب یہی صورت ہوئی تو حضور (تھانوی صاحب) کو

اپنے سامنے دیکھتا ہوں اور بھی چند شخص حضور کے پاس تھے، لیکن اتنے میں میری یہ حالت ہو گئی کہ میں کھڑا کھڑا بوجہ اس کے کہ رقت طاری ہو گئی زمین پر گر گیا۔ اور نہایت زور کے ساتھ ایک چیخ ماری اور مجھ کو معلوم ہوتا تھا کہ میرے اندر کوئی طاقت باقی نہیں رہی۔"

(رسالہ الامداد ص ۳۴)

خواب میں "حضور" کا سامنے آنا بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے، بھلا غائبانے میں کلمہ پڑھنے کا لطف ہی کیا ہے؟

یہاں تک تو بات خواب کی تھی اس لیے آپ صفائی میں کہہ سکتے ہیں کہ خواب پر کیا گرفت کی جا سکتی ہے، خواب میں تو بدخوابی بھی ہو سکتی ہے کیا اس پر کوئی شرعی حد قائم کی جائے گی۔ بات سو فیصدی صحیح ہے۔ لیکن اب یہاں سے بیداری کا قصہ شروع ہوتا ہے غور سے پڑھیے آگے لکھتا ہے:

" اتنے میں بندہ خواب سے بیدار ہو گیا۔ لیکن بدن میں بدستور بے حسی تھی اور وہ اثر ناطاقتی بھی بدستور تھا۔ لیکن حالتِ خواب اور بیداری میں حضور ہی کا خیال تھا۔ لیکن حالت بیداری میں کلمہ شریف کی غلطی پر جب خیال آیا تو اس بات کا ارادہ ہوا کہ اس خیال کو دل سے دفعہ کیا جائے۔ بایں خیال بندہ بیٹھ گیا اور پھر دوسری کروٹ لیٹ کر کلمہ شریف کی غلطی کے تدارک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھتا ہوں۔ لیکن پھر بھی کہتا ہوں۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا اَشْرَفْ عَلِی حالانکہ اب میں بیدار ہوں خواب نہیں۔ لیکن بے اختیار ہوں۔ مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں۔ اس روز ایسا ہی کچھ خیال رہا۔"

(رسالہ الامداد ص ۳۴)

اَللّٰہُ اکبر! تھانوی صاحب کی نبوت کا خیال اس طرح جوارح پر چھا گیا کہ خواب میں بھی اُنہی کی رسالت کا کلمہ پڑھا گیا اور اب بیدار ہوئے اور ہوش و حواس میں آئے تو اب درود بھی اُنہی پر بھیجا جا رہا ہے۔

کم بخت وہ زبان بھی کتنی شاطر اور عیار ہے جو اپنے مرشد کو کلمۂ تنقیص کہنے کے لیے تو بے قابو نہیں ہوتی لیکن اسے رسول و نبی بنانے کے لیے بے قابو ہو جاتی ہے۔ یہ عذرِ لنگ اگر قبول کر لیا جائے تو دنیا سے بالکل امان ہی اُٹھ جائے۔ بڑے سے بڑا دشنام طراز بھی یہ کہہ کر نکل جائے کہ کیا کروں بے اختیار ہوں، مجبور ہوں، زبان اپنے قابو میں نہیں ہے۔

اور غضب یہ ہے کہ بجائے اس کے کہ "پیرِ مغاں" اس صریح کلمۂ کفر پر اپنے مرید کو سرزنش فرماتے یہ حوصلہ افزا جواب لکھ کر بھیجتے ہیں۔

"اس واقعہ میں تسلّی تھی کہ جس کی طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہٖ تعالےٰ متبع سنّت ہے۔" (رسالہ الامداد صـ ۳۴)

اتباعِ سنّت ہی کی راہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی معاذ اللہ منصبِ نبوت تک پہنچنے کا موقع ملا تھا۔ جیسا کہ خود اس نے کئی جگہ اس کا اعتراف کیا ہے اور یہی راستہ آپ نے بھی تجویز کیا ہے۔ جس نشاطِ طبع کے ساتھ ایک کفرِ صریح کی تحسین فرمائی گئی ہے۔ مریدین، معتقدین کے لیے اس جواب میں کتنے خاموش اشارے چھپے ہوئے ہیں اس کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے سب اسے محسوس کر سکتے ہیں چنانچہ اس جواب پر انہی کے گروہ کے ایک مستند فاضل کا یہ تاثر پڑھنے کے قابل ہے۔

"اپنے معاملات میں تاویل و توجیہہ اور اغماض و مسالحت کرنے کی مولانا (تھانوی) میں جو خو تھی اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے بھی

ہو سکتا ہے کہ مرید نے مولانا کو لکھا کہ میں نے رات خواب میں اپنے آپ کو دیکھا کہ میں ہر چند کلمہ تشہد صحیح صحیح ادا کرنے کی کوشش کرتا ہوں لیکن ہر بار یہ ہوتا ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بعد اَشْرَفْ عَلِی رَسُوْلُ اللہِ منہ سے نکل جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ اس کا صاف اور سیدھا جواب یہ تھا کہ یہ کلمہ کفر ہے۔ شیطان کا فریب اور نفس کا دھوکہ ہے۔ تم فوراً توبہ کرو اور استغفار پڑھو۔ لیکن مولانا تھانوی صرف یہ فرما کر بات آئی گئی کر دیتے ہیں کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اور یہ سب کچھ اسی کا نتیجہ و ثمرہ ہے۔"

(رسالہ "برہان" فروری ۵۲ء ص ۱۰۸)

(تحریر: مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

اب وہی بات جو میں نے شروع میں کہی تھی کہ شرک چاہے الوہیت کے ساتھ ہو یا رسالت کے ساتھ۔ بہر حال وہ کفر و انکار کے ہم معنیٰ ہے۔ اس لیے جن لوگوں نے منصب نبوت و رسالت کے ساتھ کسی طرح کی بھی وجہ اشتراک نکالی ہے۔ وہ قطعاً منکرین کے زمرے میں ہیں۔

تھانوی صاحب کے اس جواب پر بحث کرتے ہوئے مولانا احمد سعید صاحب اکبر آبادی نے بھی میری اس بات کا اعادہ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں کسی کو شریک ماننا شرک فی اللہ اور کفر ہے۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و کمالات نبوت میں کسی کو شریک جاننا بھی شرک فی الرسالۃ ہے۔"

(رسالہ "برہان" فروری ۵۳ء ص ۱۰۸)

دمِ آخر

گفتگو طویل ہو گئی۔ اب اپنی بات کو سمیٹتے ہوئے خیالات کے صرف چند مرکزی گوشوں پر آپ کی توجہ چاہتا ہوں۔

قادیانی مذہب کے بارے میں جن امور کی نشان دہی میں نے پچھلے صفحات میں کی ہے۔ اُنھیں قبول کرنے میں آپ کو کوئی زحمت پیش نہ آئے گی۔ کیوں کہ اوّل تو ان کے چہرے کا نقاب بہت زیادہ گہرا نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ابتدا ہی سے ہمارے معاشرے میں انہیں کوئی جگہ نہیں دی گئی ہے۔ اس لیے ذہنی طور پر بھی وہ ہم سے بہت فاصلے پر رہے ہیں۔

لیکن یہ دیوبندی گروہ تو اتنی ذہانت کے ساتھ ہمارے قریب رہتا ہے کہ اس کا پس منظر تو کیا سمجھ میں آئے گا کہ اس کا پیش منظر بھی سمجھنا مشکل ہے۔

اس گروہ کا اصل سراپا یا تو اس کی کتابوں میں نظر آتا ہے یا پھر کسی قابلِ اعتماد ماحول کی تنہائی میں۔

منظرِ عام پر تو اس کا میک اپ انتہائی دلفریب اور گمراہ کُن ہوتا ہے۔ اس لیے میں نے ان کی کتابوں کے حوالے سے جو دھماکہ خیز انکشافات گزشتہ صفحات کے حوالے کیے ہیں۔

اُن کا یقین کرنے کے لیے آپ کو اپنے ذہن کا وہ تمام سانچہ توڑنا ہوگا جو اس گروہ کے نمائشی اسلام کے زیرِ اثر آپ نے بنا رکھا ہے اور یہ بھی تسلیم کہ آپ کے لیے یہ یقیناً ایک دُشوار امر ہوگا۔ لیکن اس دُشواری پر قابو پانے کے لیے میں حقیقت کی ایک کلید آپ کے حوالے کر رہا ہوں اور وہ یہ ہے کہ :-

دیوبندی مکتبِ فکر کے تین پیشواؤں کے بارے میں جو حقائق سپردِ قلم کیے

گئے ہیں اُن کی دو ہی حیثیت ممکن ہے۔

یا تو اس مکتبِ فکر کے موجودہ وکلاء ان کی کوئی تاویل کریں گے یا سرے سے انکار کر دیں گے۔

دنیا سے اگر زبان و قلم کا امان نہیں اُٹھ گیا ہے تو وہ ہرگز انکار نہیں کریں گے کیونکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ یہ کتابیں ان ہی کے گھر کی ہیں۔ البتہ وہ تاویل کا پہلو اختیار کریں گے۔ اور کہیں گے کہ ان عبارتوں کا مطلب دراصل وہ نہیں ہے جو بیان کیا گیا ہے۔

پس اسی مقام پر مجھے یہ کہنا ہے کہ بالفرض اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ ان عبارتوں کا مطلب کچھ اور بھی ہے۔ جب بھی کم از کم یہ سوال اپنی جگہ پر باقی ہے کہ اس طرح کی عبارت ایک آدھ ہوتی تو ہم اپنے آپ کو سمجھا لیتے کہ یہ قلم کی لغزش ہے۔ لیکن مولوی قاسم نانوتوی سے لے کر مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی تک سب کے حق میں مشترک طور پر قلم کی اتنی لغزش کا تصور ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔

ایک ہی مکتبِ فکر کے تین پیشواؤں کے بارے میں لکھنے اور سوچنے کا ایک ہی انداز واضح طور پر اس امر کی نشان دہی کرتا ہے کہ:

دراصل یہ قلم کا کوئی اتفاقی حادثہ نہیں ہے۔ بلکہ پیغمبرانہ منصب کی طرف ایک سوچی سمجھی اور منظم پیش قدمی ہے۔

ورنہ اس کا کیا جواب ہے کہ: —— ایک ہی الزام بھرپور یکسانیت کے ساتھ ایک ہی گروہ کے تین بڑوں میں مشترک کیوں ہے؟

ع: کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

اپنے ہی ہتھیار سے اپنے مذہب کا خون

کلمۂ طیبہ کے خلاف

ایک نئے فتنے کی کہانی

علمائے دیوبند نے پچاس سال کے اندر اپنے فرقے کے لوگوں کا جو ایک ذہن بنا دیا ہے کہ جو چیز بھی اپنی موجودہ ہیئت کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے زمانے میں موجود نہ ہو وہ بدعت ہے، ناجائز اور حرام ہے۔ وہی ذہن اب اُمّتِ مسلمہ کے لیے قیامت بنتا جا رہا ہے۔ چنانچہ اس گمراہ کن ذہنیت کے نتیجے میں جو لوگ اب تک میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ اب اُنھوں نے کلمہ طیبہ کے خلاف ایک محاذ کھولا ہے جہاں سے وہ اعلانیہ کلمۂ طیبہ کا انکار کر رہے ہیں۔

اس واقعہ کی عبرتناک تفصیل یہ ہے کہ قاری طیب مہتمم دار العلوم دیوبند نے کلمہ طیبہ کے نام سے ایک رسالہ شائع کیا ہے۔ جس میں اُنہوں نے نہایت حسرت کے ساتھ اس امر کا انکشاف کیا ہے کہ کچھ لوگ کلمہ طیبہ کے خلاف نیا فتنہ اُٹھا رہے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ موجود ہیئت و ترکیب کے ساتھ حضور کے زمانے میں موجود نہیں تھا۔ اس لیے یہ بدعت ہے۔ قاری صاحب نے اپنے رسالے میں ان کی دلیل کے جو الفاظ نقل کیے ہیں۔ وہ یہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

"کلمہ طیبہ اس ہیئت ترکیبی کے ساتھ قرآن وحدیث میں کہیں بھی موجود

نہیں ہے۔ حتیٰ کہ کسی صحابی کے قول سے بھی ثابت نہیں ہوا۔"

اس کے ساتھ ایک دلچسپ خبر یہ بھی ہے کہ رائج الوقت کلمہ طیبہ کا انکار اُنہوں نے کسی بغاوت کے جذبے میں نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے قطعی دینی مفاد اور اُمت کی خیر خواہی کے جذبے کی نمائش کی گئی ہے۔ چنانچہ قاری طیب صاحب اپنے رسالے میں اُن کے انکار کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کلمہ کے بارے میں اُمت کو کتاب وسنت کے معیار سے گرنے نہ دیا جائے اور جو چیز اُمت میں کتاب وسنت کے خلاف رواج پکڑ جائے اُس کا برملا انکار کر کے اُمت کو پھر کتاب وسنت پر لے آیا جائے۔" (کلمہ طیبہ ص ۱۶)

غضب کی بات یہ ہوگئی کہ ظالموں نے یہ سوال قاری طیب صاحب سے ہی کیا ہے۔ حالانکہ بدعت کے سوال پر دونوں فریق کے سوچنے کا انداز بالکل ایک ہے۔ قاری طیب صاحب کا جواب اس لحاظ سے بڑا ہی دلچسپ ہے کہ جگہ جگہ اُنہیں اپنی جماعت کا ذہنی سانچہ توڑنے میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

کتنے ہی بار اُنہوں نے اپنے موروثی موقف سے انحراف کیا ہے اور نہایت بیدردی کے ساتھ اپنے بزرگوں کے مسلک کا خون کیا ہے، تب جا کر وہ ایک سوال کا جواب دے پائے ہیں پوری کتاب میں ان کی عبرتناک حیرانی اور اہلِ سنت کے استدلال کی طرف بار بار پلٹنے کا تماشہ قابلِ دید ہے۔

ان کی اس کتاب کے چند اقتباسات صرف اس لیے ذیل میں نقل کر رہا ہوں کہ واضح طور پر دیوبندی حضرات بھی یہ محسوس کر لیں کہ جو مسلک اجتماعی زندگی میں دو قدم بھی ساتھ نہیں دے سکتا اُسے بے جان لاش کی طرح اُٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ؟ منکرین کلمہ نے اپنے استدلال میں کہا ہے کہ صیغۂ شہادت کے بغیر جہاں بھی

یہ کلمہ آیا ہے۔ وہاں صرف لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ مذکور نہیں ہے۔

لہٰذا

ان دونوں کلموں کو ملا کر پڑھنا اور کلمۂ واحد بنا لینا بدعت اور ناجائز ہے۔

قاری طیّب صاحب نے اس استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ دیوبندی نسل کے لیے بڑا ہی عبرت انگیز ہے، فرماتے ہیں:

"مانا کہ روایات میں یہ جملہ ثانیہ مذکور نہیں لیکن اس کی نفی اور ممانعت بھی تو مذکور نہیں جس سے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھنا ممنوع ثابت ہو۔" (کلمہ طیّبہ صہ ۸۶)

منکرین کے اس مطالبہ پر کہ رائج کلمہ طیّبہ کے جواز کے لیے صحابہ کرام کا عمل دکھلایئے قاری صاحب کی حیرانی کا عالم قابلِ دید ہے۔ اپنے ہی رٹائے ہوئے سوال کا جب کوئی جواب نہیں بن پڑ سکا ہے تو جھنجھلاہٹ میں بیان تک لکھ گئے ہیں:

"اس کے جواز کا مدار کتاب وسُنّت اور اجماع پر ہے، نہ کہ فعل صحابہ کرام پر کہ یہ حجت مستقلہ ہی نہیں۔ اس لیے حجت کے سلسلے میں مستقلاً فعل صحابہ کا مطالبہ کیا جانا شرعی فنِ استدلال کو چیلنج کرنا ہے۔" (کلمہ طیّبہ صہ ۱۵)

چلیے چھٹی ہوئی!

ع: وہ شاخ ہی نہ رہی جس پر آشیانہ ہو

ہائے رے! ذہن وفکر کی گمراہی، ایک سوال سے پیچھا چھڑانے کے لیے چند در چند سوالات اپنے اوپر لادلیے گئے۔

عرض کرتا ہوں!

"حجت مستقلہ" نہ سہی حجت تو ہے پھر اس کا مطالبہ شرعی فن استدلال کو چیلنج کرنا کیوں ہوا؟ جواب دیجیئے!

اور یہ بھی ارشاد فرمایا جائے کہ میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے جواب کے سلسلہ میں فعل صحابہ کا مطالبہ کرکے "پچاس برس سے جو شرعی فن استدلال کو چیلنج کیا جا رہا ہے تو اس کا خون کس کی گردن پر ہوگا؟

اور لگے ہاتھوں یہ بھی واضح کر دیا جائے کہ جماعت اسلامی والے بھی فعل صحابہ کو حجت مستقلہ نہیں مانتے اور آپ حضرات کا بھی یہی مسلک ہے۔ دونوں میں وجہ فرق کیا ہے۔ ایک ہی بات کا انکار کرکے وہ کیوں کافر و گمراہ اور آپ مومن و حق پرست؟

اور زحمت نہ ہو تو اس سوال کا جواب بھی مرحمت فرمایا جائے کہ جواز کا مدار آپ نے کتاب و سنت اور اجماع پر رکھا ہے۔ فعل صحابہ کو حجت غیر مستقلہ قرار دے کر آپ نے مستثنیٰ کر دیا ہے تو کیا آپ کے نزدیک اجماع حجتِ مستقلہ ہے؟

لغزش و حیرانی کا سلسلہ اتنے پر ہی نہیں ختم ہو جاتا آگے چل کر ہتھیار ڈال دینے والی بات شروع ہو گئی ہے۔ اپنے مذہبِ فکر کی ذہنی شکست کا ایک کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمایئے! لکھتے ہیں:

"کلمہ طیبہ کی نفی کے لیے استدلال کی یہ شکل کسی حالت میں بھی منقول نہیں ہو سکتی کہ یا تو کلمہ طیبہ کا استعمال کسی ایک صحابی سے ہی دکھلا دیا جائے ورنہ اُس کے استعمال کو ممنوع سمجھا جائے۔"

معقول صورت استدلال کی اگر ہو سکتی ہے تو اثبات کی ہی ہو سکتی ہے جس میں مانعین کلمہ سے بطور دلیل نقض یہ کہا جائے گا کہ یا تو کلمہ طیبہ کی ممانعت کسی ایک ہی صحابی کے قول و فعل سے دکھا دی جائے، ورنہ

اُسے جائز سمجھا جائے ؟" (کلمہ طیبہ صہ ۱۴۱)

صد حیف، آنکھ بھی کھلی تو اس وقت جب مسلمانوں کی مذہبی آسائش کا خرمن جل گیا یہی انداز فکر اب سے پہلے اپنا لیا ہوتا تو میلاد و قیام اور عرس فاتحہ کے مسائل پر ہمارے اور آپ کے درمیان نہ ختم ہونے والی پیکار کیوں شروع ہوتی۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ یا تو میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کی ممانعت کسی ایک ہی صحابی سے دکھلا دی جائے ورنہ اُن امور کو جائز سمجھا جائے۔

اور ہمارا بھی تو آپ سے بار بار یہی کہنا تھا کہ میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے عدم جواز کے لیے استدلال کی یہ شکل کسی حالت میں بھی معقول نہیں ہو سکتی کہ یا تو ان امور پر عمل درآمد کسی ایک ہی صحابی سے دکھا دیا جائے، ورنہ اُنہیں ممنوع سمجھا جائے۔ اب ماضی و حال کے آئینے میں اپنی جماعت کا کردار سامنے رکھ کر خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ اُمت مسلمہ کے اندر مذہبی انتشار پھیلانے کا الزام کس کے سر ہے۔ وقت نہیں گیا ہے اب بھی اس الزام سے عہدہ برآ ہونے کی کوئی راہ تلاش کر لیجیئے۔

بات اتنے ہی پر ختم نہیں ہوئی ہے آگے چل کر تو اُنہوں نے وہ بنیاد ہی کھود ڈالی ہے جس پر دیوبندی جماعت کا ایوان کھڑا ہے۔ جس بے دردی کے ساتھ اُنھوں نے اپنی جماعت کے اندازِ فکر کا قتل عام کیا ہے۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیے۔

"منکرین کلمہ کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"بہت سے مباحاتِ اصلیہ جو صحابہ کرام کے زمانے میں زیر عمل نہیں آئے۔ مگر اباحت اصلیہ کے تحت جائز ہیں یا بہت سے اجتہادی مسائل جو زمانہ صحابہ میں زیر عمل تو کیا زیر علم بھی نہیں آئے، مگر بعد میں کسی اصول شرعی سے مستنبط ہوئے تو وہ اس لیے نا جائز قرار نہیں پا سکتے کہ

ان کے بارے میں صحابہ کا عمل منقول نہیں ہے۔ پس ایسے مسائل پر جب بھی اُمت عمل پیرا ہو جائے۔ اُسے اُس کا حق ہے اور وہ عمل شرعی ہو کر ہی ادا ہوگا۔" (کلمہ طیبہ ص ۱۱۲)

حالات کی ستم ظریفی بھی کتنی عجیب و غریب ہوتی ہے کل تک میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کے جواز پر یہی دلائل ہم پیش کرتے تھے تو ہماری گفتگو سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی لیکن آج اپنا معاملہ آن پڑا ہے تو اپنے مذہبی علم و استدلال کی پوری بساط ہی اُلٹ دی گئی۔

چلیے ہماری بات نہ سہی اپنی ہی بات مان کر اب تو راہِ راست پر آجائیے، اور میلاد و قیام اور عرس و فاتحہ کی مذمت سے توبہ کر لیجئے۔ اب تو صرف اس لیے ان امور کو ناجائز نہ کہیے کہ ان کے بارے میں صحابۂ کرام کا عمل منقول نہیں ہے۔

دِل کی مُراد

دین و دُنیا کی برکتوں کا گنج مخفی

اَلْمُسَبَّعَاتُ الْعَشَرَۃ

یہ وہ دعا ہے جس کی تعلیم حضرت خضر علیہ السلام نے بڑے بڑے اولیائے کرام کو دی ہے اور وصیت کی ہے کہ صبح و شام اِسے پابندی کے ساتھ پڑھیں۔ اس میں دین و دنیا کی برکتوں کا خزانہ چھپا ہوا ہے۔ مشائخ طریقت نے فرمایا ہے کہ جو اسے پابندی کے ساتھ پڑھے اُسے کوئی دعا پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ تنہا دُنیا و آخرت کی ہر بھلائی کے لیے کافی ہے۔ مسلمان بھائیوں کی خیرخواہی کی نیت سے سینوں میں چھپے ہوئے اس خزانہ کو سپرد قلم کر رہا ہوں جو لوگ آخرت کی کامرانی اور دنیا کی خوشحالی چاہتے ہوں وہ پابندی کے ساتھ اسے پڑھ کر خود تجربہ کر لیں۔

بعد نماز صبح سورج نکلنے سے پہلے اور بعد نماز عصر سورج ڈوبنے سے پہلے بسم اللہ شریف کے ساتھ سات سات بار یہ سورتیں اور دعائیں پڑھیں۔
۱۔ الحمد شریف۔ ۲۔ آیۃ الکرسی عظیم تک۔ ۳۔ قل یا ایہا الکفرون۔ ۴۔ قل ہو اللہ احد۔ ۵۔ قل اعوذ برب الفلق۔ ۶۔ قل اعوذ برب الناس۔ ۷۔ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ اِلّا باللہ العلی العظیم
ایک بار یہ دعا بغیر بسم اللہ کے پڑھے۔ عدد ما علم اللہ وزنۃ ما علم اللہ وملأ ما علم اللہ۔

سات بار یہ درود شریف بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ عَبْدِكَ وَحَبِيْبِكَ وَرَسُوْلِكَ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

سات بار یہ دعا بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔

اللهم اغفر لی ولوالدی ولمن توالد وارحمهما كما ربيانی صغيرا واغفر لجميع المؤمنين والمؤمنات والمسلمين والمسلمات الاحياء منهم والاموات انك مجيب الدعوات يا ارحم الراحمين يا ارحم الراحمين يا ارحم الراحمين ۝

سات بار یہ دعا بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔

اللهم يارب افعل بی وبهم عاجلا واجلا فی الدنيا والأخرة افعل بنا ما انت له اهل ولا تفعل بنا يا مولنا ما نحن له اهل فانك غفور حليم جواد كريم برء وف رحيم۔

سات بار یہ دعا بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔

سبحان الله الحنان والمنان شديد الاركان سبحان المسبح فی كل مكان سبحان من لا يشغله شان من شان۔

صرف صبح کے وقت اتنا اور پڑھے۔

سبحان من يذهب بالليل ويأتی بالنهار۔

ایک ایسی دعا کہ سات دن میں دل کی ہر جائز مراد پوری ہو

شیخ حرم حضرت علامہ زینی دحلان مکی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب

الدرۃ السنیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ جو شخص صبح کی نماز کے وقت سنت اور فرض کے درمیان تین بار روزانہ یہ دعا پڑھے اُسے فوراً کامیابی نصیب ہو۔ اور اس کے دل میں لطافت وطہارت اور روحانیت کا نور پیدا ہو جائے۔ بڑے بڑے مشائخ طریقت نے اس کا تجربہ کیا اور اُنہوں نے ان لوگوں کو یہ دُعا سکھائی جو کسی زبردست مُصیبت میں گرفتار تھے۔ یا جو قرب الٰہی کی طلب میں بیقرار تھے ان کا دلی حال جلد ہی بدل گیا۔ وُہ دُعا یہ ہے۔

اِلٰهِیْ بِحُرْمَةِ الْحَسَنِ وَاَخِیْهِ وَجَدِّهٖ وَبَنِیْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِیْهِ نَجِّنِیْ مِنَ الْغَمِّ الَّذِیْ اَنَا فِیْهِ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَسْئَلُكَ اَنْ تُحْیِیَ قَلْبِیْ بِنُوْرِ مَعْرِفَتِكَ یَا اَللّٰهُ یَا اَللّٰهُ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ۝

حصولِ مراد کا ایک اور مجرب عمل

ہر نماز کے بعد گیارہ مرتبہ فارسی کی یہ رباعی پڑھے اور قدرت خداوندی کا تماشہ دیکھے۔

نیت روضہ علی کردم یا علی دست من بدامن تو
قلم مشق را جلی کردم یا مرادم رساں پریشانم

خوشحالی اور فراخی رزق کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی عمل نہیں

ہر روز صبح کی سنت اور فرض کے درمیان دس بار بسم اللہ کے ساتھ قل ھو اللہ شریف اس طرح پڑھے کہ ہر بار میں اَللّٰهُ الصَّمَدُ سو بار کہے۔ اس طرح دس بار قُلْ ھُوَ اللہ شریف پڑھنے میں اَللّٰهُ الصَّمَدُ ایک ہزار بار ہو جائے گا تاثیر عمل کے لیے اسے ہمیشہ پڑھنا ضروری ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ○ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَحِزْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ ○

محمدؐ نام رکھنے کی فضیلت

پہلی حدیث: حضرت ابن عساکر حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کے لڑکا پیدا ہو اور وہ ازراہِ محبت میرے نام سے برکت حاصل کرنے کی نیت سے اس کا نام محمد رکھے تو وہ اور اس کا لڑکا دونوں بہشت میں داخل کیے جائیں گے۔
(احکام شریعت)

دوسری حدیث: حضرت ابو طاہر سلفی اور حافظ ابن بکیر دونوں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دو شخص خدا کے حضور میں کھڑے کیے جائیں گے۔ فرشتوں کو حکم ہوگا انہیں جنّت میں لے جاؤ۔ دونوں حیرت سے عرض کریں گے الٰہی! ہم کس عمل پر جنت کے مستحق ٹھہرائے گئے۔ ہم نے تو دنیا میں جنّت میں جانے کے قابل کوئی کام نہیں کیا تھا۔ رب تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ میری عزت و جلال کی قسم ہے کہ میرے جس مومن بندے کا نام محمد ہوگا میں اُسے دوزخ میں نہیں ڈالوں گا۔ (احکام شریعت)

تیسری حدیث: خطیب نے تاریخ بغداد میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا کہ جب لڑکے کا نام محمد رکھو تو اس کی عزت کرو۔ وہ کسی مجلس میں آئے تو اُسے جگہ دو اور اُسے بُرے لفظوں سے یاد نہ کرو۔ (احکام شریعت)

چوتھی حدیث: حضرت ابوشعیب حرانی نے امام عطار اُستاذ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بیٹے کی خواہش رکھتا ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنی حاملہ بیوی کے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہے کہ اگر اس کے پیٹ میں لڑکا ہے تو اس کا نام محمّد رکھتا ہوں۔ خدا نے چاہا تو اس عمل کی برکت سے لڑکا ہی پیدا ہوگا۔

(احکام شریعت)

پانچویں حدیث: دیلمی نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی کا نام محمد رکھو تو نہ اس کی توہین کرو اور نہ اسے محروم کرو۔ کیونکہ برکت دی گئی ہے محمد کے نام میں اور اُس گھر میں جس میں کوئی محمد ہو اور اس مجلس میں جس میں محمد نام کا کوئی شخص ہو۔

نام پاک سُن کر انگوٹھا چومنے کا بیان

تفسیر روح البیان شریف میں قہستانی کی شرح کبیر، اور محیط، اور قوت القلوب سے نقل کیا گیا ہے کہ جب مؤذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ کہے تو سننے والے کو مستحب ہے کہ وہ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہے اور دوسری بار میں انگوٹھوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر رکھے اور قُرَّةُ عَیْنِیْ بِكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کہہ کر یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ۔

اور محیط میں لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک مؤذن سے سنے تو اُسے چاہیئے

کہ انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں سے لگائے۔ اور مضمرات میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں حضور پُرنور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کا اشتیاق خداوندکریم کے سامنے پیش کیا تو حق تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا نوران کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں جلوہ گر فرمادیا۔ وہ اکثر وارفتگی شوق میں اپنے انگوٹھوں کو چومتے اور آنکھوں سے لگاتے۔ ان کی یہ سُنّت ان کی اولاد میں بھی جاری ہوئی اور آج تک جاری ہے مضمرات میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا یہ قصہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور کو سُنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابھامیہ ومسح علی عینیہ لم یعما ابدا۔

اذان میں میرا نام سُن کر جو اپنے دونوں انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے وہ کبھی اندھا نہیں ہوگا۔

نام پاک کی تعظیم کا ایک ایمان افروز واقعہ

حضرت ابونعیم نے اپنی کتاب حلیہ میں حضرت وہب ابن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اُمّت میں ایک نہایت ظالم اور بدکار شخص تھا جس نے لگاتار سو برس تک خدا کی نافرمانی کی۔ اس کی بداعمالی کی وجہ سے لوگ اس سے اس درجہ نفرت کرتے تھے کہ جب وہ مرگیا تو لوگوں نے اس کی لاش کو اُٹھا کر کوڑہ خانہ میں ڈال دیا۔ فوراً ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر خدا کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ کوڑہ خانہ سے اُٹھا کر اس کی لاش کو غسل دو، کفن پہناؤ اور نماز جنازہ پڑھ کر اُسے نہایت اعزاز و تکریم کے ساتھ دفن کرو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ میری اُمت کے سارے لوگ گواہی دیتے ہیں کہ لگاتار سو برس تک وہ تیری نافرمانی کرتا رہا۔ ایسا آدمی اس اعزاز کا کیونکر مستحق ہو گیا۔

ارشاد ہوا یہ سچ ہے۔ لیکن اس کی عادت تھی کہ جب بھی وہ توراۃ کو کھولتا اور میرے حبیب کا نام دیکھتا تو نامِ پاک کو بوسہ دے کر اپنی آنکھوں سے لگا لیا کرتا تھا۔ مجھے اس کی یہ ادا اتنی پسند آئی کہ میں نے اس کے سو برس کے سارے گناہ بخش دیئے اور ستّر حوروں سے اس کا نکاح کر دیا۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام رحمت خداوندی کے جلوؤں میں سرشار ہو گئے۔ اُنہیں سب سے زیادہ خوشی ہوئی کہ اُن کی اُمت کا یہ گنہگار شخص فیضان محمدی کے چشمے سے سیراب ہوا۔ فوراً کوڑہ خانہ سے اس کی لاش کو اُٹھایا اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ اُسے دفن کیا۔ اُن کی اُمت کے عابد و زاہد لوگ بھی اس کے نصیبے کی ارجمندی پر رشک کرنے لگے کہ جس عمل کو عام طور پر لوگ خاطر میں نہیں لاتے وہی اسکی مغفرت کا پروانہ بن گیا۔

نمازِ تہجّد کے فضائل و برکات

رات کو عشاء کی نماز پڑھ کر سو جانا اور پھر بیدار ہو کر نفل پڑھنا نماز تہجّد کہلاتا ہے۔

احادیث میں نماز تہجّد کے بے شمار فضائل و برکات بیان کیے گئے ہیں۔ ترغیب شوق کے لیے ذیل میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیں:

پہلی حدیث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، کہ جنّت میں ایک بالاخانہ

ہے کہ باہر سے اندر کا حصّہ دکھائی دیتا ہے اور اندر سے باہر کا حصّہ نظر آتا ہے حضرت ابو مالک اشعری نے عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ کس کے لیے ہے۔ فرمایا اس کے لیے ہے جو اچھی بات کرے اور بھوکوں کو کھانا کھلائے اور جب رات کے وقت ساری دنیا سو رہی ہو تو وہ تہجد کی نماز پڑھے۔

دوسری حدیث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن لوگ ایک میدان میں جمع کیے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو رات کے وقت اپنی خوابگاہوں سے جدا رہتے تھے۔ ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم ہوگی۔ وہ کھڑے ہو جائیں گے۔ ان کے لیے حکم ہوگا کہ وہ بغیر حساب و کتاب کے جنّت میں داخل ہو جائیں۔ باقی لوگوں کا حساب و کتاب ہوگا۔

تیسری حدیث

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے ابو ہریرہ! اگر تم چاہتے ہو کہ دنیا اور آخرت میں، زندگی اور موت میں قبر اور حشر میں خداوند ذوالجلال تمہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے مالا مال کرے تو تم رات کو اپنے رب کی خوشنودی کے لیے تہجّد کی نماز پڑھو۔ اے ابو ہریرہ اپنے گھر کے کسی گوشے میں کھڑے ہو جاؤ اور نماز تہجد ادا کرو۔ آسمان والوں کی نظر میں تمہارا گھر ایسا نورانی ہو جائے گا جیسے دنیا والوں کی نظر میں چاند اور تارے۔

نمازِ تہجّد پڑھنے کا طریقہ

فقہائے احناف اور مشائخ طریقت کے یہاں نماز تہجد کے لیے کم سے کم

دُو رکعت پڑھنا ضروری ہے نہ زیادہ کی کوئی مقدار مقرر نہیں ہے۔ لیکن اولیائے کرام اور مشائخ طریقت کے یہاں نماز تہجّد کے یہ تین طریقے زیادہ مقبول و مشہور ہیں۔

پہلا طریقہ:

بارہ رکعت نماز اس طرح پڑھیں کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد بارہ مرتبہ قل ھو اللہ شریف، دوسری رکعت میں گیارہ مرتبہ، تیسری رکعت میں دس مرتبہ چوتھی میں نو مرتبہ اسی طرح ہر رکعت میں ایک ایک کم کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ بارھویں رکعت میں ایک بار قل ھو اللہ شریف پڑھیں۔

دوسرا طریقہ:

تہجّد کی نیّت سے جتنی رکعتیں پڑھے ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد تین یا پانچ یا سات، یا گیارہ بار قل ھو اللہ شریف پڑھے۔

تیسرا طریقہ:

دو رکعت نماز اس طرح پڑھے کہ پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل ھو اللہ اکیس بار، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس دس دس بار پڑھے۔ سلام کے بعد اپنے لیے اور جملہ مومنین و مومنات کے لیے دعا مانگے۔ مستجاب ہوگی۔

رات میں پڑھنے کی چند دعائیں

حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو رات میں اُٹھ کر یہ دعا کرے اور اس کے بعد کوئی دُعا مانگے تو اس کی دعا بھی قبول ہوگی اور نماز پڑھے تو نماز بھی قبول ہوگی۔ وہ دُعا یہ ہے :۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ۔ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَّسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ ط وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ۔ (بخاری شریف)

حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ارشاد فرماتی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جب شب میں بیدار ہوتے یہ دُعا پڑھتے۔

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ أَسْتَغْفِرُكَ لِذَنْبِيْ وَأَسْأَلُكَ رَحْمَتَكَ اللّٰهُمَّ زِدْنِيْ عِلْمًا وَّلَا تُزِغْ قَلْبِيْ بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنِيْ وَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (ابوداؤد)

۳۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے یہ دُعا بھی منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُ أَكْبَرُ دس بار سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ دس بار أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ دس بار سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ دس بار لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ دس بار۔ پھر دس بار یہ دعا پڑھتے۔ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنْ ضِيْقِ الدُّنْيَا وَضِيْقِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ۔

۴۔ غروب آفتاب سے لے کر طلوع فجر تک جس وقت ہو سکے یہ سورتیں پڑھیے۔

الف: سورہ ملک: کہ عذاب قبر سے نجات کی ضمانت ہے۔

ب: سورہ یٰسین۔ کہ مغفرت کا پروانہ ہے۔

ج: سورہ واقعہ۔ کہ فقر و فاقہ سے امان کا ذریعہ ہے۔

د: سورہ دُخان۔ کہ صبح اس حالت میں اُٹھے کہ ستّر ہزار فرشتے اس کے لیے

مغفرت کی دُعا کرتے ہوں۔

(الوظیفہ الکریم مصنفہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سُنّت فاضل بریلوی)

حصول مراد کے لیے چند مجرب اور تیر بہدف نمازیں

اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنّت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نماز کے متعلق اپنی کتاب احسن الوعاء میں لکھا ہے کہ سند اور تاثیر کے لحاظ سے یہ نماز ساری نماز حاجات پر فوقیت رکھتی ہے۔

پہلی نماز

امام ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی حضرت عثمان ابن حنیف سے روایت کرتے ہیں کہ ایک نابینا شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ یارسول اللہ دعا فرمائیں کہ میری آنکھیں بینا ہو جائیں۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لیے بہتر ہے کہ اسی حالت میں رہو اور آخرت میں اجرِ عظیم کے حقدار بنو۔ اُنہوں نے دُعا کے لیے پھر اصرار کیا تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ جاؤ خوب اچھی طرح وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھو۔ سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا پڑھو۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْكَ بِنَبِیِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَةِ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ تَوَجَّهْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ هٰذِهٖ لِتُقْضٰی لِیْ اَللّٰهُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ۔

اس حدیث کے راوی حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اُس نابینا شخص نے نماز پڑھ کر یہ دعا مانگی۔ خدا کی قسم ابھی ہم لوگ اپنی جگہ سے اُٹھنے بھی نہیں پائے تھے کہ اس کی

آنکھیں روشن ہوگئیں۔

اس نماز کی برکت کا ایک اور ایمان افروز واقعہ

یوں تو اس نماز کی برکت سے نابینا صاحب کا یہ واقعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا۔ لیکن حضور کے پردہ فرمانے کے بعد بھی صحابۂ کرام میں یہ نماز رائج و مقبول تھی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالے عنہ کے دور خلافت میں بھی اس نماز کی برکت کا ایک عجیب و غریب واقعہ امام طبرانی نے اپنی کتاب مُعجم کبیر میں نقل فرمایا ہے۔

لکھتے ہیں کہ ایک ضرورت مند شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں اپنی کسی ضرورت سے اکثر جایا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کی طرف کوئی التفات نہیں فرماتے تھے۔ جب کئی بار ایسا ہوا تو ایک دن حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ عنہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اُنہوں نے گفتگو کے دوران ان سے اپنی اس پریشانی کا ذکر کیا۔ حضرت عثمان ابن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُس نابینا کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اُنہیں اُس نماز اور دعا کی تلقین کی اور فرمایا کہ آپ آج کسی وقت یہ نماز اور دُعا پڑھ کر میرے پاس تشریف لائیں۔ میں آپ کے ساتھ بطور سفارشی کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں چلوں گا۔

وہ صاحب اپنے گھر واپس آئے۔ اور اچھی طرح وضو کیا اور خلوص قلب کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھ کر یہ دعا پڑھی۔ شام کو جب وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دربار میں حاضر ہوئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کل تک جو دربان اُنہیں پہچانتا نہ تھا۔ آج وہ دوڑتا ہوا آیا اور ان کا ہاتھ پکڑ کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے دربار میں لے گیا۔ آج خلاف معمول حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی طرف خصوصی التفات فرمائی اور اُسے مسند پر اپنے پہلو میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ بیٹھایا اور اس کا حال دریافت کیا۔ اُنہوں نے اپنی ضرورت بیان کی اور اپنی پریشانی کا سارا قصہ سُنایا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً ان کی ضرورت پوری کی اور ارشاد فرمایا کہ آئندہ جب بھی ضرورت پیش آئے میرے پاس آتے رہنا۔

وہ صاحب فرطِ مسرت میں حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے ان کے گھر آئے اور ان سے کہا کہ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے میری سفارش کی اور میری ضرورت پوری کرائی۔ خدائے قدیر آپ کو اس کی بہترین جزا عطا کرے۔

حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے امیر المومنین سے آپ کی کوئی سفارش نہیں کی ہے۔ یہ ساری برکت اُس نماز اور دعا کی ہے جس کی تعلیم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس نابینا کو دی ہے اور جسے پڑھ کر آج آپ امیر المومنین کے دربار میں حاضر ہوئے تھے۔ (الامن والعلیٰ)

ندا اور وسیلے کی سب سے مضبوط دلیل

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نابینا صحابی کو دو رکعت نماز کے بعد جس دُعا کی تلقین فرمائی تھی اس میں دو باتیں خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں۔ پہلی بات تو وسیلہ ہے اور دوسری بات ندائے یارسول اللہ! دعا کا اُردو ترجمہ پڑھنے کے بعد یہ دونوں باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔

(اُردو ترجمہ یہ ہے)

"یا اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں۔

تیرے نبی کے وسیلے سے جو نبی رحمت ہیں۔ یَارَسُولَ اللّٰہ! میں
آپ کے وسیلے سے اپنے رب کے دربار میں اپنی یہ حاجت پیش کرتا
ہوں۔ تاکہ وہ پوری ہو۔ یا اللّٰہ اپنے نبی کو میرا شفیع بنا اور میرے حق میں ان
کی سفارش قبول فرما۔"

مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں وسیلہ اور ندائے یارسول اللّٰہ کا جواز دوپہر
کے سورج کی طرح واضح ہو گیا۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ حضور نبی پاک صلی اللّٰہ علیہ
وسلم کے صحابۂ کرام بھی اسی عقیدے پر تھے۔ حدیث کے مطابق حضور کو اپنا وسیلہ
بنانے اور یَارَسُولَ اللّٰہ کہہ کر حضور کو پکارنے کے سلسلہ میں صحابۂ کرام کا یہ عمل
حضور کی حیات ظاہری میں بھی تھا اور حضور کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری ہے
اور خدا نے چاہا تو قیامت تک جاری رہے گا۔

دوسری نماز

تازہ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل کی نیت سے پڑھے۔ قعدے میں التحیات
اور درود شریف وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد اَللّٰہُ اَکْبَرُ، سُبْحَانَ اللّٰہِ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ دس دس بار پڑھے پھر یہ دعا مانگے۔

اَسْئَلُكَ اَنْ تَقْضِیَ حَاجَاتِیْ كُلَّهَا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ مَا
كَانَ مِنْهَا لِیْ خَیْرًا لَّكَ وَرِضًی یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

یہ دعا پڑھنے کے بعد سلام پھیر دے۔

(نوٹ) اَنْ تَقْضِیَ حَاجَاتِیْ كُلَّهَا جب کہے تو اپنی حاجت
کا دل میں خیال کرے!

اس نماز کے متعلق ترمذی، نسائی، ابن ماجہ اور دوسرے محدثین نے حضرت انس

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ ان کی والدہ ماجدہ حضرت اُم سلیم رضی اللہ عنہا ایک دن صبح کے وقت حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ حضور مجھے چند ایسے کلمات تعلیم فرمائیں کہ میں اُنہیں اپنی نماز کے اندر پڑھا کروں (جن سے میرے دین و دنیا کے سارے کام سنور جائیں) حضور نے اُنہیں اُن کلمات کی تعلیم فرمائی جو اُوپر مذکور ہوئے۔ اور اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ پھر جو چاہے مانگ اللہ عزوجل فرمائے گا۔ نَعَمْ نَعَمْ اچھا اچھا! (مطلب یہ کہ تیرا سوال پورا ہوگا۔

تیسری نماز

یہ اتنی عظیم الشان اور واجب الاثر نماز ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس نماز کے ناقل ہیں۔ اُنہوں نے علماء کو تاکید کی ہے کہ احمقوں اور بیوقوفوں کو اس نماز کی تعلیم مت دینا کہ وہ غلط مقصد کے لیے بھی اس کا استعمال کر سکتے ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خدا سے کچھ حاجت رکھتا ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ کامل وضو کر کے کسی تنہا مکان میں اس طرح چار رکعت نماز پڑھے پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد دس بار قل ہو اللہ شریف دوسری رکعت میں بیس بار تیسری رکعت میں تیس بار اور چوتھی رکعت میں چالیس بار قل ہو اللہ شریف پڑھے۔ ہر بار قل ہو اللہ شریف بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد پچاس مرتبہ قل ہو اللہ شریف۔ بسم اللہ اور ستر بار لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ اور ستر بار درود شریف پڑھے۔

حضور فرماتے ہیں کہ اگر اس پر قرض ہو تو ادا ہو جائے۔ وطن سے دور ہو تو خدا اُسے گھر پہنچائے۔ آسمان کے برابر بھی گناہ ہوں اور وہ استغفار کرے تو خدا اس

کے گناہ بخش دے۔ بے اولاد ہو تو اولاد والا ہو جائے۔ اور جو دعا مانگے وہ قبول ہو۔ حضور نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ یہ نماز پڑھنے کے بعد جو خدا سے کچھ نہ مانگے تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے۔ (مصنف عبدالرزاق)

چوتھی نماز

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ جسے کوئی مہم اور مشکل پیش آئے اور اپنے مقصد کے حصول میں اُسے کوئی چارۂ کار نظر نہ آئے تو اُسے چاہیئے کہ وہ خوب اہتمام کے ساتھ وضو کر کے دو رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد گیارہ مرتبہ یہ آیت کریمہ پڑھے۔

فَدَعَا رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْھَمِرٍ ۞

سلام کے بعد اسی طرح رو بقبلہ بیٹھے ہوئے ستر بار یہ دعا پڑھے:

نَادِ عَلِیًّا مَظْھَرَ الْعَجَآئِبِ تَجِدْہُ عَوْنًا لَّکَ فِی النَّوَآئِبِ کُلُّ ھَمٍّ وَّغَمٍّ سَیَنْجَلِیْ بِحُرْمَتِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَ بِوَلَایَتِکَ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ یَا عَلِیُّ۔

فرماتے ہیں کہ اس نماز کی برکت سے اس کی ساری حاجتیں پوری ہوں گی۔

پانچویں نماز

اس نماز کے متعلق حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر اس نیت سے کوئی یہ نماز پڑھے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائے تو اس کا یہ مدعا بھی پورا ہو جائے گا۔

اس کی ترکیب یہ ہے کہ بعد نماز مغرب چار رکعت اس طرح پڑھے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد چاروں قل ایک ایک بار پڑھے۔ سلام پھیرنے

کے بعد سجدے میں جائے اور یہ دُعا ستر بار پڑھے۔ یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اس کے بعد سجدے کی حالت میں اپنی حاجت طلب کرے۔

چھٹی نماز

اُستاذ العلماء جلالۃ العلم حضرت حافظ ملت محدّث مبارک پوری علیہ الرحمۃ والرضوان نے مجھے اس نماز کی تعلیم دی۔ اُنہیں اپنے مشائخ کرام سے یہ نماز ودیعت ہوئی اُنہوں نے فرمایا کہ جب کسی کو کوئی مہم یا مشکل پیش آئے اور کامیابی کے لیے ساری تدبیریں ختم ہو جائیں اور بظاہر کوئی سہارا باقی نہ رہے تو تین دن تک روزہ رکھ کر یہ نماز پڑھی جائے۔ بہتر ہے کہ ہر دن بعد نماز ظہر یہ عمل کیا جائے۔

دو رکعت نفل پڑھ کر اوّل و آخر گیارہ بار درود شریف کے ساتھ یہ دعا ایک ہزار بار پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ یَا لَطِیْفُ اَدْرِکْنِیْ بِلُطْفِكَ الْخَفِیِّ اَنَا مُحْتَاجٌ ذَلِیْلٌ وَاَنْتَ قَوِیٌّ غَنِیٌّ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ۝

حافظ ملت ارشاد فرماتے تھے کہ مشائخ کرام کا تجربہ ہے کہ جب بھی کسی مقصد کے لیے یہ نماز پڑھی گئی کامیابی نے قدم چوما۔ نیت کا اخلاص، جسم و لباس کی طہارت، اور خدا کی غیبی چارہ گری پر محکم یقین شرطِ اولین ہے۔

صَلٰوۃُ التَّسْبِیْح

یہ وہ عظیم القدر مخزن برکات اور رفیع المرتبت نماز ہے کہ اس کی تعلیم دینے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا۔

اے چچا! کیا میں آپ کو عطا نہ کروں؟ کیا میں آپ پر بخشش نہ کروں؟ کیا میں

آپ کے ساتھ احسان نہ کروں؟ کیا میں آپ کو ایک عظیم دولت نہ دوں؟ دس کلمات ایسے ہیں کہ اگر آپ اُنہیں نماز میں پڑھ لیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ بخش دے گا۔ اگلے پچھلے، پُرانے نئے، جو بھول کر کیے اور جو قصداً کیئے، چھوٹے اور بڑے پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح کے گناہ!

اس کے بعد حضور نے اُنہیں اس نماز کی تعلیم فرمائی جسے صَلوٰۃ التّسبیح کہا جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اگر آپ سے ہو سکے تو ہر روز ایک بار پڑھیئے اور اگر روزانہ نہ ہو سکے۔ تو ہفتہ میں ایک بار ضرور پڑھیئے۔

اس تاکید در تاکید سے اہل فہم سمجھ سکتے ہیں کہ اس مبارک و مقدس نماز کی کتنی اہمیت ہے اور اس میں دین و دُنیا کی کیسی کیسی برکتیں، نعمتیں اور عظمتیں پوشیدہ ہیں۔

اس نماز کی مرکزی دعا وہ تسبیح ہے جو چار رکعت والی نماز کی ہر رکعت میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔ امام ترمذی کی روایت کے مطابق وہ تسبیح یہ ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ۔

اب یہ تسبیح ایک رکعت میں کہاں کہاں اور کتنی بار پڑھی جاتی ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔

ہر رکعت میں اَلْحَمْدُ شروع کرنے سے پہلے پندرہ بار، رکوع میں جانے سے پہلے دس بار، رکوع کی حالت میں دس بار، رکوع سے سر اُٹھا کر دس بار، پہلے سجدے میں دس بار، سجدے سے سر اُٹھا کر دس بار۔ دوسرے سجدے میں دس بار اس اس طرح ہر رکعت میں پچھتّر بار یہ تسبیح پڑھنی چاہیئے۔ چاروں رکعتوں میں تسبیح کی کل تعداد ۳۰۰ ہوگی۔

فائدہ

ا۔ رکوع اور سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ اور سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی

کی جو تسبیح پڑھی جاتی ہے۔ وہ بدستور پڑھی جائے گی۔ اس کے بعد ہی دس بار والی تسبیح پڑھی جائے گی۔

۲۔ کسی جگہ اگر بھول کر تسبیحات دس بار سے کم پڑھی گئیں تو اس کے بعد جب تسبیح پڑھنے کا نمبر آئے اس میں پڑھ لے تاکہ ہر رکعت میں ۷۵ بار کی مقدار پوری ہو جائے۔

۳۔ تسبیحات کو انگلیوں پر نہ گنے بلکہ دل میں شمار کرے یا انگلیوں کے پور دبا کر تعداد محفوظ کرے۔

۴۔ پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ دوسری رکعت میں والعصر تیسری میں قل یاایہا الکافرون اور چوتھی میں قُلْ ھُوَ اللہ پڑھنا مسنون ہے جیسا کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے۔

نماز برائے شفائے امراض

جب کوئی بیمار ہو اور ہر طرح کے علاج سے مایوس ہو جائے تو وہ خود یہ نماز پڑھے یا اُس کی طرف سے کوئی دوسرا یہ نماز پڑھ لے۔

نماز کی ترکیب یہ ہے

کامل وضو کر کے دو رکعت نماز کی نیت باندھے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد قُلْ ھُوَ اللہ تین بار پڑھے۔ سلام کے بعد اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور کسی سے بات نہ کرے اور ایک ہزار بار یہ تسبیح پڑھے۔

یَا بَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ اِرْحَمْنِیْ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

انشاء اللہ مرض سے شفا ملے اور از سر نو زندگی پائے۔ مریض خود نہ پڑھ سکے

تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے پڑھے۔ لیکن اِرْحَمْنِیْ کی جگہ اِرْحَمْہُ کہے اور دل میں مریض کا تصور کرے کہ خداوند قدوس سے اُس کے لیے دعا کر رہا ہوں اور جب مریض خود پڑھے تو اِرْحَمْنِیْ کہتے ہوئے یہ تصور کرے کہ خداوند قدوس سے رحم کی درخواست میں اپنے لیے کر رہا ہوں۔ (جواہر خمسہ)

دُعا قبول ہونے کے آداب

بندے کی دعا قبول کرنا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ کیونکہ رحمٰن و رحیم ہونا بھی اسی کی شان ہے اور بے نیازی بھی اسی کو زیب دیتی ہے۔ پھر بھی اگر دعا میں مندرجہ ذیل آداب کی پابندی کی جائے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے قوی اُمید ہے کہ دعا کو قبولیت کا شرف حاصل ہو۔

۱۔ اپنے دل کو خیال غیر سے پاک کر کے پوری یکسوئی کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ رکھے کہ خدائے عزوجل کا خاص محل نظر دل ہے۔

۲۔ بدن، لباس اور جگہ پاک ہو۔

۳۔ دعا سے پہلے پوشیدہ طور پر کچھ صدقہ و خیرات کرے۔

۴۔ دعا کے وقت باوضو قبلہ رو دو زانو بیٹھے۔

۵۔ دعا کے اول و آخر حمد الٰہی اور درود شریف کو لازم قرار دے۔

۶۔ دعا میں حضور سید المرسلین، آل اصحاب اور اولیاء و علماء کا وسیلہ پیش کرے۔

۷۔ نہایت عاجزی کے ساتھ اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھائے اپنے چہرے اور سینے کے برابر لائے، ہتھیلیاں پھیلی ہوں، ہاتھ کھلے ہوں اور دونوں ہاتھ کے درمیان کچھ فاصلہ ہو۔

۸۔ دعا میں اپنے ساتھ سارے اہل اسلام کو شریک کرے تاکہ دعا مانگنے والا

اگر عطا کے قابل نہیں ہے تو دوسروں کا طفیلی بن کر اپنی مراد کو پہنچے۔

۹۔ دعا کے آخر میں یَا مُجِیْبَ الدَّعَوَاتِ سات بار اور یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ تین بار کہے اور دعا آمین پر ختم کرے۔

۱۰۔ حدیثوں میں جو دعائیں منقول ہیں بہتر ہے کہ اُنہی کلمات کے ساتھ دعا کرے۔

۱۱۔ دعا کے قبول میں جلدی نہ کرے۔ مایوس نہ ہو۔ بار بار دعا مانگے۔

مرنے والے کو کلمے کی تلقین

نزع کا وقت صاحبِ ایمان کے لیے کتنے خطرے کا وقت ہوتا ہے۔ اُس کا اندازہ اس دنیا میں رہنے والے نہیں لگا سکتے۔ حضرت امام ابن الحاج مکی قدس سرہٗ اپنی مشہور کتاب مدخل میں فرماتے ہیں۔ کہ نزع کے وقت دو شیطان مرنے والے کے داہنے اور بائیں آکر بیٹھ جاتے ہیں۔ ایک اس کے باپ کی شکل میں ہوتا ہے اور دوسرا اس کی ماں کی صورت میں۔ ان دونوں میں سے ایک کہتا ہے کہ فلاں شخص یہودی ہو کر مرا تھا۔ تو بھی یہودی ہو جا کہ یہودی وہاں بڑے چین سے ہیں اور دوسرا کہتا ہے کہ فلاں شخص عیسائی ہو کر مرا تھا تو بھی عیسائی ہو جا کہ عیسائیوں کے لیے وہاں ایک سے ایک راحت کا سامان موجود ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ خطرے کے اس سنگین مرحلے میں اگر خدا کی غیبی مدد نہیں ملی تو دولت و ایمان کے لٹ جانے کا سخت اندیشہ ہے۔ اسی پُر خطر موقع پر خاصانِ خدا کے ساتھ عقیدت و نسبت کا تعلق کام آتا ہے۔ وہ اپنی خداداد قوت روحانی کے ذریعہ اپنے عقیدت مندوں کی مدد کرتے ہیں اور اس کے ایمان کا سفینہ ڈوبنے سے بچا لیتے ہیں۔ جیسا کہ اپنی کتاب تذکرۃ الموتیٰ میں حضرت شاہ ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر بیان کیا ہے۔

شیطان کے مکر و فریب سے بچانے کے لیے کلمہ کی تلقین بھی ایک مؤثر ذریعہ ہے اسی لیے حکم ہے کہ جب کسی پر سکرات کی حالت طاری ہو تو اُسے کلمۂ شہادت کی تلقین کی جائے۔ یعنی اس کے سامنے بآواز بلند اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا جائے۔ مرنے والے سے ہرگز یہ نہ کہا جائے کہ تم پڑھو بلکہ اُسے پڑھ کر سُنایا جائے۔ کیونکہ خدانخواستہ اس نے پڑھنے سے انکار کر دیا تو اس کا خاتمہ کفر پر ہو جائے گا۔ خداوند کریم اپنے محبوب پاک کے صدقہ میں ہر سُنّی مسلمان کو سوءِ خاتمہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

طریقۂ تلقین قبر

دفن ہونے والی میّت کو عذابِ قبر سے اور منکر نکیر کے خطرات سے بچانے کے لیے تلقین قبر کا طریقہ بھی اسلام میں رائج ہے۔ جس کی تعلیم خود حضور اکرم سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

حدیث شریف کی روایت کے مطابق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تمہارا کوئی مسلمان بھائی انتقال کر جائے اور تم اُسے دفن کرنے کے بعد قبر کی مٹی برابر کر چکو تو تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر اُسے پکارے۔ مرد ہو تو اس طرح کہے یا فلاں ابنِ فلاں اور فلاں ابنِ فلاں کی جگہ اس کا نام لے اور اس کے بعد اس کی ماں کا نام لے۔ اسی طرح اگر عورت ہو تو اس طرح کہے یا فلانۃ بنت فلانۃ یعنی فلاں کی جگہ اس کا نام لے اور بنت کے بعد اس کی ماں کا نام لے۔

اس آواز پر قبر میں لیٹا ہوا مردہ سیدھا ہو کر بیٹھ جائے گا۔ پھر اسی طرح اُسے نام اور ولدیت کے ساتھ پکارے۔ حدیث کی روایت کے مطابق مردہ

جواب دے گا کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ خدا تم پر رحم فرمائے۔ اس کا یہ جواب پکارنے والا نہیں سُن سکے گا۔ اس کے بعد عربی زبان میں اُسے ان کلمات کی تلقین کرے۔

اُذْكُرْ (مرد کے لیے) اُذْكُرِيْ (عورت کے لیے) مَا خَرَجْتَ (مرد کے لیے) مَا خَرَجْتِ (عورت کے لیے) عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِنَّكَ رَضِيْتَ (عورت کے لیے) وَاِنَّكِ رَضِيْتِ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيًّا وَّبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا۔

یہ سُن کر حدیث شریف کے فرمان کے مطابق منکر نکیر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہیں گے کہ چلو اب اس کے پاس ہم کیا بیٹھیں۔ جسے لوگ اس کی حجت سکھا چکے۔ اس موقع پر کسی نے حضور سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ اگر میت کی ماں کا نام معلوم نہ ہو سکے تو کیا کرے۔ فرمایا، حوا کی طرف اس کی نسبت کرے۔

(فتاویٰ رضویہ)

خدائے قدیر ہر مسلمان کو عذابِ قبر سے محفوظ رکھے۔

ایک اور نسخۂ رحمت

امام ترمذی نے اپنی کتاب نوادر الاصول میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے کہ حضور اکرم رحمت مجسم صلّی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو یہ دعا لکھ کر میت کے سینے پر کفن کے نیچے رکھدے۔ اُسے نہ عذابِ قبر ہو اور نہ اُسے منکر نکیر نظر آئیں وہ دعا یہ ہے۔ اسے عہد نامہ بھی کہتے ہیں۔

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ
لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ
وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۔

نیز ترمذی شریف میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ حضور جانِ نور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو ہر نماز بعد سلام کے یہ مذکورہ بالا دعا پابندی سے پڑھے ۔ فرشتہ اُسے لکھ کر مہر لگا کر قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر دے گا ۔ جب اللہ تعالیٰ اس بندے کو قبر سے اُٹھائے گا ۔ فرشتہ وہ نوشتہ بھی ساتھ میں لائے گا اور ندا کی جائے گی کہ عہد والے کہاں ہیں ۔ اُنہیں وہ عہد نامہ دے دیا جائے ۔ امام ترمذی نے اسے روایت کر کے فرمایا کہ سیّدنا عبد اللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد رشید، امام اجل حضرت طاؤس تابعی کی وصیت سے یہ دُعا ان کے کفن میں لکھی گئی تھی ۔ اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ جو یہ دعا میّت کے کفن میں لکھے یا لکھ کر میّت کے ساتھ قبر میں رکھ دے تو اللہ اُسے سوالِ نکیرین اور عذابِ قبر سے محفوظ رکھے گا ۔ (الصلوٰۃ)

زیارتِ قبور اور اس کے آداب

مومنین کی قبروں کی زیارت مستحب ہے ۔ اولیائے کرام اور صلحائے اُمت جس طرح اپنی حیاتِ ظاہری میں فیوض و برکات کے سرچشمۂ رحمت ہیں ۔ اسی طرح بعد وصال بھی ان کے مزاراتِ طیبات سے بندوں کو وہی نفع پہنچتا ہے جو حیاتِ ظاہری میں ان کی ذات سے پہنچتا تھا ۔

مشائخ طریقت اور بزرگانِ دین کے بیشمار واقعات و مشاہدات اس دعوے کی سچائی پر گواہ ہیں ۔ حضور پُر نور کے عہدِ پاک سے لے کر آج تک لاکھوں اکابرین

اسلام کا عمل اس عقیدے کی صحت کی توثیق کرتا ہے۔ قرآن و حدیث میں بھی اس کی بنیادیں واضح طور پر موجود ہیں۔

خاصانِ خدا کے مزارات کی زیارت کے لیے دُور دُور سے سفر کرنا بھی جائز ہے اور باعث خیر و برکت ہے۔ زیارت کے لیے جمعہ جمعرات، ہفتہ اور پیر کا دن مناسب ہے۔ لیکن جمعہ کا دن سب سے افضل ہے۔ اہلِ قبور اپنے زائر کو پہچانتے بھی ہیں اور ان کی آواز بھی سُنتے ہیں۔ اور اُسے نفع بھی پہنچاتے ہیں۔ جیسا کہ اپنی کتاب القول الجمیل میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور جذب القلوب میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما تحریر فرماتے ہیں۔

زیارت کا طریقہ

زیارت قبر کا طریقہ یہ ہے کہ صاحب مزار کی پائنتی کی طرف سے چہرے کی طرف سامنے جاکر اتنے فاصلے پر کھڑا ہو یا بیٹھنا چاہے تو بیٹھے جتنے فاصلے پر صاحب مزار کی زندگی میں کھڑا ہو سکتا تھا یا بیٹھ سکتا تھا۔

سب سے پہلے صاحبِ قبر کو ان لفظوں میں سلام کرے۔

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اَھْلَ دَارِ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ اَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ وَّاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ ۝

سلام کے بعد صاحبِ مزار پر اس طرح فاتحہ پڑھے۔

اوّل درود شریف تین بار یا گیارہ بار پھر بسم اللہ کے ساتھ سورہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ، قُلْ یٰۤاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ۝ ایک ایک بار، پھر قُلْ ھُوَ اللّٰهُ گیارہ بار۔ پھر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ سورہ اَلْحَمْدُ ایک ایک بار۔ پھر الٓمّٓ سے اَلْمُفْلِحُوْنَ تک ایک بار۔ پھر

درود شریف تین بار یا گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب صاحبِ مزار کی روح کو اس طرح بخشے۔

یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا ہے اس کا ثواب تیرے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک کو نذر کرتا ہوں۔ اسے قبول فرما اور اس کا ثواب ان کی روحِ پاک کو پہنچا دے۔ ان کے طفیل میں جملہ انبیاء و مرسلین و جملہ صحابۂ کرام، جملہ اہلِ بیت اطہار، جملہ امہات المومنین جملہ تابعین جملہ تبع تابعین جملہ ائمۂ مجتہدین جملہ سلفِ صالحین اور جملہ مشائخ سلسلۂ عالیہ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے ارواحِ طیّبات کو پہنچا۔ ان کے طفیل میں اس صاحبِ قبر اور جملہ مومنین و مومنات کی ارواحِ طیّبات کو اس کا ثواب پہنچا۔ اور سب کی مغفرت فرما اور سب کے درجات بلند فرما اور ہم سب کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور ان کی محبّت و شفاعت کی دولت سے مالا مال فرما۔

اس کے بعد اس دُعا پر فاتحہ ختم کرے۔

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۝ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ اٰمِيْنَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ بِحَقِّ طٰهٰ وَيٰسٓ ۝

فائدہ

قبروں پر یا جنازے پر پھول ڈالنا بہتر ہے کہ جب تک وہ تر رہیں خدا کی تسبیح کریں گے۔ اور اس سے میّت کا دل بہلے گا۔ اور اسے نفع پہنچے گا۔ حدیث شریف میں اس کی اصل موجود ہے۔ (بخاری شریف)

قبروں پر حاضری کے وقت اپنی موت کو یاد کرنا چاہیئے۔

☆

سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کا ثبوت

اہلِ سنّت کے سارے محدثین وفقہاء اور جملہ ائمہ اسلام اور مشائخ طریقت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ اپنے ہر عمل خیر کا ثواب کسی بھی مومن فرد کو پہنچایا جا سکتا ہے۔ اسی کا نام ایصال ثواب ہے۔ فاتحہ مروجہ، عرس شریف، گیارھویں شریف، ختم خواجگان، فاتحہ شب برات، فاتحہ محرم، تیجہ، چالیسواں وغیرہ۔ یہ ساری چیزیں ایصال ثواب ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ اور اگر ان ساری چیزوں کا آپ تجزیہ کریں تو یہ بات واضح طور پر آپ کے سامنے آجائے گی کہ یہ سارے امور تلاوت قرآن پاک، صدقہ وخیرات اطعام مساکین اور اذکار ودعوات پر مشتمل ہیں۔ اور اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ان ساری چیزوں کے ذریعہ ایصال ثواب کی بنیادیں کتاب وسنّت اور فقہ حنفی میں موجود ہیں۔

چنانچہ فقہ حنفی کی مستند کتاب ہدایہ میں ہے۔

ان الانسان لہ ان یجعل ثواب عملہ لغیرہ صلوٰۃ او صوما او صدقۃ وغیرھا عند اھل السنۃ والجماعۃ۔

یعنی اہل سنّت کا عقیدہ ہے کہ آدمی اپنے عمل کا ثواب دوسرے شخص کو بخش سکتا ہے۔ چاہے نماز کا ہو یا روزہ کا ہو یا صدقہ کا اور اس کے علاوہ کسی بھی عمل خیر کا۔ جیسے تلاوت قرآن یا اذکار وغیرہ۔

اور شرح فقہ اکبر میں ہے۔

مذھب ابی حنیفۃ واحمد وجمھور السلف الی وصولھا

یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل اور جمہور سلف صالحین کا مذہب یہ ہے کہ عبادت بدنی ومالی کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے۔

اب رہ گئی بات ان کی ہیئت کذائی یعنی مخصوص شکل کی تو وہ ایصالِ ثواب کے لیے کوئی شرط لازم نہیں ہے۔ بلکہ وہ عملی مصلحتوں پر مبنی ہے۔ مثال کے طور پر کھانا یا شیرینی سامنے رکھ کر قرآن کی آیتیں پڑھنا اور اس کا ثواب کسی مُردے کی رُوح کو پہنچانا طبعی استحضار اور قوت احساس کی تسکین کے لیے ہے اور متعدد حدیثوں میں اس کی بھی اصل موجود ہے۔

جیسا کہ بخاری اور مسلم کی متعدد روایات میں آیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر کھانے کی چیزوں کو جمع کر کے اپنے سامنے رکھا اور ان پر برکت کی دعا فرمائی۔ ایصال ثواب ہی کے سلسلے میں یہ حدیث بھی آئی ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی والدۂ مرحومہ کے ایصال ثواب کے لیے کنواں کھدوا دیا اور وہ تیار ہو گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کنویں پر تشریف لے گئے۔ اور اس کے سامنے کھڑے ہو کر ارشاد فرمایا کہ هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ اس کنویں کا پانی سعد کی ماں کے ایصالِ ثواب کے لیے ہے۔

اور کھانے کی چیز کو سامنے رکھ کر ثواب پہنچانے کی غرض سے دعا کرنے کی سب سے مضبوط دلیل تو ذبح قربانی کے بعد کی یہ دعا ہے۔ جو اتنی شائع ذائع ہے کہ فاتحہ کے منکرین بھی اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور وہ دعا یہ ہے جس کی تعلیم خود حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔

عربی کی دُعا

اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ هٰذِهِ الْاُضْحِيَةَ مِنْ فُلَانٍ یعنی اے اللہ اس قربانی کا جانور فلاں کی طرف سے قبول فرما۔ ھٰذا عربی زبان میں سامنے کی چیز کے لیے بولا جاتا ہے۔ اس سے بھی بخوبی ثابت ہو گیا کہ جس چیز کا ثواب پہنچانا ہو۔ یا جس پر کچھ پڑھنا ہو اُسے سامنے رہنا چاہیئے۔

مجھے اُمید ہے انصاف پسند آدمی کی تشفی کے لیے سامنے رکھ کر فاتحہ دینے کے سلسلے میں اتنی دلیلیں بہت کافی ہوں گی۔ اب رہ گئے معاندِ قسم کے لوگ تو ان کی تشفی کے لیے قرآن و حدیث کا سارا ذخیرہ بھی ناکافی ہے۔ خدا اپنے بندوں کو حق قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

حضرت آدم علیہ السّلام کی وصیّت

ابن عساکر کے حوالہ سے مواہب لدنیہ میں ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی حضرت کعب احبار ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت شیث علیہ السّلام کو اپنے سامنے بٹھا کر یہ وصیت فرمائی کہ میرے بعد تم میرے خلیفہ ہو۔ خلافت کی عمارت کو تقویٰ اور مضبوط رشتۂ عبودیت کی بنیاد پر قائم رکھنا۔

جب اللہ کا ذکر کرنا تو اس کے متصل اس کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ذکر کرنا۔ کیونکہ میں نے اُن کا نام اُس وقت ساقِ عرش پر لکھا ہوا دیکھا تھا جب میرے قالبِ خاکی میں رُوح داخل ہوئی تھی۔ پھر میں نے تمام آسمانوں میں گھوم پھر کر دیکھا مجھے ساتوں آسمانوں میں کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں ان کا نامِ نامی اسمِ گرامی مرقوم نہ ہو۔

اپنے فضل سے جتنے عرصے تک چاہا میرے رب نے مجھے جنّت میں رکھا۔ وہاں بھی کوئی محل، کوئی بالاخانہ اور کوئی برآمدہ ایسا نظر نہیں آیا جس پر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہ لکھا ہو۔ میں نے تمام حوروں کے سینوں پر، جنّت کے تمام درختوں پر، شجرِ طوبیٰ اور سدرۃ المنتہیٰ کے پتوں پر اور عرش الٰہی کے پردوں پر، اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی لکھا ہوا

دیکھا۔

اس لیے کثرت سے تم ان کا ذکر کرنا۔ ان کی حرمت و توقیر کے آگے ہر وقت سر تسلیم خم رکھنا۔ فرشتوں کو خدا کی خوشنودی کا سراغ مل گیا ہے۔ اس لیے وہ ہر وقت و ہر لمحہ ان کے ذکر میں رطب اللسان رہتے ہیں۔

نام پاک کے وسیلے سے تن مردہ میں زندگی کی واپسی کا ایک عجیب واقعہ

مواہب لدنیہ میں ابن عدی، ابن ابی الدنیا، بیہقی، اور ابو نعیم جیسے اکابر محدثین کے حوالے سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ جس کے راوی مشہور صحابی حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

وہ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ایک مہاجر نوجوان کا انتقال ہوا۔ اس کی ماں نہایت بوڑھی، ضعیف اور نابینا تھی۔ انتقال کی خبر سن کر ہم لوگ اس کے گھر گئے اور نوجوان کے مردہ جسم کو چادر سے ڈھانپ دیا۔ اس کی بوڑھی ماں کو جب ہم صبر کی تلقین کرنے لگے تو انھوں نے حیرت سے دریافت کیا کہ کیا ہمارا بیٹا مرگیا۔؟ ہم لوگوں نے جواب دیا، ہاں وہ انتقال کر گیا۔ یہ سن کر انہوں نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اشکبار آنکھوں سے یہ دعا مانگی۔

اللهم ان كنت تعلم انی هاجرت اليك والى نبيك رجاء تعينني على كل شدة فلا تحملنا على هذه المصيبة۔

اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ میں نے تیری اور تیرے رسول کی طرف ہجرت اس امید پر کی کہ تو ہر سختی میں میری مدد کرے گا تو جوان بیٹے کی موت کا

صدمہ میرے اُوپر مت ڈال۔

راویانِ حدیث بیان کرتے ہیں کہ دُعا کے یہ الفاظ جیسے ہی ختم ہوئے نوجوان نے اپنے چہرے سے کپڑا ہٹا دیا۔ اور ہم لوگوں سے باتیں کرنے لگا۔ یہاں تک کہ ہمارے ساتھ مل کر اس نے کھانا کھایا۔ اور اتنے طویل عرصے تک وہ زندہ رہا کہ ماں کا انتقال اس کے سامنے ہوا۔

ایک حیرت انگیز دُرُود شریف

طبرانی شریف میں زید ابن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالہ سے ایک نہایت رقت انگیز اور ایمان افروز حدیث نقل کی گئی ہے۔

صحابی موصوف بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ گھر سے نکلے۔ جب مدینے کے چوراہے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک دیہاتی اپنے اونٹ کی مہار تھامے ہوئے سامنے سے چلا آرہا ہے۔ جب وہ حضور کے قریب پہنچا تو اس نے اس طرح سلام عرض کیا۔

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حضور نے سلام کا جواب مرحمت فرمایا۔ اسی درمیان ایک شخص دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔ اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ! یہ دیہاتی میرا اونٹ چرا کرلے جارہا ہے۔ اس سے میرا اونٹ دِلوا دیجیئے۔" اس کی بات سُن کر حضور ابھی خاموش ہی تھے کہ اونٹ نے اپنے منہ سے ایک آواز نکالی۔ جسے سُنتے ہی حضور نے اس شخص سے فرمایا کہ تو میرے سامنے سے دفع ہو جا اونٹ خود ہی گواہی دے رہا ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

جب وہ چلا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ ابھی تم کیا

پڑھ رہا تھا۔ اُس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں یہ درود شریف پڑھ رہا تھا۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ شَیْءٌ۔ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الْبَرَکَۃِ شَیْءٌ۔ اَللّٰھُمَّ سَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ السَّلَامِ شَیْءٌ۔ اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ سَیِّدِنَا مُحَمَّدًا حَتّٰی لَا تَبْقٰی مِنَ الرَّحْمَۃِ شَیْءٌ۔

یہ سُن کر حضور نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تیرے منہ سے نکلے ہوئے درود کے الفاظ لینے کے لیے آسمان سے اتنے فرشتے اُترے کہ مدینے کا آسمان فرشتوں سے بھر گیا۔

اس حدیث شریف سے جہاں اس درود پاک کی عظمت و فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ اُسے لینے کے لیے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے وہاں یہ عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کو بھی حضور دیکھتے ہیں اور عالم غیب میں اُترنے والے فرشتوں کا بھی حضور ہر وقت مشاہدہ فرماتے ہیں۔

اس درود شریف کی فضیلت ظاہر ہو جانے کے بعد خدا جسے توفیق دے تو اُسے چاہیئے کہ اسے زبانی یاد کر لیں اور اُسے ہمیشہ اپنے ورد میں رکھے۔

ایک صحابی کا علم غیب

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک مشہور صحابی ہیں۔ جن کا نام حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے۔ اُنہیں کم سُننے کی شکایت تھی۔ اس لیے یہ جب بھی کسی سے بات کرتے تو زور سے بولتے تھے۔ یہ وہی صحابی

ہیں کہ جب وہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زور زور سے بات نہ کریں۔ اگر ایسا کسی نے کیا تو اُس کی عمر بھر کی نیکیوں کا ذخیرہ برباد کر دیا جائے گا اور اُسے خبر تک نہ ہوگی۔

اس آیت کے مضمون پر مطلع ہونے کے بعد صحابیٔ مذکور حضرت ثابت ابنِ قیس اپنے گھر میں چپ چاپ بیٹھ رہے۔ کئی دن تک جب نماز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں غیر حاضر پایا تو اُنہیں آدمی بھیج کر بلوایا۔ غیر حاضری کی وجہ دریافت کرنے پر اُنہوں نے بتایا کہ چونکہ طبعاً میری آواز بلند ہے۔ اس لیے میں خطرہ محسوس کرتا ہوں کہ اگر بے خیالی میں خدانخواستہ میری آواز حضور کی بارگاہ میں بلند ہو گئی تو میری ساری نیکی برباد ہو جائے گی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں تسلی دی کہ تمہاری دنیا بھی بخیر ہے اور تمہاری آخرت بھی بے خطر ہے۔ تم اندیشہ نہ کرو۔ اہلِ جنت میں تمہارا نام مرقوم ہے۔

چنانچہ حضور نبی کریم کی اسی بشارت کا نتیجہ تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیرِ قیادت مجاہدین کا ایک لشکر جہاد پر روانہ ہوا تو حضرت ثابت ابن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اس میں شامل ہو گئے۔ اور میدانِ کارزار میں اُنھیں شہادت کی موت نصیب ہوئی۔

اُسد الغابہ کے مصنف نے ان کا یہ حیرت انگیز واقعہ اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ شہید ہو جانے کے بعد رات کے وقت اُنہوں نے اپنے ایک ساتھی کو خواب میں آکر بتایا کہ فلاں شخص نے میدان جنگ میں میرے بدن سے زرہ اُتار لی ہے اور اُسے ایک ہانڈی میں چھپا کر اپنے خیمہ میں رکھا ہے۔ اس کا خیمہ سب سے آخیر میں ہے تم سپہ سالار لشکر حضرت خالد ابن ولید سے جا کر کہو کہ وہ میری زرہ حاصل کر کے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج دیں۔ اور اُنہیں میری طرف سے

درخواست کریں کہ وہ زرہ فروخت کر کے فلاں آدمی کا قرض ادا کر دیں۔ جو میرے ذمّہ باقی ہے۔

چنانچہ ان کی بشارت کے مطابق صبح کو جب حضرت خالد ابن ولید نے اُس خیمہ کی تلاشی لی تو ایک ہانڈی کے اندر ان کا زرہ رکھا ہوا تھا۔ اُسے حاصل کر کے اُنھوں نے اپنے ایک مخصوص قاصد کے ذریعے امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اُسے بھیج دیا۔ ان کی وصیّت کے مطابق امیر المومنین نے اس زرہ کو فروخت کر کے حضرت زید ابن ثابت کا قرض ادا کر دیا۔ (اسد الغابہ)

نماز کا بیان

نماز کے اوقات اور رکعتوں کی تفصیل

نماز فجر: دو رکعت سُنّت مؤکدہ اور دو رکعت فرض

نماز ظہر: چار رکعت سُنّت مؤکدہ۔ چار فرض۔ دو سُنّت۔ دو نفل

نماز عصر: چار سُنّت غیر مؤکدہ۔ چار فرض

نماز مغرب: تین رکعت فرض۔ دو رکعت سُنّت مؤکدہ۔ دو رکعت نفل

نماز عشاء: چار سُنّت غیر مؤکدہ۔ چار فرض۔ دو سنّت۔ دو نفل۔ تین وتر واجب۔ دو نفل

جمعہ: چار سُنّت مؤکدہ۔ دو فرض۔ چار سُنّت مؤکدہ۔ دو سُنّت مؤکدہ۔ دو نفل۔

نماز پڑھنے کا طریقہ

نماز صحیح طور پر ادا ہونے کے لیے اچھی طرح وضو کرنا، لباس، بدن اور جائے نماز کا پاک ہونا ضروری ہے۔

قبلہ رُخ اس طرح کھڑا ہو کہ دونوں قدموں کے درمیان کم از کم چار انگلی اور زیادہ سے زیادہ ایک بالشت کا فاصلہ رہے۔ جس نماز کا وقت ہو اُس کی نیت دل سے بھی کرے اور زبان سے بھی کرے۔ اگر جماعت سے پڑھے تو امام کی اقتدا کی نیت بھی کرے۔

پھر تکبیر تحریمہ کے لیے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے۔ دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیاں اور انگلیاں قبلے کی طرف ہوں۔ انگلیاں جدا جدا ہوں اور انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر ہوں۔

پھر اَللہُ اَکبَرُ کہہ کر دونوں ہاتھ ناف کے نیچے اس طرح باندھے کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی کلائی پر رہے اور انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے پہنچے کو پکڑے رکھے اور درمیان کی تینوں انگلیاں کلائی پر پھیلی رہیں۔

پھر ثنا، آہستہ آہستہ پڑھے کہ خود اپنے کانوں سے سُن سکے۔ مُنہ میں پڑھنا کہ الفاظ، پڑھنے والے کو بھی سنائی نہ دے۔ نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔

پھر اعوذ باللہ بسم اللہ پڑھ کر سورۃ فاتحہ بسم اللہ کے ساتھ پڑھے۔ لیکن جہری نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھے۔ سورہ فاتحہ ختم کر کے آہستہ سے آمین کہے۔ اس کے بعد کوئی سورۃ یا کوئی بڑی آیت، یا تین چھوٹی آیتیں پڑھے۔ امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو تو ثناء کے علاوہ کچھ نہ پڑھے۔ خاموش کھڑا رہے۔

پھر اَللہُ اَکبَرُ کہتے ہوئے رکوع میں جائے۔ رکوع میں دونوں ہاتھوں

کی انگلیاں کھول کر گھٹنوں کو مضبوطی سے پکڑے۔ پیٹھ بالکل سیدھی رکھے۔ سر اور پیٹھ کو بھی برابر رکھے۔ دونوں ہاتھ پسلیوں سے الگ رہیں اور پاؤں کی پنڈلیاں سیدھی کھڑی رہیں۔ رکوع کی حالت میں تین یا پانچ بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہنے کے بعد سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے۔ امام کے پیچھے ہو تو رَبَّنَا وَلَکَ الْحَمْدُ کہتے ہوئے کھڑا ہو۔ سُبْحَانَ اللّٰہ کہنے میں جتنی دیر لگتی ہے اتنی دیر کھڑا رہے۔

پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے سجدے میں جائے۔ پہلے گھٹنوں کو زمین پر رکھے، پھر دونوں ہاتھ، پھر ناک پھر پیشانی، چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان اور انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر رہیں۔ ہاتھ کی انگلیاں ملی رہیں اور قبلہ رُخ رہیں ورنہ سجدہ نہ ہوگا کہنیوں کو پسلیوں سے اور پیٹ کو رانوں سے جُدا رکھے۔ پیشانی اور ناک کے نرم حصے کو زمین پر خوب دبائے۔ سجدے میں تین یا پانچ بار سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی پڑھے پھر سجدے سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے سر اس طرح اُٹھائے کہ زمین سے پہلے پیشانی اُٹھائے پھر ناک پھر دونوں ہاتھ۔ بیٹھتے وقت دایاں پاؤں کھڑا رکھے پاؤں کی اُنگلیاں قبلہ رُخ ہوں اور بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائے۔ اتنی دیر بیٹھے جتنی دیر سُبْحَانَ اللّٰہ کہنے میں لگتی ہے۔ بیٹھنے کی حالت میں اپنی نگاہ گود میں رکھے۔ رُکوع کی حالت میں قدموں پہ رکھے اور کھڑے ہونے کی حالت میں سجدہ گاہ پر رکھے۔

پھر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ کر دوسرا سجدہ کرے۔ ہاتھوں کو زمین پر گھسیٹ کر آگے لے جانا منع ہے۔ پھر دوسرے سجدے سے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہتے ہوئے ہاتھ گھٹنوں پہ رکھ کر اس طرح کھڑا ہو کہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کی آواز کا سلسلہ پیشانی اُٹھانے سے لے کر کھڑے ہونے تک جاری رہے۔ پھر دوسری رکعت اسی طرح پوری کرے۔ جس طرح

پہلی رکعت پڑھی تھی۔ اس میں ثنا نہیں پڑھی جائے گی۔

دوسری رکعت پوری کر کے دایاں پاؤں کھڑا کر کے بائیں پاؤں پر بیٹھ جائے اور التحیات پڑھے۔ دو رکعت والی نماز ہو تو التحیات کے بعد درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے اور اگر تین یا چار رکعت والی نماز ہو تو التحیات پڑھ کر کھڑا ہو جائے۔ اور فرض کی تیسری اور چوتھی رکعت میں صرف سورہ فاتحہ پڑھے۔ اس کے ساتھ کوئی سورت نہ ملائے۔ فرض کی تیسری یا چوتھی رکعت پوری کرنے کے بعد التحیات، درود شریف اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

چار رکعت کی سنّت غیر مؤکدہ نوافل میں تیسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ سے پہلے ثنا بھی پڑھے۔

عورتوں کی نماز کا فرق

۱۔ عورتیں نماز میں اس طرح کھڑی ہوں کہ دونوں قدموں کے درمیان زیادہ سے زیادہ چار انگل کا فاصلہ رہے۔

۲۔ نماز شروع کرتے وقت اپنے ہاتھوں کو کندھوں سے اُوپر نہ اُٹھائیں۔

۳۔ تکبیر تحریمہ اَللّٰہُ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنے کے بعد ہاتھ اپنے سینے پر اس طرح رکھیں کہ دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر ہو۔

۴۔ رکوع میں اپنی کمر کو اتنا ہی جھکائیں جتنا آسانی سے جھکا سکتی ہیں۔ رکوع میں پیٹھ اور سر جھکے رہیں مردوں کی طرح سیدھی نہ کریں۔

۵۔ رکوع سے سجدے میں جاتے ہوئے بائیں سرین کے بل زمین پر بیٹھیں اور دونوں پاؤں داہنی طرف نکالیں اور سمٹ کر سجدہ کریں اور کہنیاں اور ہاتھ زمین پر بچھائے رکھیں۔ التحیات پڑھنے کے وقت بھی دونوں پاؤں داہنی طرف نکالیں اور بائیں سُرین

کے بل زمین پر بیٹھیں۔

سورۂ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

التحیات

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ ۝ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۝

(نوٹ) اشھد ان لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے جب لا پر پہنچے تو داہنے ہاتھ کی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کا حلقہ بنائے اور چھوٹی انگلی اور اس کے پاس والی

انگلی کو ہتھیلی سے ملادے اور لفظ لا پر کلمے کی انگلی اٹھائے اور الا پر گرادے اور فوراً ساری انگلیاں سیدھی کر دے۔

درود ابراہیمی

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ٥

دعائے ماثورہ

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِمَنْ تَوَالَدَ وَلِجَمِيْعِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ الْاَحْيَاءِ مِنْهُمْ وَالْاَمْوَاتِ اِنَّكَ سَمِيْعٌ مُّجِيْبُ الدَّعَوَاتِ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ٥

دعائے کلمات

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ حَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَكَ دَارَ السَّلَامِ رَبَّنَا تَبَارَكْتَ وَتَعَالَيْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ ٥ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ ٥

دعائے قنوت

یہ دعا وتر کی نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ وتر کی نماز تین رکعت ہے جو عشاء کے فرض اور سنّت کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ تینوں رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد کسی

سورت کا ملانا ضروری ہے تیسری رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ اور کسی سورت کو پڑھنے کے بعد دونوں ہاتھ اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک لے جائیں اور پھر ہاتھ باندھ کر دعائے قنوت پڑھیں۔ اس کے بعد رکوع میں جائیں اور نماز پوری کریں۔

دعائے قنوت یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَ نَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَ نَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ۝

نماز اوّابین

فضائل و مسائل

۱۔ ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جو شخص مغرب بعد چھ رکعتیں پڑھے اور ان کے درمیان کوئی بری بات منہ سے نہ نکالے تو اسے بارہ سو برس کی عبادت کا ثواب ملے گا۔

۲۔ طبرانی شریف میں ہے کہ جو شخص مغرب بعد چھ رکعتیں پڑھے اُس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔

۳۔ احیاء العلوم میں ہے کہ جو شخص مغرب کے بعد چار رکعتیں پڑھے اللہ تعالیٰ اُس کے بیس برس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ

اس کے چالیس برس کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

۴۔ احیاء العلوم میں ہے کہ جو شخص مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھے اسے ایک سال کی عبادت کا ثواب ملے گا یا شب قدر میں عبادت کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔

۵۔ اوّابین کی چھ رکعتیں ایک سلام کے ساتھ بھی پڑھی جا سکتی ہیں اور دو دو رکعت کر کے بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

نمازِ اشراق

فضائل و مسائل

ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھ کر خدا کے ذکر میں مصروف رہے یہاں تک کہ آفتاب سوا نیزے پر آجائے پھر دو رکعتیں بہ نیت اشراق پڑھے تو اُسے پورے حج و عمرے کا ثواب ملے گا۔

۲۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں کہ جو شخص صبح کی نماز با جماعت پڑھ کر اپنی جگہ پر بیٹھا رہے اور ذکرِ الٰہی میں مصروف رہے اس کے بعد جب آفتاب بلند ہو جائے اور وہ دو رکعت نماز بہ نیت اشراق پڑھے تو ہر رکعت کے بدلے میں ہزاروں محل جنت میں اسے ملیں گے اور ہر محل میں ہزاروں حوریں ہوں گی۔ اور ہر حور کے ساتھ ہزاروں خادم ہوں گے۔

۳۔ نمازِ اشراق کی کم سے کم دو رکعتیں ہیں اور زیادہ کی کوئی تعداد متعین نہیں ہے۔

۴۔ نمازِ اشراق کا وقت طلوع آفتاب کے بیس منٹ بعد شروع ہوتا ہے۔

قضا نمازوں کے پڑھنے کا طریقہ یہ ہے دن رات میں فرض نمازیں سترہ

رکعتیں ہیں اور تین وتر کی جو واجب ہے۔ ان بیس رکعتوں کی قضا روزانہ اس طرح پڑھے کہ پہلے فجر کی دو رکعت، ظہر کی چار رکعت، پھر عصر کی چار رکعت پھر مغرب کی تین رکعت پھر عشاء کی چار رکعت پھر وتر کی تین رکعت۔

اور نیت اس طرح کرے کہ سب سے پہلے فجر جو قضا ہوئی سب سے پہلی ظہر کی نماز جو قضا ہوئی۔ سب سے پہلی عصر کی نماز جو قضا ہوئی، سب سے پہلی مغرب کی نماز جو قضا ہوئی، سب سے پہلی عشاء کی نماز جو قضا ہوئی۔ اس کی ادا کی نیّت کرتا ہوں۔

(نوٹ: آفتاب کے طلوع و غروب اور زوال کا وقت چھوڑ کر ہر وقت قضا کی نماز پڑھی جا سکتی ہے)۔

شریعت

مولوی پالن حقانی کی کتاب
شریعت یا جہالت کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ۵

پہلے اسے پڑھئے

آج ہندوستان میں مسلمانوں کے بے شمار مسائل ہیں۔ لیکن دین کے بعد سب سے اہم مسئلہ ان کے ذریعہ معاش کا ہے کہ وہی مدارِ حیات ہے چند لاکھ دولت مندوں کو الگ کر دیجئے تو کئی کروڑوں مسلمانوں میں آپ کو سوائے غریبوں مزدوروں اور محنت کشوں کے اور کوئی نہیں ملے گا۔

مذہبی زندگی، اخلاقی کردار، قومی خودداری اور شرافتِ نفس پر محتاجی، تنگ دستی اور بے کاری کا کیا اثر پڑتا ہے یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے شب و روز اس کی مثالیں ہماری نگاہوں سے گزر رہی ہیں۔

یہی وہ محرکات ہیں جن کے پس منظر میں جمشید پور کے تعمیری ذہن رکھنے والے مسلمانوں نے ۱۹۷۲ء میں "فیض العلوم ٹکنیکل انسی ٹیوٹ" کے نام سے ایک صنعتی تربیتی ادارے کی بنیاد رکھی تاکہ آج کے مشینی دور میں مسلم نوجوانوں کو خود کفیل زندگی گزارنے کے قابل بنایا جاسکے۔

ایک سال کی تگ و دو اور صبر آزما محنتوں اور کوششوں کے بعد مختلف مشینوں، تعلیمی آلات، ورکشاپ، تعلیم گاہ اور ضروری لوازمات کے ساتھ انسٹی ٹیوٹ کا ڈھانچہ تیار ہوگیا۔

اور ۱۴ اپریل ۱۹۷۳ء کی تاریخ اس کے افتتاح کے لیے طے پا گئی، اخبارات پوسٹروں اور تعارفی لٹریچر کے ذریعے جب ملک میں اس کی تشہیر ہوئی تو یہ دیکھ کر ہم دنگ رہ گئے کہ ملک کے کونے کونے سے تحسین ومبارکباد اور حوصلہ افزا پیغامات کے انبار لگ گئے۔

ٹھیک اس وقت جب کہ جشن افتتاح کے انتظامات میں شہر کے مختلف حلقے مصروف تھے "پالن حقانی" نام کے ایک مولانا جمشید پور میں تشریف لائے اور ابتدائی تقریر میں اُنھوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا ہم نہ دیوبندی ہیں اور نہ بریلوی۔ لیکن دو ہی تقریر کے بعد وہ بالکل ننگے ہو گئے اور مذہب اہلسنّت کے خلاف زہر اُگلنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا اور ان کے ساتھ وہی لوگ رہ گئے جو تبلیغی جماعت اور دیوبندی فرقے سے تعلّق رکھتے ہیں۔

بیس بائیس دن کی مدّت قیام میں ان کی تقریروں سے جمشید پور کے مسلمانوں کو کیا فیض پہنچا۔ اگر ہم اسے چند جملوں میں بیان کریں تو صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ محلے محلے، گھر گھر اور بھائی بھائی کے درمیان جو منافرت کی آگ وہ لگا گئے، اب تک سلگ رہی ہے اور نہیں کہا جا سکتا کہ جمشید پور کے مزدور مسلمانوں کو کب تک اس آگ میں جلنا پڑے گا۔ یہ ہے ان کا وہ گرانقدر عطیہ جس کے صلے میں اُن کے عقیدت مندوں نے اُنہیں ہزاروں روپے کی بھینٹ چڑھائی اور وہ "جیب بھرو" نہیں، بلکہ "تھیلا بھرو مولوی" بن کر یہاں سے تشریف لے گئے۔

کبھی کبھی سوچتا ہوں تو دماغ پھٹنے لگتا ہے کہ تخریب اور فساد کے لیے لوگوں میں کتنے غضب کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جنگل کی آگ کی طرح شر پھیلانے کے لیے وقت دھن اور جسم وجان کی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی لوگ دریغ نہیں کرتے۔ لیکن اُن ہی لوگوں سے اگر کہا جائے کہ صرف آواز اور نغموں کے بل پر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی مستقبل کی تعمیر کی طرف بڑھو تو ان کے پاؤں شل ہو جاتے ہیں۔ ان کی جیب خالی ہو جاتی ہے اور اس کے لیے ان کے وقت میں ایک لمحے کی گنجائش نہیں باقی رہتی۔

حقانی صاحب کے متعلق مجھے لوگوں نے بتایا کہ وہ عطائی حکیم کی طرح "عطائی مولوی" ہیں۔ قوالی گاتے گاتے وہ اچانک واعظ بن گئے اور آج بھی قوالی اور گالی، ان کے وعظ کا بہت اہم حصّہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے ان کے وعظ سے الگ کر دیا جائے تو ان کی محفل میں ان کے بجائے اُلّو بولنے لگے۔

اپنی بے علمی کو چھپانے کے لیے اُنہوں نے چند اُردو کتابوں کے صفحات اور آیتوں اور حدیثوں کے نمبر رٹ لیے ہیں۔ حالانکہ یہی ان کی بے علمی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔ کیونکہ احادیث کی اصل کتابوں میں کسی بھی حدیث کا نمبر نہیں دیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن میں ایک ایک آیت کا نمبر بھی قرآن کی تفسیروں اور پرانے نسخوں میں کہیں درج نہیں ہے یہ ساری بدعتیں بعد کے اُردو ترجمے والوں نے نکالی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان کی کتاب شریعت یا جہالت میں قرآن کی آیتیں اُردو میں لکھی گئی ہیں۔ کسی بھی زبان میں قرآن کی آیتوں کا ترجمہ بغیر کسی قباحت کے کیا

جا سکتا ہے۔ لیکن بہر حال اُسے ترجمہ ہی کہا جائے گا۔ لیکن حقانی صاحب نے اردو زبان میں آیتوں کو اس طرح پیش کیا ہے جیسے لگتا ہے کہ قرآن اردو ہی میں نازل ہوا تھا۔ بغیر عربی عبارت کے صرف اردو ترجمہ پیش کرنے میں سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ الفاظ کا غلط ترجمہ کر کے لوگوں کو گمراہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں اصل قرآن دیکھے بغیر ترجمے کی چوری پکڑنا بہت مشکل ہے۔

ان کی کتاب "شریعت یا جہالت" اپنے علمی مواد اور فنی نقاہت کی لحاظ سے ہرگز اس قابل نہیں ہے کہ اُسے کوئی اہمیت دی جائے یا اس کا جواب لکھا جائے۔ اور یہ میں ازراہِ تعصب یا اُن سے مذہبی اختلاف کے جذبے میں نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ ان کے ہم عقیدہ علمار نے بھی ان کی کتاب کے متعلق یہی رائے قائم کی ہے۔ جیسا کہ "شریعت یا جہالت" کے صفحہ ۵۲۸ پر خود ان کے مداحوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ ان ہی کے الفاظ میں اس حقیقت کا اعتراف ملاحظہ فرمایئے۔

لکھتے ہیں کہ:

تعجب اور افسوس تو اس پر ہے کہ اپنے بعض دیوبندی المسلک عالم بھی حسد و عناد پر اتر آئے اور حقانی صاحب کو اَن پڑھ بنا کر ان کی کتاب "شریعت یا جہالت" کو غیر مستند اور کمزور عبارتیں پیش کر کے گرانا چاہا۔ مگر سب نے دیکھ لیا کہ ایسے عالم خود ہی عوام کی نظروں سے گر گئے۔ (صفحہ ۵۲۸)

عوام کی نظروں سے گر گئے اس لیے وہ کتاب مستند ہو گئی کیونکہ آج کل جنتا راج ہے۔ یہیں سے بات صاف ہو جاتی ہے کہ کتاب کا مقام اعتبار

کیا ہے؟

بس اسی طلسم فریب کو توڑنے کے لیے میں نے اس کی ضرورت محسوس کی کہ ان کی کتاب کی علمی حیثیت کو عوام کے سامنے اچھی طرح بے نقاب کر دیا جائے تاکہ اہلِ علم کو دوبارہ اس صورتِ حال کا سامنا نہ کرنا پڑے کہ وہ عوام کی نظروں سے گر جائیں۔

میں نے جواب میں اس بات کی خاص طور پر کوشش کی ہے کہ ان ہی کی کتاب سے ان کا جھوٹ فاش کیا جائے۔ اور ان کی تحریروں سے ان کی کتاب کے مندرجات کی تردید کی جائے۔ البتہ ان کی غلطیوں کی مزید وضاحت کے لیے اُن کے ہم عقیدہ علماء کی تحریروں سے بھی کام لیا ہے اور صرف ایک یا دو جگہ میں نے ائمۂ اسلام کی عبارتیں تائید میں پیش کی ہیں۔

بے پناہ مصروفیات کے ہجوم میں اس کتاب کی ترتیب کے لیے بڑی مشکل سے وقت نکالا ہے۔ توفیقِ خداوندی نے اعانت فرمائی تو انگلستان کے سفر سے واپسی کے بعد اہلِ سنّت کے معتقدات و مسائل پر ایک ضخیم کتاب تصنیف کروں گا۔ اور جس میں قرآن و حدیث سے ثابت کروں گا کہ مذہب اہلِ سُنّت ہی مذہبِ حق ہے۔

خدا کرے میری یہ قلمی کاوش عامۂ مسلمین کو وقت کے ایک عظیم فتنے سے بچانے میں مفید ثابت ہو۔

وما علینا الا البلاغ

ارشد القادری

۸ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۵ مئی ۱۹۷۲ء

جمشید پور (بہار)

گالیاں

حقانی صاحب نے اپنی کتاب "شریعت یا جہالت" میں مسلمانانِ ہند کو جو منہ بھر کر گالیاں دی ہیں، اُنہیں جاہل بنایا ہے کافر و مشرک کہا ہے، دل آزار جملے لکھے ہیں، ذیل میں ان کے اقتباسات ملاحظہ فرمایئے تاکہ اُن کی فتنہ پرور اور شر پسند طبیعت کا آپ اندازہ لگا سکیں۔

①

اپنی کتاب کے صـ ۹۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کا اندھاپا تو دیکھیے نہ تو قرآن کریم کی آیتوں کو مانتے ہیں اور نہ حدیثوں کو اور نہ ہی حنفی مذہب کی معتبر کتابوں کو پھر بھی اپنے آپ کو سُنّت والجماعت سمجھتے ہیں۔

انصاف کیجئے! اس سے زیادہ سخت حملہ مسلمانوں پر اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ معاذاللہ قرآن کی آیتوں کو نہیں مانتے عمل کی کمزوریوں سے انکار نہیں۔ لیکن قرآن کی آیتوں کو نہ ماننے کا الزام مسلمانوں پر کُھلا ہوا بہتان ہے۔ ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر اُنہوں نے یہ بہتان لگایا ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک بھی مسلمان ایسا نہیں ملے گا جو قرآن و حدیث کو ماننے سے انکار کرتا ہو۔

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر اندھے پَن کا الزام لگا کر اُنہوں نے عام مسلمانوں کی جو توہین کی ہے اس کے خلاف ہر غیرت مند مسلمان کو سخت احتجاج کرنا چاہیئے۔

اسی کا نام اگر دینی تبلیغ ہے کہ کُھلے بندوں مسلمانوں کی دل آزاری کی جائے تو خدا محفوظ رکھے اپنے بندوں کو اس کی نحوست سے۔

(۲)

اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۶ پر تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کی جہالت تو دیکھیے اگر کوئی کہہ دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے تو اس کو وہابی اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور بولنا چالنا اور سلام و کلام بھی اس سے حرام سمجھتے ہیں۔

خدا کی پناہ! ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر حقانی صاحب کا یہ دوسرا حملہ ہے۔ وہاں اندھے پن اور قرآن کی آیتوں کے نہ ماننے کا الزام تھا۔ یہاں جہالت کے الزام کے ساتھ ساتھ ایک نیا الزام اور تراشا گیا ہے کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان ہی نہیں سمجھتے اور اس عقیدے پر وہ اتنی سختی کے ساتھ قائم ہیں کہ جو لوگ انسان کہتے ہیں وہ انہیں مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

ذرا حقانی صاحب کی دلیری ملاحظہ فرمایئے! کہ ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر یہ بہتان لگاتے ہوئے انہوں نے ذرا نہیں سوچا کہ وہ بات اسی دنیا کی کر رہے ہیں کل بیچ چوراہے پر کوئی دل جلا مسلمان اگر ان کا گریبان تھام کے یہ سوال کر بیٹھے کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں پر آپ نے جو یہ جھوٹا بہتان لگایا ہے اسے ثابت کیجئے ورنہ آپ کا منہ کالا کر کے سارے شہر میں آپ کو پھرایا جائے گا۔ تو وہ کیونکر اپنی جان چھڑا سکیں گے۔

بے تحاشہ جھوٹ بول کر مسلمانوں کو ذلیل کرنا اگر کوئی ہنر ہے تو میں اعتراف کرتا ہوں کہ حقانی صاحب اس ہنر میں اپنا جواب نہیں رکھتے۔

(۳)

اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۹ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

یہودیوں کے نقش قدم پر چلنے والے آج اکثر مسلمان ہی ہیں۔ عشق رسول کا دعویٰ کرنے والے مسلمان، محبت رسول کا دم بھرنے والے مسلمان، یا رسول اللہ کا نعرہ لگانے والے مسلمان، آپ کے بالوں پر جان دینے والے مسلمان، آپ کے قدم کے نشان کو پوجنے والے مسلمان، ایسے ملیں گے کہ اگر شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صحیح بات کسی اللہ والے سے سنتے ہیں تو اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے ہیں جس طرح جنگلی جانور۔ (شریعت یا جہالت)

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر حقانی صاحب کا یہ تیسرا حملہ ہے۔ اس بار بھی انہوں نے ایک نیا الزام تراشا ہے کہ ہندوستان کے اکثر مسلمان یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کی اس کھلی ہوئی دل آزاری کے بعد بھی ان کا جی نہیں بھرا تو ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کو جنگلی جانوروں کے ساتھ تشبیہ دے کر ذلیل کرنے والی اہانت پر اتر آئے۔

آپ ہی انصاف کیجئے کہ اس عبارت میں ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کی جو انہوں نے کھلی ہوئی توہین کی ہے آخر اس کی فریاد کہاں کی جائے۔

کیا یہ الزام صحیح ہے کہ شریعتِ محمدیہ کی بات سن کر ہندوستان کے مسلمان جنگلی جانوروں کی طرح بھاگ کھڑے ہوتے ہیں، ہندوستان میں اکثر مسلمانوں کی بات تو الگ رہی ایک مسلمان بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان قدم کو پوجتا ہے۔

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم کا احترام بجا لانا پوجنا ہے تو یہ الزام ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر نہیں بلکہ براہِ راست قرآن پر ہے کہ اس

نے کھلے لفظوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نشان قدم کو "سجدہ گاہ" بنانے کا حکم دے کر تعظیم آثار کے عقیدے پر مہر لگا دی ہے۔

(۴)

اپنی کتاب کے صفحہ ۲،۲ پر تحریر فرماتے ہیں:

آج یہی حالت ہمارے ہندوستان کے اکثر جاہل مسلمان بھائیوں کی ہے جو اگلے مشرکوں کی تھی۔ عرب کے مشرک ہندوؤں جیسا عقیدہ رکھتے تھے۔ جس طرح ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ ایشور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے خلاف کوئی کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مگر پھر بھی سینکڑوں معبود بنا رکھے ہیں کہیں دیوی پوجی جاتی ہے، کوئی ہنومان کو مانتا ہے، کوئی مہادیو کی لنگ پوجا کرتا ہے۔ کوئی لچھمن کی مورتی پر جل چڑھاتا ہے۔ پھر ہر ملک میں ہر قوم کا خدا ہی معبود ہے۔ آگ، پانی، شجر، آفتاب، ستارے کوئی چیز بھی نہیں چھوڑی کہ کسی کو نہ پوجتے ہوں، یہی حاجت روا جان کر ان کی نذر و نیاز کرنا ان کی عبادت ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان میں بھی ایشور کی مایا ہے۔ یہ بھی بڑی قدرت رکھتے ہیں۔ یہی حال عرب کے مشرکوں کا تھا۔

افسوس ہندوستان کے جاہل مسلمانوں میں بھی ہندو کی صحبت کا اثر آگیا اور یہ بھی اپنے بزرگوں کے ساتھ قریب قریب یہی برتاؤ کرنے لگے۔

یعنی یہاں کے اکثر مسلمانوں نے بھی بہت سارے بت خانے بنا رکھے ہیں اور جنہیں وہ انبیاء اولیاء اور شہداء کے مزارات کہتے ہیں۔ وہ مزارات نہیں ہیں بلکہ پتھروں کے تراشے ہوئے اصنام ہیں اور جس کا نام انہوں نے فاتحہ اور زیارت دے رکھا ہے۔ وہ پوجا پاٹ ہے۔ اس عبارت میں حقانی صاحب

نے ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہب و اعتقاد کا رشتہ ایک طرف عرب کے
مشرکوں اور دوسری طرف بھارت کے ہندوؤں کے ساتھ جوڑ کر یہ ثابت کرنے
کی کوشش کی ہے کہ نہ پہلے ان کا اسلام سے کوئی تعلق تھا اور نہ آج اسلام سے
کوئی تعلق ہے۔ ہندوستان میں اگر کوئی سچا مسلمان ہے تو وہ صرف حقانی صاحب
اور ان کے متبعین ہیں۔ باقی سب کے سب مشرک ہیں۔ فرق اگر ہے تو صرف چوٹی
اور داڑھی کا ہے۔

قلم کی تلوار ان کے ہاتھ میں ہے۔ جس طرح چاہیں ہندوستان کے مسلمانوں
کو ذبح کریں۔ لیکن غریب اسلام پر اتنی مہربانی ضرور فرمائیں کہ اپنے اس ناپاک
مشغلے کو اسلام کی خدمت سے تعبیر نہ کریں۔

(۵)

اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

> ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر جہالت ایسی چھائی ہوئی ہے کہ
> بدعتوں پر عمل کریں تو دین کی پابندی سمجھتے ہیں اور کفر کریں تو ثواب سمجھتے
> ہیں اور شرک کریں تو نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہے کوئی حد جہالت کی؟

ہندوستان کے مسلمانوں کی اکثریت پر حقانی صاحب کا یہ پانچواں حملہ ہے
اور اس بار کا حملہ اتنا کاری ہے کہ شاید ہی کوئی مسلمان اس کی تاب لا سکے۔

اب تک تو گول مول اور مبہم انداز میں ہندوستان کے مسلمانوں کو غیر مسلم
سمجھنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ لیکن یہاں وہ بالکل کھل کر سامنے آگئے
ہیں۔ ہندوستان کے اکثر مسلمانوں پر کفر اور شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کر
دینے کے بعد اب ان کے مسلمان ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔
اس لیے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان میں کروڑوں مسلمان ہیں

اُن کے منہ میں لگام دیجیے ۔ اور ان سے کہیے کہ ان چند ہزار افراد کے سوا جو حقانی صاحب کے ساتھ ہیں، ہندوستان میں کوئی مسلمان ہی کہاں رہا ہے؟

صد حیف! کہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں پر اس کھلے ہوئے قاتلانہ حملے کے بعد بھی لوگ حقانی صاحب کو سراہتے ہیں کہ اُنھوں نے یہ کتاب لکھ کر اسلام کی عظیم خدمت کی ہے ۔

میرا خیال ہے کہ موصوف کی طرح اسلام کے دس بیس خدمت گزار اور پیدا ہو جائیں تو ہندوستان میں مسلمانوں کا کوئی مسئلہ ہی باقی نہ رہے نہ اسلام نہ مسلمان۔

عام مسلمانوں کی جی کھول کر تجہیل، تکفیر اور مذمت کرنے کے بعد اب حقانی صاحب نے صوفیوں، پیروں اور مولویوں کے خلاف جو زہر افشانی کی ہے ذرا دو تین نمونے اس کے بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ آپ کو اچھی طرح اندازہ لگ جائے کہ وہ کتنے بڑے شریف الطبع اور نیک سرشت انسان ہیں۔

(۶)

اپنی کتاب کے صفحہ ۱۸۱ پر تحریر فرماتے ہیں :

اب آپ سوچیں کہ یہ جاہل صوفی اور جاہل فقیر وغیرہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے چالیس پارے قرآن شریف کے نازل کیے تھے ۔ مگر اس میں سے دس پارے آپ نے کسی کو نہیں بتلائے یہ جاہل لوگ اپنے آپ کو عاشقانِ رسول کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جھوٹا بہتان لگاتے ہیں۔

(۷)

اپنی کتاب کے صفحہ ۹۲ پر تحریر فرماتے ہیں :

جاہل "جیب بھر و پیر" اور جاہل پیٹ بھر و مولوی اپنے مریدوں اور مقتدیوں

کو بہکاتے رہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والوں یا دیوبند کے عالموں کو یا ان کے چاہنے والوں کو تم لوگ سلام کرو گے یا جواب دو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ جہالت کی بھی کوئی حد ہے۔

(۸)

اپنی کتاب کے صفحہ ۶۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

افسوس! آج اپنے آپ کو پیر اور مولوی کہلانے والے بھی مسلمانوں کو ستانے میں کسر باقی نہیں رکھتے اپنے مُرید اور مقتدیوں کو بہکاتے رہتے ہیں اور وہ لوگ ان کے کہنے میں آکر مسلمانوں کو مسجد میں نماز تک پڑھنے نہیں دیتے اور ستانے اور دُکھ دینے میں ہی اپنی ایمانداری اور نجات سمجھتے ہیں۔

انصاف کیجئے! ان عبارتوں میں پیروں، صوفیوں اور مولویوں کے خلاف اُنہوں نے تین طرح کے بہتان لگائے ہیں۔ پہلا بہتان تو یہ ہے کہ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے چالیس پارے نازل ہوئے تھے جن میں سے حضور نے دس پارے چُھپا لیے۔

دوسرا بہتان یہ ہے کہ وہ اپنے مقتدیوں کو بہکاتے رہتے ہیں کہ تبلیغی جماعت والوں یا دیوبندی عالموں کو سلام کرو گے یا جواب دو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔

تیسرا بہتان یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو مسجدوں میں نماز نہیں پڑھنے دیتے بلکہ مسلمانوں کو ستانے اور دکھ دینے میں اپنی نجات سمجھتے ہیں۔

حقانی صاحب ایک ذمہ دار مصنّف کی حیثیت سے اگر اپنے آپ کو اپنی تحریر کا جواب دہ سمجھتے ہیں تو میں اُنہیں چیلنج کروں گا کہ وہ تینوں الزامات کو ثابت کریں اور اگر وہ ثابت نہیں کر سکتے اور مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی ثابت

نہیں کر سکیں گے تو انہیں جھوٹ کا انبار جمع کر کے مسلمانوں میں منافرت پھیلانے کا یہ ناپاک مشغلہ ترک کر دینا چاہیئے۔

پھکڑ بازوں ہی کی زبان میں انہیں گفتگو کرنی تھی تو انہیں کس نے کہہ دیا تھا کہ وہ کتاب کے مصنف یا مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے تشریف لائیں اور دینی پیشوائی کے منصب کو بدنام کریں۔ پیٹ کا ایندھن جمع کرنے کے لیے اور بھی بہت سے جائز طریقے ہیں۔ اسی زبان کا ایک نمونہ اور ملاحظہ فرمائیں۔

(۹)

اپنی کتاب کے صفحہ ۳۰۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

انگوٹھیوں میں پتھر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے جنہیں اکثر لوگ بے سمجھے بوجھے شوقیہ پہنتے ہیں اور بعض لوگ اس نیت سے پہنتے ہیں اور گلے میں بھی لٹکاتے ہیں کہ یہ کارآمد ہے یعنی اس کو انگوٹھی میں ڈلوا کر انگلی میں پہننے سے یا چاندی میں منڈھوا کر گلے میں لٹکانے سے نفع ہوتا ہے اور نقصان سے انسان بچ جاتا ہے۔ لہٰذا پتھروں کے نام بھی لیتے ہیں کہ یہ پتھر سلیمانی ہے یا یہ پتھر یاقوتی ہے یا یہ پتھر نیلم ہے یا زمرد ہے یا لعل ہے یا یہ کہربا ہے یا یہ عقیق ہے یا ضبع ہے وغیرہ۔ نفع ہونے یا نقصان سے بچنے کی نیت سے ان پتھروں کے ٹکڑوں میں تاثیر سمجھ کر اکثر مفتی، فقیر، مولوی، صوفی، مست ملنگ، پیر اور پیرزادے درویش، سجادہ نشین وغیرہ وغیرہ کے ہاتھوں میں انگوٹھیوں میں یہ پتھر ہوتے ہیں اور بعض لوگ اپنی گردنوں میں یہ پتھر باندھے ہوتے ہیں۔

اب یہ کھلم کھلا شرک ہے۔

اب بتایئے! شرک کی زد سے کہاں کہاں اپنے آپ کو بچایئے گا مانا کہ

آپ نے مزارات پر جانے سے توبہ کرلی اور اختلاج قلب کی بیماری میں ہول دل کا پتھر اب استعمال نہیں کریں گے۔ یا پتھری کے مرض میں دہان فرنگ کی انگوٹھی اب نہیں پہنیں گا۔ لیکن امراض کے علاج میں دواؤں کے استعمال سے تو اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دوائیں آپ یہی سمجھ کر استعمال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر نفع پہنچانے یا نقصان سے بچانے کی تاثیر رکھی ہے۔

لیکن مشکل یہ ہے کہ حقانی صاحب کے ارشاد کے مطابق جہاں آپ نے یہ سمجھ کر کوئی دوا استعمال کی اور آپ شرک میں گرفتار ہوئے۔ مرض کی تکلیف سے گلو خلاصی تو الگ رہی شرک کا ارتکاب کرکے اُلٹے آپ اپنے جہنّم کا عذاب مول لے لیا۔ نہ یہاں کے رہے نہ وہاں کے۔

حقّانی صاحب کی اس تحریر کے بموجب اب پکا مسلمان بننے کے لیے یہ بھی ضروری ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے نباتات، جمادات، پتھروں اور جڑی بوٹیوں میں مخلوق خدا کو نفع پہنچانے کی جو تاثیر رکھی ہے آپ عملاً اور اعتقاداً اس کا بھی انکار کریں۔

ہم گنہگاروں کی بات چھوڑ یئے کہ ہم تو ان کے نزدیک ویسے بھی مشرک لیکن جو حضرات کہ حقانی صاحب پر ایمان لاکر ایک نئے اسلام سے روشناس ہوئے ہیں۔ ان سے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ بھی اپنے آپ کو اس شرک سے محفوظ رکھ سکیں گے؟

(۱۰)

اپنی کتاب کے صفحہ ۲۱۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

ہندوستان کے بعض مسلمان بھائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک

سنتے ہیں تو اپنے دونوں ہاتھ کے انگوٹھے چوم کر اپنی آنکھوں پر لگاتے ہیں اور جو اس طرح نہ کرے اُسے مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔

اب بتایئے! اس صریح بہتان کا سوا اس کے اور کیا جواب ہو سکتا ہے کہ جھوٹے پر خدا کی لعنت! دلیل کے ساتھ اختلاف رائے کوئی بُری چیز نہیں ہے لیکن اتنا کھُلا ہوا افترا جس کا نہ کوئی سر ہے نہ پیر جھوٹ بولنے کا بالکل ایک نیا ریکارڈ ہے اور بلا شُبہ اس فن کے ایجاد کا سہرا حقانی صاحب کے سر ہے اور غالباً یہی وہ ان کا قابل توصیف ہنر ہے جس نے اُنہیں اس گروہ کا مذہبی پیشوا بنا دیا ہے۔

بغیر کسی بنیاد کے جھگڑا لگانے کا یہ طریقہ اگر دنیا میں رائج کر دیا جائے تو دو آدمی بھی ایک ساتھ کبھی جمع نہ ہو سکیں. ظاہر ہے کہ جو لوگ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر انگوٹھا نہیں چومتے جب اُنہیں بتایا جائے گا کہ چومنے والے انہیں مسلمان نہیں سمجھتے تو آپس میں منافرت کی جو دیوار کھڑی ہو گی اُسے کون توڑ سکے گا۔

یہ تو میں نہیں بتا سکتا کہ حقانی صاحب کی اس کتاب سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا۔ لیکن یہ ضرور دیکھ رہا ہوں کہ اس کتاب نے مسلمانوں کے درمیان نفرت پھیلا کر دشمنانِ اسلام کا کلیجہ ٹھنڈا کیا ہے۔

اہل سنت پر حقانی صاحب کا یہ انتہائی ناپاک افترا ہے کہ وہ انگوٹھا نہ چومنے والوں کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ اگر ایسا ہوتا تو حقانی صاحب نے خود ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ کبھی چومتے ہیں کبھی نہیں چومتے، اس سے ثابت ہوا کہ انگوٹھا چومنا وہ زیادہ سے زیادہ مستحب سمجھتے ہیں اور مستحب کا حال یہ ہے کہ کرے تو اچھا ہے نہ کرے تو کوئی الزام نہیں۔

لیکن اس کا علاج ہمارے پاس کیا ہے کہ کوئی مصنف کے بجائے مسخرہ بن جائے اور شریف لوگوں کی عزت سے کھیلنا اپنا شیوا بنالے۔ حقانی صاحب کے پروانوں کو اس تحریر سے اگر کوئی تکلیف پہنچے تو ہم پر غصہ اتارنے کے بجائے وہ حقانی صاحب کو مجبور کریں کہ مسلمانوں پر لگائے ہوئے الزامات وہ ثابت کریں یا واپس لیں۔

انبیائے کرام کی شان میں گستاخیاں

یہاں تک تو کتاب کے ان حصوں پر تبصرہ تھا جس میں حقانی صاحب نے ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کو جاہل، بے دین اور مشرک بنایا ہے۔ اور جھوٹے بہتان لگا کر مسلم معاشرے میں ایک دوسرے کے خلاف منافرت پھیلانے کی نہایت مذموم خدمت انجام دی ہے۔ لیکن اب کلیجہ تھام کر شقاوتوں کی وہ داستان پڑھیے جسے پڑھ کر آپ کا دل لرز اٹھے گا۔ انبیائے کرام کی شان میں جس ملعون جسارت کے ساتھ انہوں نے گستاخی کی ہے۔ یہ انہی کا حصہ ہے۔ تحریر پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کتاب لکھتے وقت قلم کی نوک پر شیطان بیٹھ گیا تھا اور اس وقت تک وہ نہیں اترا جب تک کہ اس نے انبیاء و اولیاء شہداء اور عام مسلمانوں کی حرمتوں کا خون نہیں کرالیا۔

پہلی گستاخی

قرآن شریف کے دوسرے پارہ سورہ بقر کے سترہویں رکوع کی اس آیت کا حقانی صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے وہ ذیل میں پڑھیے:

كذالك جعلنكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس

ویکون الرسولُ علیکم شہیداً ط

ہم نے اسی طرح تمہیں عادل (انصاف کرنے والی) اُمت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔ ص۲۰

اس کے بعد لکھتے ہیں:

سبحان اللہ! یہ شان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی جو بھلائی کا حکم کرتے ہیں اور برائی سے روکنے والے ہیں۔ ان کی گواہی سے بعض نبیوں کا چھٹکارا ہوگا۔" ص۲۰

چھٹکارے کا سوال تو اُسی کے لیے پیدا ہوتا ہے جو پہلے ملزم کی حیثیت سے پکڑا جائے۔ لہٰذا ان کے کہنے کا مطلب یہ ہوا کہ خدا کے یہاں ملزم کی حیثیت سے جب انبیاء پکڑے جائیں گے تو حضور کی اُمت کے لوگ اُنھیں چھٹکارا دلائیں گے۔ خدا کی پناہ!

اور زرا ابلیسی نخوت ملاحظہ فرمایئے کہ اتنا کہہ کر وہ خاموش نہیں ہو گئے بلکہ انہوں نے ان لوگوں کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو قیامت کے دن انبیاء کو چھٹکارا دلائیں گے۔ ان کے الفاظ کے آئینہ میں آپ جھانک کر دیکھیں گے تو چھٹکارا دلانے والوں میں خود آنجناب اور ان کے ساتھیوں کی تصویر نظر آئے گی۔

ان لوگوں کی نشاندہی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ خون برساتی ہوئی آنکھوں سے یہ عبارت پڑھیے:

لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے لوگوں کو برائی سے روک کر جہالت سے نکالا ہو اور نیکی و بھلائی کا حکم کر کے شریعت پر لا کھڑا کیا۔ ص۲۰

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے "شریعت یا جہالت" نامی کتاب کے ذریعہ لوگوں کو جہالت سے نکالا اور شریعت پر لا کھڑا کیا وہی لوگ قیامت کے دن انبیاء کو چھٹکارا دلائیں گے۔

پھر یہ سوچ کر کہ اُمتِ محمدی میں تو اہل سنّت والجماعت کے لوگ بھی ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ اس عالی شان مرتبے کے وہ بھی دعویدار ہو جائیں۔ اس لیے اس کی بھی وضاحت کر دی جائے کہ اس منصب کے وہ حقدار نہیں ہیں تحریر فرماتے ہیں :

میرے عزیز! یہ ایک بہت کڑوی حقیقت ہے کہ آج اُمتِ محمدیہ کے اکثر لوگ طرح طرح کی برائیوں میں پھنس کر اس عالی شان مرتبے کو ٹھکرا رہے ہیں۔ عام جاہل لوگوں کی بات تو الگ رہی جو خاص خاص لوگ ہیں وہ بھی بدترین جہالت کے شکار ہیں۔ آپ کے سامنے ہے کہ جیب بھرو پیر اور ان کے مُرید کیسے کیسے کرتُوت پھیلا رہے ہیں۔ آپ آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ پیٹ بھرو مولوی اور ان کے مقتدیوں نے کیسے کیسے گورکھ دھندے چلا رکھے ہیں۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ گمراہ صوفیوں نے کیسا دین کے اندر طوفان بدتمیزی برپا کر رکھا ہے۔ جاہل فقیروں، کور باطن سجادہ نشینوں وام (پیسے) کے غلام مفتیوں نے کس کس طرح اپنی دکانیں سجا رکھی ہیں۔ کیا ایسے مفسد لوگ قیامت کے دن کھڑے ہو کر انبیاء علیہم السلام کا چھٹکارا کرائیں گے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ (ص ۲۰۱)

جذبۂ ایمانی کے ساتھ یہ خط کشیدہ سطریں پھر پڑھیے۔ کتنی کاری ضرب ہے انبیاء کرام کی حرمتِ خداداد پر؟

حقانی صاحب کی یہ کتاب پڑھ کر آپ اچھی طرح باخبر ہو چکے ہوں گے کہ جیب بھرو پیر، پیٹ بھرو مولوی، گمراہ صوفی، جاہل فقیر، کور باطن سجادہ نشین اور دام کے غلام مفتی جیسے معزز القاب اُنھوں نے ہم اہلِ سنّت کے لیے ایجاد کیے ہیں۔ پس خدا کا شکر ہے کہ انبیاء کرام کی بارگاہوں میں اس ملعون عبارت کی نسبت اُنھوں نے ہم اہلِ سنّت کی طرف نہیں کی اور ہمیں یہ کہنے کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی کہ اے خدا ہم پناہ مانگتے ہیں تیرے قہر و غضب سے کہ تیرے انبیاء کی شان میں یہ گستاخانہ دعوے کر کے ہم اپنی آخرت برباد کریں۔

دوسری گستاخی

یہاں تو حقانی صاحب نے اُمّتِ محمدی کے پردے میں اپنے لوگوں کو گواہ کی حیثیت سے پیش کر کے انبیاء کو چھٹکارا دلانے کا دعویٰ کیا ہے لیکن اب دو قدم آگے بڑھ کر کہتے ہیں۔

میرے پیارے بھائیو! یہ مرتبہ اور عالی شان مقام ہے۔ حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت کا کہ انبیاء علیہم السلام کے درمیان یہ لوگ گواہ، منصف فیصل اور جج بن کر کھڑے ہوں گے۔ ص ۲

خدا کی پناہ! وہاں تو اُمّت محمدی کے لوگ صرف گواہ تھے اور یہاں جج اور منصف بن گئے۔ گواہ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کسی حاکم کے سامنے کسی کے موافق یا خلاف صرف اپنا بیان دیتا ہے اور بس! لیکن جج اور منصف کا منصب گواہی دینا نہیں بلکہ ملزمین کا فیصلہ کرنا ہے۔ لہٰذا انبیاء کے درمیان اُمّتِ محمدیہ کے لوگوں کا جج اور منصف بن کر کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ قیامت کے دن اور محشر کی کرسی پر بیٹھ کر انبیاء کا فیصلہ کریں گے۔ اور معاذ اللہ!

ملزم کی حیثیت سے انبیائے کرام ان کی عدالت میں پیش کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی جناب میں گستاخی

آپ جذبۂ انصاف کے ساتھ غور کریں گے تو آپ کو واضح طور پر محسوس ہو جائے گا کہ اس ایک جملے میں حقانی صاحب نے جہاں انبیاء کی حرمت کو مجروح کیا ہے۔ وہاں خدا کی عظمتِ شان پر بھی اُنہوں نے حملہ کیا ہے کیونکہ اتنی بات تو ایک معمولی پڑھا لکھا مسلمان بھی جانتا ہے کہ قیامت کے دن خدا کے سوا کوئی جج اور منصف نہیں ہو گا اور نہ فیصل بلکہ جج منصف اور فیصل کی شان صرف اسی کی ہو گی اور وہی سب کا فیصلہ کرے گا۔ لیکن حقانی صاحب کا دعویٰ ہے کہ اُمّت محمدی کے لوگ بھی اس دن جج منصف اور فیصل کی حیثیت سے کھڑے ہوں گے۔ اور وہ بھی فیصلہ کریں گے۔

خدا کا منصب بندوں کے اندر تقسیم کر کے حقانی صاحب نے خدا کی جناب میں جو گستاخی کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے اور انبیاء کی حرمت کو یوں گھائل کیا ہے کہ اُمّت محمدی کے لوگوں کو جج اور منصف کی حیثیت سے اُنہوں نے انبیاء کے درمیان کھڑا کیا ہے جس کا کھلا ہوا مطلب ہے کہ انبیاء کا فیصلہ یہی لوگ کریں گے۔

حقانی صاحب نے قیامت کے دن کی جو تصویر یہاں پیش کی ہے ذرا آنکھ بند کر کے اس کا تصوّر کیجئے تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں گے۔

ہائے رے غیرتِ ایمانی تو کہاں مر گئی! وہ انبیائے کرام جن کے قدموں کے غبار تک بڑے بڑے صحابہ اور اولیاء بھی نہیں پہنچ سکتے ان کے متعلق چودھویں صدی کے مسخروں کا دعویٰ ہے کہ وہ قیامت کے دن اُنہیں چھٹکارا

دلائیں گے اور اُن کی رہائی کا فیصلہ کریں گے۔
معاذ اللہ ! یہی ہے ابلیسی ذہن کا وہ ننگا مظاہرہ جس پر خدا کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔

آیتِ قرآنی کے ترجمے میں خیانت

حقانی صاحب نے قیامت کے دن جج اور منصف بننے کی ہوس میں قرآن کے آیت کے ترجمے میں جو تبدیلی کی ہے ذرا اس کی ایک جھلک دیکھ لیجئے تاکہ آپ کو ان کی علمی خیانت، مذہبی بددیانتی اور مجرمانہ ذہنیت کا اچھی طرح اندازہ لگ جائے۔
آیت زیر بحث یہ ہے۔
کذالک جعلناکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیداً،
جس کا ترجمہ انہوں نے یہ کیا ہے :
ہم نے اسی طرح تمہیں عادل (انصاف کرنے والی) امّت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں۔
لیکن انہی کی جماعت کے مشہور عالم مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔
"اور ہم نے تم کو ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم (مخالف) کے مقابلے میں گواہ ہو اور تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہوں"۔ ص ۲۳
قرآن مجید کے ایک اور مشہور مترجم مولانا فتح محمد جالندھری نے اس آیت

کا ترجمہ یہ کیا ہے۔

اور اسی طرح ہم نے تم کو اُمت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور پیغمبر (آخر الزماں) تم پر گواہ بنیں۔ صد ۲۳

دیکھ رہے ہیں آپ! لفظ "وسط" کا ترجمہ سب نے معتدل یا حالت اعتدال پر کیا ہے۔ دیوبند کی مصباح اللغات کے صفحہ ۹۳۲ پر بھی "وسط" کا ترجمہ معتدل لکھا ہے۔ لیکن حقانی صاحب نے اس کا ترجمہ من مانی "عادل" کیا ہے اور اس میں بھی خیانت یہ کی ہے کہ بریکٹ کے اندر "انصاف کرنے والی" کے الفاظ اپنی طرف سے بڑھا دیئے ہیں۔ جب کہ یہاں عادل کا مفہوم انصاف کرنے والا یا کرنے والی بھی غلط ہے۔ کیونکہ عادل بنا ہے عدالت سے اور اس کے لغوی معنی ہیں گواہی کے قابل ہونا (دیکھیے مصباح اللغات صد ۵۱۴)

اب آپ یہ جاننا چاہیں گے کہ ترجمے میں یہ تبدیلیاں اُنہوں نے کیوں کی ہیں تو میں یہ عرض کروں گا کہ صرف اس لیے تاکہ کھینچ تان کر کسی طرح منصف کے معنی پیدا ہو سکے اور لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کیا جائے کہ دیکھیے قرآن نے خود اُمت محمدی کو منصف کہا ہے۔ لہٰذا ہم اگر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قیامت کے دن ہم لوگ انبیاء کرام کے درمیان منصف اور جج بن کر کھڑے ہوں گے تو کیا غلط دعویٰ ہے۔

خدا کی پناہ! دجل و فریب کی ایمان سوز شقاوتوں سے۔

آیت قرآنی کے ترجمے میں ایک جگہ اور خیانت

ترجمۂ قرآن کے سلسلہ میں حقانی صاحب کی خیانتوں کا سلسلہ چل پڑا ہے تو ایک اور جگہ اُن کی خیانت ملاحظہ فرمایئے۔ آیت یہ ہے۔ قل

یعبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ط

اس کا ترجمہ دیوبندی جماعت کے مشہور عالم مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے یہ کیا ہے:

آپ کہہ دیجیئے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے (کفر و شرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں تم خدا کی رحمت سے نا امید مت ہو۔ (صفحہ ۴۶۵)

لیکن حقانی صاحب نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے:

میری جانب سے کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم و زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے نا امید مت ہو جاؤ (صفحہ ۱۱۳)

فرق ملاحظہ فرمایا آپ نے! حقانی صاحب نے اپنے ترجمے میں "میری جانب سے" بڑھا دیا۔ جس کے لیے قرآن میں کوئی لفظ نہیں ہے اور غضب یہ ہے کہ اپنی طرف سے جو حصہ انہوں نے بڑھایا ہے اسے بغیر بریکٹ کے لکھا ہے تاکہ پڑھنے والا اس گمراہی میں مبتلا ہو جائے کہ یہ بھی قرآن کی آیت ہی کا ترجمہ ہے اور یہ خیانت انہوں نے صرف اس لیے کی ہے کہ قرآن کو وہ اپنی رسول دشمنی کا ہمنوا بنا سکیں۔

اور اس سازش کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے رسول کو حکم دیا ہے کہ آپ جن کی طرف بھیجے گئے ہیں انہیں میرے بندو! کہہ کر پکاریے یہاں عباد (بندوں) سے مراد غلام ہے اور غلام کے معنیٰ میں کا لفظ قرآن کے اندر اور جگہ بھی استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نور میں ہے:

وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم و امائکم۔

اس آیت کا ترجمہ مولانا تھانوی نے یوں کیا ہے:

اور تم میں جو بے نکاح ہوں تم ان کا نکاح کر دیا کرو اور ایسی طرح تمہارے غلام اور لونڈیوں میں سے جو نکاح کے لائق ہو اس کا بھی۔

(ص ۳۵۵۔ ترجمہ تھانوی)

لیکن حقانی صاحب کو رسول کا غلام بننا گوارہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ انبیاء کے درمیان جج بننے کے دعویدار ہیں۔ بھلا وہ غلام کیونکر بنیں گے۔

قرآن کے ترجمے میں ایک اور جگہ خیانت

سورۂ الم نشرح کی آیت کریمہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کا ترجمہ حقانی صاحب نے یہ کیا ہے:

"ہم نے تیرا ذکر بلند کیا۔ (ص ۲۱)

اس میں حقانی صاحب نے لَكَ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔ جس کے معنیٰ ہیں "آپ کی خاطر یا آپ کے لیے"

یہاں بھی آپ یہ معلوم کرنا چاہیں گے کہ انہوں نے یہ حرکت کیوں کی ہے تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ اتنی بات تو آپ بھی جانتے ہیں کہ قرآن کے اندر ایک لفظ بھی بے کار نہیں ہے۔ اس لیے لَكَ کے لفظ سے قرآن کا مدعا یہ ہے کہ آپ کا ذکر جو بلند کیا گیا ہے تو یہ اعزاز صرف آپ کے لیے ہے آپ کی دل جوئی کے لیے ہے اور آپ کی خاطر ہے۔ اس مفہوم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ محبوبیت نمایاں ہوتی ہے لیکن چونکہ حقانی صاحب کو حضور کی عظمت شان کے اظہار سے نفرت و دشمنی ہے۔ اس لیے انہوں نے اس لفظ کا ترجمہ چھوڑ دیا ہے۔

بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہی سے انہیں ایک طرح کی جلن ہے۔ جس کا ثبوت آنے والے صفحات میں آپ کو مل جائے گا۔

محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی

حقانی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۰ پر عہدِ رسالت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کفار قریش حاضر ہوئے اور حضور سے تین سوالات دریافت کیے۔ حضور نے نزول وحی کی اُمید پر اُن سے فرمایا کہ کل آنا، کل جواب دیں گے۔ حضور اس موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول گئے اس پر پندرہ دن وحی نہیں آئی۔ اس کے بعد لکھتے ہیں:

> پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام سورۂ کہف لے کر نازل ہوئے۔ اس میں انشاء اللہ نہ کہنے پر آپ کو ڈانٹا گیا۔ (ص ۷۱)

خدا کی پناہ! کلیجہ کانپ گیا اس جملے پر۔ حقانی صاحب نے "ڈانٹا گیا" کا لفظ اپنی طرف سے صرف اس لیے بڑھایا ہے تاکہ رسول کی تحقیر ہو اور پڑھنے والے یہ تاثر لے کر اُٹھیں کہ خدا کے یہاں رسول کی کوئی عزت نہیں ہے۔ ورنہ واقعہ صرف اتنا ہے کہ جبرئیل امین جو اس آیت کو لے کر اُترے اس میں رسول کو تعلیم دی گئی کہ آئندہ جب بھی کل کے بارے میں کسی کام کے کرنے کا وعدہ فرمائیں تو انشاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔ خدا اپنے رسول کا معلم ہے۔ اس نے اس آیت کے ذریعے اپنے رسول کو جو تعلیم دی ہے اسے ڈانٹنے سے تعبیر کرنا جہاں رسول کی تنقیص کرنا ہے وہاں خدا کے اوپر بھی افترا ہے کہ اس نے اپنے محبوب کو ڈانٹا۔ اور حقانی صاحب بہتان باندھ رہے ہیں کہ اس نے ڈانٹا۔ اور مان لیا تھوڑی دیر کے لیے کہ خالق و

مالک ہونے کی حیثیت سے اس نے ڈانٹا بھی تو کیا ایک وفادار اُمتی کا یہی شیوہ ہونا چاہیئے کہ تشہیر کرتا پھرے کہ ہمارے رسول کو جبرئیل امین کے ذریعہ ڈانٹا گیا۔ خدا کی لعنت ہو ایسی جسارت پر۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک اور گستاخی

کسی بھی بدخو کینہ پرور اور جھگڑالو عورت کے بارے میں آپ نے سُنا ہوگا کہ جب وہ کسی سے جھگڑا کرتی ہے تو ہوا سے لڑتی ہے۔ بالکل اسی طرح حقانی صاحب نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ عظمتوں کو مجروح کرنے کے لیے بلاوجہ کی ایک چھیڑ نکالی ہے۔ لکھتے ہیں:

ہندوستان کے اکثر مسلمانوں کی جہالت تو دیکھیے! اگر کوئی کہہ دے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے تو اس کو وہابی اور اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور بولنا چالنا اور سلام و کلام بھی اس سے حرام سمجھتے ہیں۔

(صہ ۱۸۶)

کہیئے! بالکل ہوا سے لڑنے والی بات ہوئی یا نہیں؟ حضور کو اگر ہم انسان نہیں سمجھتے تو ہر روز ذکر ولادت کی یہ محفل کیوں منعقد کرتے ہیں۔ ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہونا، دودھ پینا، پرورش پانا، یہ ساری باتیں انسان کی نہیں ہیں تو کس کی ہیں گیا فرشتے بھی ماں باپ کے ذریعہ پیدا ہوتے ہیں۔ کیا معاذ اللہ خدا کے بارے میں بھی ایسا تصور کیا جا سکتا ہے۔ مگر بات وہی ہوئی کہ جب لڑنا ہی ٹھہرا تو کوئی بات ہو یا نہ ہو ہم چھیڑ ضرور کریں گے۔

آپ کہیں گے کہ پھر حقانی صاحب کا اس چھیڑ سے مقصد کیا ہے تو اس کے لیے ہمیں کچھ کہنے سُننے کی ضرورت نہیں ہے خود اُنھوں نے ہی اپنا مقصد بیان

کر دیا ہے ۔ فرماتے ہیں :

ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے یا نہیں ؟ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان نہیں تھے تو پھر جوتا سی لینا اور بکری کا دودھ دوہ لینا یہ سب کام انسان کے ہیں یا اور کسی کے ؟

(صہ ۱۹۲)

بس اتنا ہی کہنے کے لیے انہوں نے شروع میں ہمارے خلاف یہ جھوٹا الزام تراشا تھا کہ ہم حضور کو انسان نہیں سمجھتے تاکہ اپنے دل کا غبار نکالنے کے لیے ایک بنیاد مل جائے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جوتا سینے والا ، کپڑا بننے والا اور وہ دودھ دوہنے والا ثابت کر کے حقانی صاحب کا کلیجہ ٹھنڈا ہو گیا ۔ اب اس کے علاوہ بھی حضور کچھ تھے یا نہیں ؟ تو اسے آپ سمجھیے ۔ ان کا مقصد تو اتنا ہی تھا کہ انسانی لوازمات کے پردے میں حضور کی پیغمبرانہ عظمتوں کو چھپا دیا جائے اور وہ پورا ہو گیا ۔

کہیئے ! کیا اب بھی اس بحث کی گنجائش ہے کہ حقانی صاحب کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں اور کس کا حقِ نمک ادا کر رہے ہیں ۔

الزام الٹ گیا

حقانی صاحب نے ہم اہل سنّت پر جو یہ بہتان تراشا ہے کہ ہم حضور کو انسان نہیں سمجھتے تو اس سے ان کا مدعا یہ ہے کہ ہم حضور کو ان کے درجے سے زیادہ بڑھا دیتے ہیں ۔ لیکن یہ معلوم کر کے آپ سر پیٹ لیجئے گا کہ ایک طرف تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسان ثابت کرنے کے لیے یہ لوگ قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں حدیثوں سے دلیل پکڑتے ہیں اور آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں کہ حضور کو انسان

نہیں سمجھا گیا تو قرآن و حدیث کا انکار لازم آئے گا۔

لیکن اپنی جماعت کے بزرگوں کے بارے میں ان حضرات کا کیا عقیدہ ہے اگر آپ اُسے پڑھ لیں تو آنکھوں میں خون اُتر آئے گا۔ ملاحظہ فرمایئے! دیوبندی جماعت کے مشہور مصنف مولانا مناظر احسن گیلانی نے بانی دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کے متعلق اپنی جماعت کے بزرگوں کا یہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے۔

میں نے انسانیت سے بالا درجہ ان کا (مولانا نانوتوی) دیکھا۔ وہ ایک فرشتہ مقرب تھا جو انسانوں میں ظاہر کیا گیا۔

(سوانح قاسمی ج۔ ا ص ۱۳۰ شائع کردہ دار العلوم دیوبند)

جذبۂ عقیدت کی ترنگ اسے کہتے ہیں۔ اب یہاں کوئی نہیں کہتا کہ جب وہ کھاتے پیتے تھے سوتے جاگتے تھے اور بول و براز کرتے تھے تو فرشتہ مقرب کیونکر ہو سکتے ہیں اور انسانیت سے بالاتر درجہ جب رسول کا نہیں ہو سکتا تو ایک ادنیٰ اُمتی کا کیونکر ہو جائے گا۔

یہیں سے سارا فرق واضح ہو جاتا ہے کہ کسے یہ لوگ اپنا سمجھتے ہیں اور کسے بیگانہ اور جسے اپنا سمجھتے ہیں اس کی عظمتوں کے اظہار کے لیے کتنا کھلا دل رکھتے ہیں اور جسے بیگانہ سمجھتے ہیں اُس کی طرف سے دل کی تنگیوں کا کیا عالم ہوتا ہے۔

مثال کے طور پر

مولانا حسین احمد صاحب جو دیوبندی جماعت کے ایک مشہور پیشوا ہیں اُن کے متعلق ان کے چاہنے والوں کا عقیدہ پڑھیے جو الجمعیۃ دہلی کے شیخ الاسلام نمبر میں چھاپ دیا گیا۔ لکھتے ہیں:

تم نے کبھی خدا کو بھی اپنی گلی کوچوں میں چلتے پھرتے دیکھا ہے کبھی خدا کو

بھی اس کے عرش عظمت وجلال کے نیچے فانی انسانوں سے فروتنی کرتے دیکھا ہے؟، کبھی تصور بھی کر سکے کہ رب العالمین اپنی کبریائیوں پر پردہ ڈال کر تمہارے گھروں میں آکر رہے گا، تم سے ہم کلام ہوگا، تمہاری خدمتیں کرے گا۔

نہیں! ہرگز نہیں!! ایسا نہ کبھی ہوا ہے نہ کبھی ہوگا! تو پھر میں دیوانہ ہوں، مجذوب ہوں کہ بڑ ہانک رہا ہوں۔ نہیں بھائیو، یہ بات نہیں ہے سڑی ہوں نہ سودائی، جو کچھ کہہ رہا ہوں سچ ہے حق ہے مگر سمجھ کا ذرا سا پھیر ہے۔ حقیقت و مجاز کا فرق ہے۔ محبت کا معاملہ ہے۔
(شیخ الاسلام نمبر صہ ۵۹)

اس کے بعد ٹیپ کا بند ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں:

تو پھر خدارا بتاؤ، جن آنکھوں نے گزی گاڑھے میں ملفوف (یعنی ملبوس) اس بندے کی دیکھا ہے وہ کیوں نہ کہیں کہ ہم نے خود اللہ بزرگ و برتر کا جلوہ اپنی اسی سرزمین پر دیکھا ہے — حسین احمد! اور تم کیا جانو حسین احمد کو!
(صہ ۵۹)

کہیئے! اب تو سمجھ میں آگیا ہوگا کہ عقیدت و محبت کی لگن کیا چیز ہوتی ہے۔ ہم نبی اور ولی کے بارے میں ایسی بات منہ سے نکال دیں تو ہماری گردن ناپ دی جائے اور وہ اپنے "مولانا" کے بارے میں لکھ کر چھاپ رہے ہیں تو انہیں سات خون معاف ہیں۔

مسلمانوں کی غیرت ایمانی کو آواز

خفاجی صاحب کی کتاب سے شانِ خداوندی میں گستاخی، انبیائے کرام کی

اہانت رسول عربی کی تنقیص اور قرآن مجید کے ترجموں میں خیانت کے جو الزامات پچھلے اوراق میں ثابت کیے گئے ہیں ایک بار پھر انہیں پڑھیے اور جذبۂ انصاف کے ساتھ فیصلہ دیجئے کہ ان مضامین سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگتی ہے یا نہیں ؟

غیروں کے ستم کا گلہ کرنے والو
ذرا گھر کے قاتلوں کا بھی چہرہ دیکھو

دلائل و مسائل

یہاں تک تو حقانی صاحب کی کتاب کے ان حصوں پر بحث تھی جن میں انہوں نے اللہ و رسول کی شان میں بے ادبی کی ہے اور عام مسلمانوں کو گالی دے کر اور انہیں مشرک و بے دین بنا کر ان کا دل دکھایا ہے۔

لیکن اب انہوں نے اپنی کتاب میں جو مسائل بیان کیے ہیں اور اپنے مدعا کے ثبوت میں جو دلیلیں پیش کی ہیں ان پر بحث شروع کرتا ہوں۔ تاکہ آپ ان کی بددیانتی ان کی علمی لیاقت اور ان کی نیک طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو جائیں۔

وہابی کہنے کی بحث

حقانی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۸۷ پر "وہابی" کے لفظ کو گالی سے تعبیر کیا ہے اور نہایت دل آزار لفظوں میں ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو کسی کو وہابی کہتے ہیں حقانی صاحب عام مسلمانوں کو فریب دینے کے لیے اسٹیج پر اپنی بابت یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ نہ دیوبندی ہیں نہ بریلوی۔ لیکن ان کی کتاب "شریعت یا جہالت" کے ابتدائی صفحات میں ان کا جو تعارف کرایا گیا ہے۔ اس نے ان کے فریب کا پردہ چاک کر دیا

ہے۔ تعارف کرانے والے نے ان کی بابت لکھا ہے کہ — مولانا حقانی خالص حنفی عالم ہیں جن کا تعلق تبلیغی جماعت سے ہے۔ (صـــ۲۲) اور تبلیغی جماعت کے متعلق یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ دیوبندی جماعت کا دوسرا نام ہے۔

اتنا ذہن نشین ہو جانے کے بعد اب میں اس امر پر روشنی ڈالنا چاہتا ہوں کہ "وہابی" کا لفظ واقعۃً گالی ہے یا تبلیغی جماعت کے بزرگوں کا پسندیدہ لقب ہے اگر تبلیغی جماعت کے بزرگوں نے اس لفظ کو خود اپنے لیے پسند فرمایا ہے اور خود اپنے آپ کو اس لفظ سے موسوم کیا ہے تو بلا شبہ وہابی کا لفظ گالی نہیں ہے بلکہ ایک پسندیدہ لقب ہے۔

اب ملاحظہ فرمایئے تبلیغی جماعت کے مرکز ہدایت مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے ایک موقعہ پر سُنی مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے اپنے لوگوں کے بارے میں ارشاد فرمایا :۔

بھائی یہاں وہابی رہتے ہیں یہاں فاتحہ درود کے لیے کچھ مت لایا کرو۔
(اشرف السوانح ج ۱ صـــ۴۵)

تبلیغی جماعت کے دوسرے سربراہ مولوی منظور نعمانی اپنے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں :

اور خود ہم اپنے بارے میں بھی صفائی عرض کرتے ہیں کہ ہم بڑے سخت وہابی ہیں۔ (سوانح مولانا محمد یوسف صـــ۱۹۰)

تبلیغی جماعت کے موجودہ امام مولانا محمد زکریا صاحب مولانا نعمانی کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"مولوی صاحب! میں خود تم سے بڑا "وہابی" ہوں"۔ (سوانح مولانا یوسف صـــ۱۹۲)

اب آپ ہی انصاف کیجئے! مولانا اشرف علی تھانوی سے لے کر مولانا زکریا

تک سب نے نہایت فراخدلی کے ساتھ اپنے بارے میں یہ اقرار کیا ہے کہ وہ "وہابی" ہیں۔ "سب سے بڑے وہابی ہیں" اگر وہ اسے گالی سمجھتے تو اپنے منہ سے وہ اپنے آپ کو گالی نہیں دیتے۔ اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہ تبلیغی جماعت کے بزرگوں کا پسندیدہ لقب ہے۔ اس لقب سے اگر تبلیغی جماعت کے لوگوں کو کوئی یاد کرتا ہے تو بُرا ماننے کے بجائے انہیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے کہ وہ بغیر کسی طلب کے ان کے بزرگوں کا پسندیدہ لقب لوگوں میں رائج کر رہا ہے۔

لہٰذا حقانی صاحب اگر نقال تبلیغی نہیں ہیں بلکہ سچے تبلیغی ہیں تو انہیں چاہیئے کہ وہ ان مسلمانوں سے معافی مانگیں جن کی انہوں نے وہابی کہنے پر اپنی کتاب میں مذمت کی ہے اور مومن کا دل دکھا کر خدا کا عذاب مول لیا ہے۔

کافر کو کافر کہنے کی بحث

حقانی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۰۵ پر لکھا ہے کہ کسی کافر کو بھی کافر کہنا مکروہ ہے۔ یعنی مکروہ تحریمی ہے۔ حرام کے قریب ہے۔ یہ تو رہا چھوٹے میاں کا بیان، اب ان کے بڑے میاں کا بیان سنیئے۔ دیوبندی جماعت کے مشہور مناظر مولانا مرتضے احسن چاندپوری اپنی کتاب "اشد العذاب" شائع شدہ دارالعلوم دیوبند کے صفحہ ۱۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

"جو کافر کو کافر نہ کہے وہ خود کافر ہے۔"

مسئلے کی بحث تو الگ رہی اب یہاں سب سے مشکل سوال یہ پیدا ہو گیا کہ کافر کو کافر کہنے سے اگر حقانی صاحب کو انکار ہے تو دیوبند کے اس فتوے کی رو سے وہ کیا ہوئے اسے وہ خود سمجھیں۔

اب رہ گئی یہ بحث کہ حقانی صاحب کی بات کہاں تک درست ہے؟

تو اس کا فیصلہ خود قرآن میں موجود ہے۔ اس کی طرف رجوع کیجئے۔ حقیقت بالکل واضح ہو جائے گی۔ سورۃ کافرون میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولِ پاک کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ اس آیت کا ترجمہ دیوبندی مذہب کے پیشوا مولانا تھانوی نے یوں کیا ہے۔

"آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اے کافرو!"

ایک طرف حقانی صاحب لکھتے ہیں کہ کافر کو اے کافر کہنا مکروہ تحریمی ہے ص۱۰۱ اور دوسری طرف خدا اپنے رسول کو حکم دیتا ہے کہ آپ کافر کو اے کافر کہہ کر خطاب کیجئے اب اس سوال کا جواب حقانی صاحب ہی کے ذمہ ہے کہ کیا خدا نے اپنے رسول کو ایک ایسے کام کا حکم دیا ہے جو مکروہ تحریمی ہے۔ یعنی حرام کے قریب ہے اور سب سے دلچسپ سوال تو یہ ہے کہ —— اسی بحث میں حقانی صاحب نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۵ پر بخاری شریف کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے کہا کہ اے کافر تو ان دونوں میں سے ایک ایسا ہی ہو گا۔

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے اُنہوں نے لکھا ہے۔

"یعنی جس مسلمان کو کافر کہا گیا ہے وہ یقیناً کافر ہے تو کچھ حرج نہیں (ص۹۵)

اپنے آپ کو جھٹلانے کی اس سے زیادہ واضح مثال شاید آپ کو کہیں نہ مل سکے گی۔ ایک ہی بات صفحہ نمبر ۱۰۱ پر مکروہ تحریمی ہے اور یہاں فرماتے ہیں" کچھ حرج نہیں۔ میں کہتا ہوں جب وہ مکروہ تحریمی ہے تو حرج کیوں نہیں؟ اور جب کچھ حرج نہیں تو وہ مکروہ تحریمی کیوں ہے؟

دیکھ لیا آپ نے ایک ہی رات میں مولانا بن جانے کا یہی انجام ہوتا ہے۔

میلاد کی بحث

میلاد کے خلاف حقانی صاحب نے اپنی کتاب میں تین دلیلیں پیش کی ہیں اور تینوں دلیلیں ایسی معرکۃ الآراء ہیں کہ آپ پڑھ کر عش عش کر اٹھیں گے۔ پہلی دلیل ملاحظہ فرمایئے :

میلاد میں قریب قریب سب ہی لوگ جاہل ہوتے ہیں۔ شریعت کا پابند شاید ہی اس میں سے کوئی ملے۔ نہ تو میلاد پڑھنے والوں میں شریعت کی پابندی ہوتی ہے اور نہ ہی سننے والوں میں۔ کیونکہ میلاد پڑھتے ہیں اور پڑھوانے والے بھی جہالت کی وجہ سے پڑھواتے ہیں۔ (صفحہ ۸۴)

شاباش! یہ ہے میلاد کے حرام ہونے کی دلیل! اب آپ ہی بتایئے کہ اسے دلیل کہیں کہ دلال! شریعت کا یہ عجیب نکتہ امام اعظم ابو حنیفہ کو بھی نہیں سوجھا تھا کہ مسجدوں میں جاہل اور بے شرع لوگوں کا داخلہ بند کرادیں اور عرفات کے میدان سے ایسے تمام لوگوں کو چن چن کر نکلوا دیا جائے جو لوگ شریعت کے پابند نہیں ہیں تاکہ لوگوں کا حج خراب نہ ہو۔

معاذ اللہ! اس فہم و لیاقت پر حقانی صاحب کے پروانے اپنا سر دھنتے ہیں اور انہیں زمین و آسمان کا سب سے بڑا مولانا سمجھتے ہیں۔

اس تحریر میں ذہن و فکر کے افلاس کا ماتم اپنی جگہ پر ہے لیکن یہ ابلیسی نخوت کس درجہ اذیت ناک ہے کہ ہماری محفل میلاد میں سبھی جاہل و خطاکار اور آپ کی محفل وعظ میں سبھی فرشتے اور بے گناہ!

اور یہ سوال بھی اپنی جگہ پر ہے کہ جاہل اور بے شرع لوگوں کے بیٹھنے سے اگر کوئی محفل حرام ہو جاتی ہے تو بتایا جائے کہ ان کی اصلاح کا ذریعہ کیا ہے۔

کہاں انہیں بیٹھایا جائے کہ محفل بھی حرام نہ ہو اور خدا و رسول کی بات بھی ان تک پہنچ جائے۔

یہاں تک تو میلاد میں شریک ہونے والوں کا حال بیان ہوا۔ اب میلاد پڑھنے والوں کا حال سنیے۔ لکھتے ہیں۔

ان کا حال یہ ہے کہ وہ نماز تک نہیں پڑھتے اور اگر نماز پڑھتے ہیں تو روزے نہیں رکھتے اور اگر نماز روزہ کرتے ہوں گے تو شریعت کے مطابق شکل یا لباس نہیں ہوگا اور اگر یہ بات ہوگی تو اخلاق شاید ہی کسی کے ٹھیک ہوں۔ (ص ۴۶۵)

داد دیجیے عیب تلاش کرنے والی اس نگاہ کو جس نے زندگی کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا ہے۔ دونوں عبارتوں کو اگر جوڑ دیا جائے تو ان کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ اس دھرتی پر سر سے پاؤں تک عیب کا مجموعہ، بے نمازی، جاہل، بے دین، بے عمل اور بدشکل اگر کوئی ہے تو وہ صرف سُنّی مسلمان ہیں اور بے عیب ذات صرف آپ کی ہے اور آپ کے فرشتہ خصلت ہمنواؤں کی!

اب دوسری دلیل ملاحظہ فرمایئے تحریر فرماتے ہیں:

آپ نے دیکھا ہوگا کہ گھر کے اندر میلاد پڑھی جاتی ہے تو باہر بیٹھنے والے مزے سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ (ص ۴۸۱)

اللہ اکبر! میلاد کے حرام ہونے کی یہ دوسری دلیل بھی کسی کولڈ اسٹور میں رکھنے کے قابل ہے تاکہ سڑنے گلنے سے محفوظ رہے۔ ان کے کہنے کا مدعا یہ ہے کہ میلاد کی محفل کہیں ہو تو سارے محلے میں کرفیو نافذ کر دیا جائے کہ کوئی بات نہ کرے۔ ورنہ چوپٹ راجہ میلاد ہی کو ممنوع قرار دے دیں گے اور نمازیوں کو بھی آج سے باخبر کر دیا جائے کہ اپنی نماز کی خیر چاہتے ہو تو جو لوگ نماز نہیں پڑھ رہے ہیں ان کے منہ میں کپڑا

ٹھونس دو کیونکہ اُنہوں نے ذرا سی بھی آپس میں کانا پھوسی کی ان کا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ البتہ تمہاری نماز حرام ہو جائے گی۔

میں نہیں سمجھتا کہ حقانی صاحب نے ہوش و حواس کی حالت میں یہ کتاب لکھی ہے یا اُس وقت وہ کسی غشّی میں تھے۔ اُنہوں نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ ان کی یہ تحریر اہلِ علم بھی پڑھیں گے۔ آخر وہ کیا سوچیں گے اور نہ اُنہیں یہ یاد رہا کہ میلاد کی حرمت پر وہ جو دلیلیں پیش کر رہے ہیں ان ہی دلیلوں سے ان کی محفلِ وعظ بھی تو حرام ہو سکتی ہے۔

اب تیسری دلیل ملاحظہ فرمایئے۔ "عین الہدایہ" نام کی کسی اُردو کتاب سے میلاد کے خلاف ایک فتویٰ نقل کرتے ہیں:

جو لوگ مجلسِ میلاد میں راگ کے اشعار پڑھتے ہیں تو پڑھنا اور سننا دونوں حرام ہے اور پڑھنے والوں پر خوف شدید ہے (کفر ہے) (ص۴۷۵)

میلاد پڑھنے والوں کو کافر بنانے کے شوق میں حقانی صاحب نے اپنی طرف سے بریکٹ کے اندر "کفر کا" لفظ بڑھا دیا۔ ٹھیک ہی کہا ہے بزرگوں نے کہ خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں چھین لیتا ہے۔ یہ فتویٰ نقل کرتے وقت حقانی صاحب نے اتنا نہیں سوچا کہ میں بھی تو آخر محفلِ وعظ میں راگ کے ساتھ قوالی گاتا ہوں۔ اگر راگ کے ساتھ اشعار پڑھنا اور سننا میلاد میں حرام ہے تو وعظ میں کیسے جائز ہو جائے گا راگ کے ساتھ اشعار پڑھنے والوں پر جب کفر کا خوف ہے تو لَے اور سُر کے ساتھ گانے والے کیونکر کفر سے محفوظ رہ سکیں گے۔

میلاد کے خلاف حقانی صاحب کی پیش کردہ تینوں دلیلوں کا حشر آپ نے دیکھ لیا۔ بتایئے! ان میں سے کوئی دلیل بھی اس قابل ہے کہ اہلِ علم اس کی طرف توجہ کریں۔ جواب دینے کی بات تو الگ رہی میں تو خیال کرتا ہوں کہ ان خرافات کو پڑھنا بھی

اہلِ علم اپنی توہین سمجھیں گے۔

قیام کی بحث

قیام کے خلاف حقانی صاحب نے جس دلیل کو بار بار دہرایا ہے وہ یہ ہے۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حیات طیبہ میں قیام کو پسند نہیں فرمایا تو بعد وفات کیسے پسندیدہ ہوگیا۔ (صـ۴۵۳)

۲۔ آپ صاحبان نے پڑھ لیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو قیام سے منع فرمایا۔ (صـ۴۵۹)

۳۔ مذہب تو اس کو کہتے ہیں جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہو، جب حدیثوں سے قیام کرنا منع ثابت ہے تو پھر تاویلیں کرنا بے کار ہے۔ فوراً مان لینا چاہیئے۔ اسی کا نام ایمان ہے۔ (صـ۴۵۰)

لیکن منع والی حدیث کے ساتھ ساتھ حقانی صاحب نے ایک حدیث اور نقل کی ہے جو عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی تھیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے اُٹھتے اور ان کی پیشانی کا بوسہ لیتے اور اپنے پاس بٹھاتے اور جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس جاتے تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھ جاتی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بوسہ لیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔ (صـ۴۵۴)

اب سوال یہ ہے کہ قیام اگر حضور کو ناپسند تھا تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور کے لیے کیوں قیام کرتی تھیں۔ کیا اُنہیں حضور کی ناپسندیدگی کا علم نہیں تھا یا معاذ اللہ! جان بوجھ کر وہ حضور کے حکم کی نافرمانی کرتی تھیں اور دوسرا سوال یہ ہے

کہ حضور نے جس طرح صحابہ کرام کو قیام کرنے سے منع فرما دیا تھا۔ سیدہ فاطمہ کو نہیں منع کیا۔ تیسرا سوال یہ ہے کہ جب حضور کو اپنے لیے قیام پسند نہیں تھا تو خود سیدہ فاطمہ کے لیے کیوں قیام فرماتے تھے۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہے کہ اپنے لیے قیام کرانا اور دوسروں کے لیے قیام کرنا دونوں حضور کے نزدیک جائز تھے۔

اس کا جواب حقانی صاحب نے یہ دیا ہے:

یہاں پر جو بات چل رہی ہے وہ ساری جماعت کی ہے۔ یعنی مجلس میلاد میں ساری جماعت کا اُٹھنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ ساری جماعت کے اُٹھنے کا ثبوت آپ کو کہیں سے بھی نہیں ملے گا۔ (ص۵۵۴)

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ والی حدیث سے صرف فرداً فرداً قیام کا ثبوت ملتا ہے۔ پوری جماعت کے قیام کا ثبوت نہیں ملتا۔ جب کہ میلاد میں پوری جماعت قیام کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ پوری جماعت کے قیام کا ثبوت تو خود ان ہی کی کتاب میں موجود ہے جب وہ خود اپنی لکھی ہوئی کتاب نہیں سمجھ سکتے تو دوسروں کی کتاب کیا سمجھیں گے۔ اسی سے یہ اندازہ لگا لیجیے اُن کے علم و فہم کا۔ موصوف نے فتاویٰ قاضی خان کے حوالہ سے قیام ہی کی بحث میں تحریر فرمایا ہے۔

چند لوگ قرآن پڑھتے ہوں یا ایک شخص قرآن پڑھتا ہے پھر اس کے پاس کوئی خاص میں سے آیا تو فقہاء نے کہا ہے کہ آنے والا مرد عالم ہو یا قاری کا باپ یا اُستاد تو اس کے واسطے سے اُٹھنا جائز ہے (ص۵۵۴)

اس عبارت سے واضح طور پر یہ بات ثابت ہو گئی کہ چند لوگ قرآن پڑھتے ہوں تو عالم، اُستاد یا باپ کے لیے سب کا قیام کرنا جائز ہے۔ کیوں کہ یہ عین ممکن ہے کہ آنے والا سب کا اُستاد ہو یا سب کا باپ ہو یا سب کے لیے قابلِ احترام عالم ہو تو ایسی صورت میں جب سب کے سب ایک ساتھ اُٹھیں گے تو

ساری جماعت کا قیام تو خود ہی ثابت ہو گا۔ اب اس کا جواز ثابت کرنے کے لیے مزید کسی دلیل کی حاجت ہی کیا باقی رہی۔ فقہاء کا کلام سمجھنے کے لیے حسن فہم و بصیرت کی ضرورت ہے اگر وہی کسی کے اندر موجود نہ ہو تو اس کا علاج ہمارے پاس کیا ہے؟

یہاں ایک سوال اور بھی ہے جو صاحب فہم کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہے اور یہ ہے کہ تلاوت قرآن کی حالت عین عبادت کی حالت ہے اور اس حالت میں بھی فقہاء نے باپ، اُستاد اور عالم دین کے لیے قیام کی اجازت دی ہے اسی سے بزرگوں کے قیام تعظیمی کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ عبادت کی حالت میں بھی اُسے نہیں ترک کیا گیا۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ حقانی صاحب کی تحریر کے مطابق جب حدیثوں سے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے قیام کی ممانعت ثابت ہے تو فقہائے احناف نے اُمتی کے لیے کیوں جائز قرار دیا۔ کیا اس بات سے فقہاء پر رسول کی نافرمانی کا الزام نہیں عائد ہوتا؟

تیسرا سوال یہ ہے کہ حقانی صاحب کی تحریر کے مطابق جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ میں قیام کو ناپسند فرمایا اور وفات کے بعد بھی قیام انہیں ناپسند ہے تو فقہائے احناف نے حضور کے روضۂ مبارک پر حاضر ہونے والوں کو اس بات کی کیوں تلقین فرمائی ہے کہ وہ حضور کے روضہ کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں اور اسی ہیئت کے ساتھ صلوٰۃ و سلام عرض کریں۔

(حوالہ کے لیے دیکھئے عالمگیری باب زیارۃ قبر النبی، ملتقی الابحر ج ۱ صہ ۳۱۳، ارشاد الساری ملا علی قاری صہ ۲۲۸)

اس تلقین سے فقہائے احناف پر کیا یہ الزام عائد نہیں ہوتا کہ اُنہوں نے اُمت

کو حضور کے حکم اور مرضی کے خلاف ایک کام کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور وہ بھی عین حضور کے روبرو۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ حقانی صاحب نے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قیام کو اپنے لیے ناپسند فرمایا ہے اور منع کر دیا ہے تو ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم حضور کی اطاعت کے جذبے سے قیام سے رُک جائیں۔ لیکن اپنی اسی کتاب میں اُنھوں نے ایک حدیث اور نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

کسی شخص نے آپ سے کہا کہ اے محمد! اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے، ہم سب سے بہتر! اور بہتر کے لڑکے! آپ نے فرمایا۔ لوگو! اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو۔ تمہیں شیطان ادھر اُدھر نہ کر دے میں محمد بن عبداللہ ہوں۔ میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں۔ قسم خدا کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھاوو۔ (ص ۲۴۳)

اس حدیث کے ذیل حقانی صاحب لکھتے ہیں:۔

میرے عزیز دوستو! خوب سوچو! کہ کہنے والے نے کوئی کھوٹی یا بری بات تو نہیں کہی تھی پھر بھی اس کو روک دیا گیا۔ کیونکہ اگلی اُمتوں کی گمراہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے پھر رہی تھی۔

جب حضور نے ہمارے سردار کہنے سے روک دیا تو دو لفظوں میں جواب دیجئے کہ اس ممانعت کے بعد حضور کو "سردار" کہنا جائز ہے یا نہیں۔ اگر جائز نہیں ہے تو آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۰۳ پر حضور کو سردار انبیاء لکھ کر حضور کے حکم کی صریح خلاف ورزی کی ہے یا نہیں؟ اور اگر جائز ہے تو جس چیز سے حضور منع فرما دیں وہ کیونکر جائز ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حوالہ دے کر

جب مسلمانوں کو قیام سے روکا جاتا ہے تو تابعداری کا تقاضہ ہے کہ سردار کہتے سے بھی روکا جائے۔ یہ کیا ہے کہ کچھ باتوں میں تو اطاعت کی جائے اور کچھ باتوں میں نافرمانی۔ کسی حال میں بھی سچے مسلمان کا یہ شیوہ نہیں ہو سکتا۔

اس کے جواب میں شاید آپ یہ کہیں گے کہ یہاں ممانعت حقیقت پر مبنی نہیں ہے بلکہ انکسار و تواضع پر ہے۔ میں عرض کروں گا کہ بالکل یہی صورت قیام کے مسئلے کی بھی ہے اگر وہاں ممانعت حقیقت پر محمول ہوتی تو سیدہ فاطمہ کبھی قیام نہ فرماتیں۔ فقہائے احناف حضور کے روضۂ مبارک پر حاضر ہونے والوں کو بحالتِ قیام سلام پڑھنے کا کبھی حکم نہ دیتے اور شرع میں رسول کے لیے اگر قیام حرام ہوتا تو استاد باپ اور عالم دین کے لیے ہرگز قیام کی اجازت نہ ملتی۔ اور یہ بھی سُن لیا جائے کہ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ اُمت کے معتمد علماء اور اسلام کے عظیم المرتبت ائمہ کا یہی مسلک ہے۔ یہاں تک کہ دیوبندی جماعت کے مشہور پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی نے بھی یہی کہا ہے۔ جیسا کہ فتاویٰ اشرفیہ میں وہ لکھتے ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے (قیام) کیوں نہیں پسند فرمایا۔ اس کی وجہ تواضع و سادگی و بے تکلفی تھی چنانچہ مرقات میں مصرح ہے۔

(فتاویٰ اشرفیہ ج ۱ ص ۱۸۲)

حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے متعلق حقانی صاحب کا یہ کہنا جمہور علمائے اسلام کے مسلک کے خلاف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو کھڑے ہونے کا جو حکم دیا تھا وہ اظہار تعظیم کے لیے نہیں تھا۔ بلکہ سواری سے اُتارنے کے لیے تھا۔ کیوں کہ مسلم شریف کی اسی حدیث کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا ہے اس حدیث سے بزرگوں کے لیے قیام تعظیمی کا ثبوت ملتا ہے اور اسی بنیاد پر جمہور علماء نے قیام کے مستحب ہونے کا فتویٰ دیا

ہے۔ (مسلم شریف ج ۲ ص۹۵)

علاوہ ازیں حقانی صاحب جس دیوبندی مکتب فکر کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کا بھی عمل درآمد اسی مسلک پر ہے کہ حضور کا یہ حکم حضرت سعد کی تعظیم کے لیے تھا۔ جیسا کہ الجمعیۃ کے شیخ الاسلام نمبر میں اس کی صراحت ان لفظوں میں موجود ہے۔

دار العلوم دیوبند کا روایتی طریقہ قوموا لسیدکم کے مطابق یہ رہا ہے کہ بڑوں کی آمد کے وقت ادباً چھوٹے کھڑے ہو جاتے ہیں!

(شیخ الاسلام نمبر ص۹۴)

یوں ہی حقانی صاحب کا یہ الزام بھی نہایت جھوٹا افترا ہے کہ میلاد کی محفل میں ہم کھڑے ہوتے ہیں کہ حضور تشریف لاتے ہیں۔ یہ اگرچہ ناممکن نہیں ہے جیسا کہ خود حقانی صاحب نے اپنی اسی کتاب میں اعتراف کیا ہے۔

میرا ایمان و عقیدہ تو یہ ہے کہ کسی خاص غلام پر کرم فرما کر آنا چاہیں تو انشاء اللہ یقیناً آسکتے ہیں اور جن مجالس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاتے ہیں وہ مجالس انوار سے بھرپور اور خوشبو سے معطر ہو جاتی ہے۔ (شریعت یا جہالت) ص۴۶۳

لیکن اس اعتقاد کو قیام کی بنیاد دینا غلط ہے بلکہ ہم اس لیے کھڑے ہوتے ہیں کہ قیام اظہار تعظیم کا ایک معروف ذریعہ ہے اور بارگاہ رسالت میں ذہنی استحضار اور سرور کائنات کے ساتھ شعوری ارتباط کی اس سے تجدید ہوتی ہے اور تصور کی بنیاد پر غائبانہ تعظیم کا سلسلہ شریعت میں پہلے سے موجود ہے۔ جیسا کہ بول و براز کی حالت میں خانہ کعبہ کی طرف رُخ اور پشت کرنے سے منع کیا گیا ہے اور یہ حکم ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہے عام ازیں کہ کعبہ ان کے پیش نظر نہ ہو۔

خدا کا شکر ہے کہ قیام کی بحث اپنی جملہ تفصیلات کے ساتھ یہاں تمام ہو گئی اور حقانی صاحب نے قیام کے خلاف جو دلائل پیش کیے تھے اُنہی سے قیام کا جواز ثابت کر دیا گیا۔ اس طرح انہی کی تلوار سے ان کا سر قلم ہوا۔

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو بھائی کہنے کی بحث

عالم اسلام کی طرف سے دیوبندی جماعت کے علماء پر سالہا سال سے یہ الزام عائد ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہتے ہیں۔ بھائی کے مفہوم میں چونکہ برابری کا تصور داخل ہے اس لیے نبی کو بھائی کہنا نبی کی تنقیص شان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اخوت انسانی کے رشتے کے باوجود کوئی اپنے باپ، اُستاد اور پیر کو بھائی نہیں کہتا۔

حقانی صاحب نے اس الزام کا جواب دینے اور حضور کو بھائی ثابت کرنے کے لیے ایک نیا راستہ تلاش کیا ہے۔ اُنہوں نے کہا ہے کہ ہم حضور کو بھائی نہیں کہتے بلکہ خود حضور نے ہم کو بھائی کہا ہے۔ کوڑی تو حقانی صاحب بہت دور کی لائے ہیں۔ لیکن اسے کیا کیجئے گا بہت زیادہ چالاکی بھی آدمی کو لے ڈوبتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر آپ حضور کو اپنا بھائی نہیں کہتے تو یہ صفائی کس بات کی پیش کر رہے ہیں۔

یہیں سے آپ حضرات کی چوری صاف پکڑی جا سکتی ہے کہ آپ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی کہتے ہیں اور کہا ہے۔ لیکن جھوٹے کو گھر تک پہنچا دینے کے اصول پر آپ حضرات ہی کی کتابوں سے آپ کا جھوٹ فاش کر دینا چاہتا ہوں۔

یہ دیکھئے دیوبندی فرقے کی مستند کتاب براہین قاطع کے صفحہ ۳ پر مولوی

خلیل احمد انبیٹھوی لکھتے ہیں :

پس اگر کسی نے بوجہ بنی آدم ہونے کے آپ کو بھائی کہا تو کیا خلاف نص (قرآن وحدیث) کے کہہ دیا وہ تو خود نص (قرآن وحدیث) کے موافق کہتا ہے :

اور اس سے بھی واضح ثبوت دیکھنا چاہتے ہوں تو دیوبندی مذہب کی بنیادی کتاب تقویت الایمان کی یہ عبارت ملاحظہ فرمائیں ۔ لکھتے ہیں کہ :

اولیاء، انبیاء، امام زادہ، پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی مگر اُن کو اللہ نے بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے ہم کو ان کی فرمانبرداری کا حکم ہے ۔ ہم ان کے چھوٹے بھائی ہوئے ۔ سو ان کی تعظیم انسانوں کی سی کرنی چاہیئے ۔ (تقویۃ الایمان)

ایک طرف تو دیوبندی مذہب کی کتابوں سے بھائی کہنے کے سلسلے میں یہ دستاویزی ثبوت ملاحظہ فرمایئے اور دوسری طرف خفانی صاحب کی یہ جھوٹی تحریر پڑھیئے صاف واضح ہو جائے گا کہ وہ مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنا چاہتے ہیں ۔

آج ہندوستان میں بعض جگہ اس بات پر جھگڑے چل رہے ہیں کہ فلاں فلاں لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بڑے بھائی کے برابر سمجھتے ہیں ۔ یہ کوئی کہنے جیسی بات ہے ۔ میرے دوستو! یہ بات عقل کے خلاف ہے، کوئی شخص مسلمان ہو کر ایسا کلمہ بھی زبان سے نکالے ۔

(ص ۲۱۶)

کہنے والی بات تو نہیں ہے لیکن آپ لوگوں نے کہا ہے یا نہیں ؟

اور جب کہنا ثابت ہو گیا تو بہ قول آپ کے ہم کہنے والوں کو کس طرح مسلمان سمجھیں؟
اور مزید برآں یہ ہٹ دھرمی اور سینہ زوری دیکھئے کہ اتنے واضح ثبوت کے باوجود یہ لوگ اُلٹے ہم ہی لوگوں کو مورد الزام ٹھہراتے ہیں اور فتنہ پرداز کہتے ہیں۔ جیسا کہ حقانی صاحب لکھتے ہیں:

فتنہ پرداز لوگ فوراً فتنہ برپا کر دیتے ہیں اور ایسی پھیلاتے ہیں کہ دیکھو دیکھو یہ مولوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہتا ہے اور بھائی کے برابر سمجھتا ہے اس کا عقیدہ خراب معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہابی دیوبندی یا تبلیغی معلوم ہوتا ہے (ص ۲۱۶)

ذرا جھوٹ بولنے کا یہ آرٹ ملاحظہ فرمایئے۔ کوئی بھی اس تحریر کو پڑھ کر اس کے سوا اور کیا سمجھے گا کہ دیوبندی اور تبلیغی جماعت پر بالکل یہ جھوٹا الزام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اس الزام کو اتنا ہی بڑا سمجھتے ہیں تو دیوبندی اور تبلیغی جماعت کی طرف سے یہ اعلان کرا دیجئے کہ ہم اُن کتابوں کو نہیں مانتے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی کہا گیا ہے۔ کیونکہ مسلمان ہو کر کوئی بھی ایسا کلمہ ہرگز منہ سے نہیں نکال سکتا۔ کہیے منظور ہے۔

انگوٹھا چومنے کی بحث

انگوٹھا چومنے کے خلاف حقانی صاحب نے دو دلیلیں پیش کی ہیں دونوں دلیلیں اتنی معرکۃ الآرا ہیں کہ آپ بھی پڑھ کر دنگ رہ جائیں گے۔
پہلی دلیل میں انہوں نے ایک حدیث پیش کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضور مسجد میں تشریف لائے اور حضرت بلال اذان دینے لگے جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ پر پہنچے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں

انگوٹھے آنکھ پر پھیرے اور کہا! قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَا رَسُوْلَ اللہ۔ یعنی یا رسول اللہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ ہی سے ہے۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ جو کوئی ایسا کرے اور ایسا کہے قیامت کے دن میں اس کی بخشائش کروں گا۔

اس حدیث سے چونکہ انگوٹھا چومنے کا جواز ثابت ہوتا ہے اسی لیے حقانی صاحب نے اس حدیث کے خلاف لکھا ہے۔

جو حدیث انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کی آپ نے پڑھی اس کو علمائے حنفیہ ضعیف کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث بناوٹی ہے (ص ۲۲۲)

آپ ہی کے بیان سے ثابت ہوگیا کہ علمائے حنفیہ اسے حدیث ہی سمجھتے ہیں کیونکہ ضعیف حدیث بھی حدیث ہی ہوتی ہے اور ضعیف حدیث کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ علمائے حنفیہ کے یہاں فضائل اعمال میں مقبول ہے۔ اگر حقانی صاحب کو یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا تو انہیں کسی اچھے عالم سے پوچھ لینا چاہیئے تھا۔ اب باقی رہ گئے وہ بعض لوگ جو اس حدیث کو بناوٹی کہتے ہیں تو حقانی صاحب کے بیان کے مطابق وہ حنفی مذہب کے علماء میں سے نہیں ہیں اس لیے ان کی تقلید ہمارے لیے ضروری نہیں۔ حنفی ہونے کے رشتے سے ہم صرف علمائے احناف کی رائے کے پابند ہیں۔ لہٰذا حقانی صاحب کی تحریر سے ثابت ہوگیا کہ یہ حدیث بھی احناف کے نزدیک قابل عمل ہے اور ضعیف کی وجہ سے چاہے اسے سنت یا واجب کا درجہ نہ دے سکیں۔ لیکن انگوٹھا چومنا مستحب یا کم از کم مباح ضرور ہے جیسا کہ خود حقانی صاحب نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ:

انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانا سنت یا واجب یا فرض نہیں ہے بلکہ مستحب یا مستحسن یا مباح کے سوا کچھ بھی نہیں۔ (ص ۲۲۲)

کہیے حقانی صاحب! جب انگوٹھا چومنے والی حدیث بناوٹی ہے تو یہ فعل

مستحب کیسے ہو جائے گا۔ اسے تو بدعت اور ممنوع ہونا چاہیئے۔

دوسری دلیل حقانی صاحب نے وہ بہت ساری حدیثیں نقل کی ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک سن کر درود شریف پڑھنا ضروری ہے۔ ان حدیثوں کو پیش کر کے انہوں نے اپنا مدعا اس طرح ثابت کیا ہے:

میرے عزیز دوست! ایمانداری سے فیصلہ کرنا اس بات کا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک سنے تو کیا کرنا چاہیئے۔ اپنے دونوں ہاتھ کے انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھنا چاہیئے یا درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ (ص ۲۱۹)

اب ہم اس الزام کا جواب سوا اس کے اور کیا دے سکتے ہیں کہ حنفی مذہب کی کتابوں کا پھر سے مطالعہ کیجئے اور سچے جذبے کے ساتھ یہ معلوم کیجئے کہ حضور پاک کا نام سن کر انگوٹھا چومنے کے سلسلہ میں احناف کا صحیح مذہب کیا ہے۔ یہ دیکھئے حنفی مذہب کی معتبر کتاب شامی میں اس مسئلے کی صحیح تفصیل یوں لکھی ہوئی ہے:

مستحب یہ ہے کہ اذان میں پہلی بار حضور کا نام پاک سن کر یہ درود شریف پڑھے صَلَّى اللهُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ الله اور دوسری بار کہے قُرَّةُ عَيْنِي بِكَ يَا رَسُوْلَ الله، اس کے بعد اپنے دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھ کر یہ دعا پڑھے اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ، جو شخص ایسا کرے گا اور کہے گا اس کے لیے حضور نے بشارت دی ہے کہ قیامت کے دن جنّت کی طرف اس کی پیشوائی کروں گا۔ جیسا کہ کنز العباد میں یہ حدیث منقول ہے۔ (شامی ج ۱ باب الاذان) ص ۲۹۳

حقانی صاحب! حنفی مذہب میں حضور پاک کا نام سن کر انگوٹھا چومنے کا صحیح طریقہ یہ ہے اور اسی طریقے کے ہم پابند ہیں۔ اس میں درود شریف پڑھنے

کی بھی ہدایت کی گئی ہے۔ اب تو شاید آپ یہ سوال نہیں کریں گے کہ انگوٹھا چومنا چاہیئے یا درود شریف پڑھنا چاہیئے۔ علمائے احناف کہتے ہیں کہ دونوں کو کرنا چاہیئے اور دونوں میں کوئی منافات نہیں کہ چومنا لبوں کا کام ہے اور پڑھنا زبان کا کام۔

حقانی صاحب آپ نے اپنے متعلق لکھا ہے کہ: میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں حنفی مذہب کا ماننے والا ہوں (ص ۲۲۲) آپ حنفی مذہب کے ماننے والے ہیں تو یہ چیز چھپنے کی نہیں ہے۔ قسم کھانے کی ضرورت کیا تھی۔ بُرا نہ مانیے تو عرض کروں کہ قسم کھا کر شاید آپ نے مدینہ کے منافقین کی سنّت پر عمل کیا ہے۔ کیوں کہ وہ بھی قسم کھا کر کہتے تھے کہ ہم مذہب اسلام کے ماننے والے ہیں۔

بہر حال آپ اگر حنفی ہیں تو انگوٹھا چومنے کے سلسلہ میں حنفی مذہب کا مسئلہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا۔ اب کہیے! ایک سچے حنفی کی طرح کیا آپ اس مسئلہ پر آج سے عمل کریں گے؟

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ شامی کی مذکور بالا عبارت میں درود شریف کا جو صیغہ تعلیم کیا گیا ہے اس کا ترجمہ یہ ہے "اللہ تعالیٰ آپ پر درود بھیجے یا رسول اللہ" حنفی مذہب کا یہ مسئلہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر جگہ کے حنفی مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ وہ درود پڑھتے وقت یا رسول کہیں۔ یہیں سے یہ مسئلہ بھی واضح ہو گیا کہ دور سے یا رسول اللہ کہنا اور خدا کے مقرب بندوں کا نام پکارنا حنفی مذہب میں قطعاً جائز ہے۔ اب جو اسے شرک یا حرام کہتا ہے تو وہ کسی اور مذہب کا ماننے والا ہے۔ حنفی مذہب کا ماننے والا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

انگوٹھا چومنے کو حرام ثابت کرنے کے لیے حقانی صاحب کو کوئی دلیل نہیں

ملی تو اُنھوں نے ایک جھوٹا الزام ہم پر یہ تراشا کہ ہم لوگ انگوٹھا چومنے کو فرض یا واجب سمجھتے ہیں اور جو ایسا نہ کرے اُسے مسلمان ہی نہیں سمجھتے۔ اس لیے اگر یہ جائز تھا بھی تو غلط اعتقاد کے باعث اب حرام ہو گیا۔ اس کے جواب میں ہم وہی کہیں گے جو قرآن نے کہا ہے لَعۡنَتُ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡن ط جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ اور یہ جواب اگر پسند نہیں ہے تو پھر حقانی صاحب ہماری کتابوں سے الزام ثابت کریں۔

وسیلہ کی بحث

حقانی صاحب نے اپنی کتاب میں وسیلہ کے خلاف جو بحث کی ہے۔ میں اسے ایسی جھوٹی گواہی سے تشبیہہ دوں گا جو جرح کے وقت جگہ جگہ سے ٹوٹ جائے اب یہ تاریخی بحث آپ بھی ملاحظہ فرمایئے۔ ان کا پہلا بیان ہے کہ

"حنفی مذہب میں وسیلہ سے دعا مانگنا جائز ہے"۔ (ص ۲۹۸)

اب ان کا دوسرا بیان ملاحظہ فرمایئے۔ لکھتے ہیں :-

کسی مزار پر جا کر یا اپنے گھر ہی میں سے اُن کے حق میں بعد میں فاتحہ اور دعائے مسنون کے خانہ کعبہ یا مسجد یا دیگر مقاماتِ مقدسہ یا تلاوت قرآن کی برکت سے یا فلاں زندہ بزرگ کے اعمال صالح کی برکت سے میرا فلاں کام پورا کر دے۔ تو جائز ہے۔ (ص ۳)

اس بیان سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ پہلی بات تو یہ کہ وسیلہ اگر جائز ہے تو صرف زندہ بزرگ کا، وفات یافتہ بزرگ کا نہیں اور وہ بھی ان کے نیک اعمال کا ان کی ذات کا نہیں! اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی دعا مانگنے کی جگہ مزارات بھی ہیں۔

اب ان کا تیسرا بیان بھی پڑھیئے۔ "عینی الہدایہ" اور "فتاویٰ عالمگیری کے حوالے سے اُنہوں نے تحریر فرمایا ہے :۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے (عمل صالح) کے وسیلہ سے دعا کرنا مضائقہ نہیں۔ (ص ۳۰)

اس بیان میں انبیاء علیہم السّلام کے عمل صالح کے وسیلے سے دعا مانگنے کی اجازت دی گئی ہے جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ وفات یافتہ بزرگوں کے نیک اعمال کے وسیلے سے بھی دعا مانگی جا سکتی ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اپنی حیات ظاہری کے ساتھ آج اس دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ ہزاروں سال پہلے وصال فرما چکے۔

اس عبارت میں بھی بریکیٹ کے اندر اُنھوں نے اپنی طرف سے (عمل صالح) کا لفظ بڑھا کر اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ انبیاء اولیاء کی ذات کا وسیلہ جائز نہیں ہے۔ صرف نیک اعمال کا وسیلہ دے سکتے ہیں۔ !

لیکن اسی بحث میں اُنھوں نے ایک حدیث نقل کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین و پریشان حال مسلمانوں کا واسطہ دے کر خدا سے کفار پر فتح کی دُعا مانگی تھی۔ (ص ۳۰)

اس حدیث سے حقانی صاحب کا یہ بیان بالکل جھوٹا اور غلط ثابت ہو گیا کہ ذات کا وسیلہ جائز نہیں صرف اعمال کا وسیلہ دے سکتے ہیں کیوں کہ یہاں لفظ ہے "مسلمانوں کا واسطہ دے کر" جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ حضور نے ذات کے وسیلے سے دعا مانگی تھی۔ اعمال کا کہیں ذکر نہیں۔

اب ایک تماشہ اور ملاحظہ فرمایئے :

اس حدیث کے مطابق جب حضور نے صحابہ کا واسطہ دے کر خدا سے

دعا مانگی تو حضور کے اس عمل سے واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ وسیلہ کے ساتھ دعا مانگنا سنّتِ رسول ہے اب ایک طرف یہ حدیث نظر میں رکھیے اور دوسری طرف حقانی صاحب کا یہ بیان پڑھیے۔ شریعت کی جھوٹی حمایت کا جذبہ بے نقاب ہو جائے گا۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

دُعا کے وقت کسی قسم کا واسطہ اور وسیلہ کا شرع شریف میں حکم نہیں ہے اور نہ خدا کو اس کی ضرورت ہے کیوں کہ وہ ہر وقت سُنتا ہے (ص ۳۰۴)

اور کسے حکم کہیں گے ؟ جب حدیث سے ثابت ہوگیا کہ نیک بندوں کا وسیلہ اور واسطہ دے کر دعا مانگنا سُنّتِ رسول ہے تو اس کے متعلق شرع شریف کا اور کون سا نیا حکم آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ شرع شریف نے سُنّتِ رسول پر عمل کرنے کا مطالبہ مسلمانوں سے نہیں کیا ہے ؟ کیا اسلام کا یہ بنیادی مسئلہ بھی آپ کو بتانا پڑے گا ؟

اور عبارت کا یہ فقرہ کہ " نہ خدا کو اس کی ضرورت ہے " بڑے غضب کا ہے۔ آج بالکل پہلی بار اس نکتہ سے ہم روشناس ہوئے کہ معاذ اللہ خدا کو بھی ضرورت پیش آتی ہے۔ وسیلے کی چونکہ اسے ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے یہ کام عبث اور فضول ہے اور نماز روزہ کی اُسے ضرورت ہے اس لیے وہ ضروری ہے۔

اور وجہ بھی کتنی معقول بتائی گئی ہے چونکہ وہ ہر وقت سنتا ہے اس لیے وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ پھر سرے سے دعا ہی کی ضرورت کیا ہے جب کہ بندوں کا حال بھی اس سے مخفی نہیں ہے وہ ہر وقت دیکھتا ہے اور جانتا ہے جو بہتر ہوگا وہ خود کرے گا۔ کسی کے کہنے سُننے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔

پھر زبان درازی کرنے سے پہلے حقانی صاحب کو کم از کم اتنا ضرور سوچنا چاہیئے تھا کہ نیک بندوں کا واسطہ دے کر جب رسول پاک نے دعا مانگی ہے تو ان سے بڑھ کر وسیلے کی اہمیت اور ضرورت سے کوئی واقف ہوگا۔ اب اس کا فیصلہ میں آپ ہی کے جذبۂ انصاف پر چھوڑتا ہوں کہ اپنی اس تحریر میں وسیلے پر جو انہوں نے چوٹ کی ہے اس کی زد کہاں کہاں پڑتی ہے؟

بحث کے خاتمہ پر حقانی صاحب سے دو سوال کرنا چاہتا ہوں اور مجھے اُمید ہے کہ وہ اس کا صحیح جواب دیں گے۔

پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ نے مزارات پر جاکر دُعا مانگنے کے بارے میں جو لکھا ہے کہ یہ جائز ہے تو یہ بات آپ نے کہاں سے لکھی ہے اور کیوں لکھی ہے۔ جب خود نبی یا ولی کی ذات آپ کے نزدیک دعا کی مقبولیت کا ذریعہ نہیں بن سکتی تو ان مزارات میں کیا خصوصیت ہے؟

اور دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک طرف تو آپ نے اپنی اسی کتاب میں بتوں کے حق میں نازل ہونے والی تمام آیتوں کو انبیاء و اولیاء کے مزارات پر منطبق کیا ہے اور دوسری طرف برکتوں کے حصول کے لیے ان ہی مزارات پر جانے کی آپ مسلمانوں کو ترغیب بھی دیتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی کون سی بات صحیح ہے؟

خدا کا شکر ہے کہ بوسیلۂ سرکار مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم وسیلے کے خلاف حقانی صاحب کی ساری بحث کا بخیہ اُدھڑ گیا۔ اب ان کے اندر ذرا بھی غیرت ہوگی تو مسلمانوں کے سامنے وسیلے کے خلاف لب کشائی نہیں کریں گے۔

علم غیب کی بحث

علم غیب کے مسئلے پر بحث کے آغاز ہی میں حقانی صاحب نے ایک آیت

پیش کی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ماں کے پیٹ میں کیا ہے کل کیا ہوگا۔ بارش کب ہوگی۔ کون کہاں مرے گا اور قیامت کب آئے گی؟ اور اس کے بعد لکھا ہے:

اور صحیح بخاری شریف کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہی فرماتے ہیں کہ ان باتوں کا علم سوائے اللہ کے اور کسی کو بھی نہیں ہے۔ پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آج تک جو ہو چکیں اور قیامت تک جو ہونے والی باتیں تھیں وہ بتا دی ہیں۔ (ص ۱۱۹)

بتائیے! اب یہاں کون سی بات باقی رہ گئی جس پر بحث کی جائے۔ رسول کے لیے سارا علمِ غیب تو انہوں نے مان ہی لیا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک اور آج سے لے کر قیامت تک ہونے والی باتوں کی جب انہوں نے خبر دی ہے تو ظاہر ہے کہ یہ سارا علم انہیں عطا کیا جا چکا ہے اب اس اقرار کے بعد علمِ غیب رسول کے انکار میں اپنے نامۂ اعمال کی طرح انہوں نے ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے ہیں تو اس سے ان کا مدعا سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ خود انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلایا ہے!

بہر حال انہوں نے اپنے آپ کو جھٹلایا ہو یا اسلام کی حقیقتوں کو۔ بات جب آ گئی ہے تو ان کے قلم کی سیاہ کاریوں کا نقاب الٹ ہی دینا چاہتا ہوں تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ علم غیب رسول کے انکار میں انہوں نے کس طرح کے دجل و فریب سے کام لیا ہے اور کتنی دلیری کے ساتھ انہوں نے سچی حقیقتوں کو مسخ کیا ہے۔ اس کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیے۔

(۱)

انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو علم غیب ہم

مانتے ہیں وہ عطائی ہے۔ یعنی خدا کی عطا سے ہے۔ لیکن اُنہوں نے ان تمام آیتوں کو جن میں مخلوق کے لیے علمِ غیب ذاتی کی نفی ہے، علمِ غیب عطائی کے انکار میں پیش کیا ہے۔ اس طرح اُنہوں نے اصل حقیقت کو چھپا کر آنکھوں میں دھول جھونکنے کی مذموم کوشش کی ہے۔

(۲)

نزولِ قرآن کے وقت کاہنوں کے متعلق اہلِ عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ غیب کی باتیں جانتے ہیں اسی عقیدے کی تردید میں قرآنِ کریم نے متعدد مقام پر کہا ہے کہ غیب کی بات سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔ لیکن یہ کتنا بڑا فریب ہے کہ انہوں نے ان تمام آیتوں کو جن میں کاہنوں اور رمّالوں کی غیب دانی کا انکار ہے، رسول پر منطبق کر دیا ہے۔ کاہنوں کے متعلق تو یہ عقیدہ اس لیے غلط ہے کہ خدا نے اُنہیں یہ علم عطا ہی نہیں کیا ہے۔ لیکن رسول کو تو خدا نے یہ علم عطا کیا ہے۔ جس کا اقرار خود حقانی صاحب کو بھی ہے جیسا کہ کچھ پہلے ان کی عبارت آپ کی نظر سے گزری۔

پس اب آپ ہی فیصلہ کیجیے کہ اتنے واضح فرق کے باوجود جو رسول اور کاہن کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے وہ اپنے وقت کا کتنا بڑا شقی اور دجّال ہے۔

(۳)

حقانی صاحب نے اس مفہوم کی بہت ساری حدیثیں پیش کی ہیں کہ حضور سے کچھ سوال کیا گیا، اس وقت اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ جب وحی آئی بتایا۔ دروازے پر کچھ حاجت مند عورتیں کھڑی تھیں جب انہوں نے اپنی درخواست بھجوائی تو حضور نے ان کا نام دریافت کیا۔ بہت سے معاملات اور واقعات

میں خود حضور نے صحابۂ کرام سے دریافت کر کے حقیقت حال کا پتہ چلایا۔ کوئی واقعہ پیش آیا اور حضور فیصلہ نہیں کر سکے کہ یہ صحیح ہے یا غلط ؟ وغیرہ وغیرہ۔

ان ساری حدیثوں کو پیش کر کے حقانی صاحب نے کہا ہے کہ اگر حضور کو علم ہوتا تو حضور کیوں سوال کرتے، کیوں وحی کا انتظار کرتے۔ کیوں ایسا کرتے کیوں ویسا کرتے لہٰذا ثابت ہوا کہ حضور کو علم غیب نہیں تھا۔

سب سے پہلے تو میں حقانی صاحب کے جذبۂ تلاش کو مبارک باد دوں گا کہ انہوں نے کتنی ہی راتوں کی نیند حرام کر کے اپنے نبی کے علمی نقائص کا ثبوت مہیّا کیا ہے۔ ایسے وفادار اُمتی کسی نبی کی تاریخ میں شاید ہی مل سکیں گے۔

(۴)

دوسری بات یہ کہوں گا کہ اگر وہ انسانوں کی آبادی میں رہتے ہیں تو جانتے ہوں گے کہ بہت سی مصلحتیں ایسی ہوتی ہیں کہ آدمی جانتے ہوئے بھی اپنے علم کا اظہار نہیں کرتا، یا علم کے باوجود جواب نہیں دیتا یا کسی بات کو جانتا ہے پھر بھی سوال کرتا ہے۔ ان ساری باتوں کو عدم علم کی دلیل سمجھنا غلط ہے۔ خود حقانی صاحب نے اپنی کتاب کے صـ۲۷۴ پر اس مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ کسی مجلس ذکر سے جب فرشتے عالم بالا کی طرف واپس جاتے ہیں تو خدا ان سے سوال کرتا ہے کہ میرے بندے کیا کر رہے تھے۔ وہ مجھ سے کیا مانگتے ہیں انہوں نے مجھے دیکھا ہے یا نہیں ؟ وغیرہ وغیرہ، تو کیا یہاں بھی آپ یہی منطق لڑائیں گے کہ خدا کو علم غیب ہوتا تو وہ فرشتوں سے کیوں پوچھتا۔

بلکہ خود حقانی صاحب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جب وہ طور پر گئے تو منہ کی خوشبو کے لیے گھاس کی ایک

پتی چبالی تھی اس پر" اللہ تعالیٰ نے باوجود علم کے پوچھا کہ کیوں ایسا کیا" (ص ۳۸۵)
اس واقعہ سے واضح ہو جاتا ہے کہ سوال علم کے منافی نہیں ہے۔

(۵)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق ہمارا مسلک یہ ہے کہ وہ ۲۳
سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یعنی نزولِ وحی کی ابتدا سے لے کر آخری سانس
تک حضور کے علمی کمالات کی تکمیل ہوتی رہی۔ لہٰذا اس درمیانی مدت میں اگر یہ ثابت
ہو جائے کہ فلاں چیز حضور نہیں جانتے تھے تو ہمارے دعوے پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔
اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے کہ ایک شخص ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۵۰ء میں
اُسے عالم فاضل کی ڈگری مل گئی۔ جب اس کے علم کا ڈنکا ہر طرف بجنے لگا تو کچھ
اس کے حاسد اور دشمن پیدا ہو گئے اور انہوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کر دیا
کہ وہ عالم نہیں ہے وہ عالم نہیں ہے۔ اس پر اس عالم کے وفادار شاگردوں نے
ان حاسدوں کو پکڑا اور ان سے پوچھا کہ یہ بات تم کہاں سے کہتے ہو۔ اُنہوں
نے جواب دیا کہ ہمارے پاس معتبر راویوں کے بیانات موجود ہیں جنہوں نے
۱۹۲۸ء میں اُسے دیکھا تھا۔ وہ حرف تہجی بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ کچھ لوگوں نے
۱۹۳۵ء میں اُس سے ملاقات کی تھی وہ عربی عبارت بھی نہیں پڑھ سکتا تھا۔ بہت
سے لوگوں کا بیان ہے کہ ۱۹۳۸ء میں اس سے تفسیر و حدیث کے چند مسائل
پوچھے گئے اور وہ ایک کا بھی جواب نہیں دے سکا۔ اب آپ ہی بتایئے
ایسے حاسدوں کی باتوں کا آپ سوا اس کے اور کیا جواب دیں گے کہ اچھی طرح
ان کے دماغ کی مرمت کر دیں۔ بالکل اسی طرح کا انداز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ
وسلم کے علم شریف کے انکار میں حقانی صاحب نے بھی اختیار کیا ہے۔

(۶)

رسول دشمنی کی ایک لرزہ خیز کہانی اور سنیئے۔ حقانی صاحب نے اپنی کتاب میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ حضور ایک دن منبر پر کھڑے ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص کچھ پوچھنا چاہے وہ پوچھے، تم مجھ سے جو بات پوچھو گے میں بتا دوں گا جب تک کہ میں اس مقام میں ہوں۔

آپ بھی اس بات سے اتفاق کریں گے کہ اس طرح کا اعلان وہی کر سکتا ہے جو دنیا و آخرت کے جملہ علوم غیبیہ سے واقف ہو۔ یہیں سے یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ حضور دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ پیدائش آدم سے لے کر دخول جنت و نار تک کے جملہ علومِ غیبیہ حضور کو عطا کر دیئے گئے تھے، کچھ خدائی دعویٰ نہیں ہے کہ اس کی مخالفت کی جائے۔

اوپر والی حدیث سے متعلق حقانی صاحب نے لکھا ہے کہ حضور کے علم و ادراک کی کیفیت اسی وقت تک کے لیے تھی جب تک کہ حضور ممبر پر کھڑے تھے چلیے آپ ہی کی بات سہی! پھر بھی آپ پر یہ سوال مسلط رہے گا کہ اتنی دیر کے لیے بھی حضور نے معاذ اللہ خدائی کا دعویٰ کیا تھا۔ آپ ہاں نہیں کہہ سکتے، اس لیے ماننا پڑے گا کہ ایسا دعوائے اسلام میں شرک نہیں ہے اور نہ یہ خدائی کا دعویٰ ہے۔

لیکن ذرا حقانی صاحب کی رسول دشمنی دیکھئے کہ وہ یہ دعویٰ سن کر آپے سے باہر ہو گئے۔ اور گالی گلوج پر اتر آئے۔ لکھتے ہیں:

جاہل واعظوں اور بے دین لوگوں نے گمراہ کرنے کے لیے جہالت کا دوسرا دروازہ کھولا۔ اور کہتے ہیں کہ زندگی میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کل علم غیب نہیں تھا، وفات کے وقت کل علمِ غیب اور اختیارات دے دیئے گئے۔ حالانکہ یہ بات بھی بالکل جھوٹ سراسر غلط اور بے بنیاد

ہے۔ آنکھوں کے اندھے، جیب کے بندے، پیٹ کے پجاری، نفس کے غلام، شریعت کے دشمن، اُمتِ محمدیہ کو گمراہ کرنے کی نئی نئی چالیں چلتے ہیں۔ (ص ۱۷۴)

ذرا ان سے پوچھیے کہ یہ گالیاں آخر کس بات کی دے رہے ہیں حضور کے لیے ایسا دعویٰ ہم نے بھی کر دیا تو یہ کوئی خدائی کا دعویٰ تو ہے نہیں کہ عقیدۂ توحید کے جذبے میں آپ بے قابو ہو جائیں۔ لہٰذا اب سوا اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ رسول دشمنی کی جلن میں آپ اس مرگی کا شکار ہوتے ہیں۔

ہمارے پاس دعوے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لیے پھر ان کی نیند حرام ہو گئی اور انہوں نے قیامت کے دن کی ایک اور حدیث تلاش کر لی۔ جس میں حضور نے خبر دی ہے کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس ایک قوم آئے گی۔ پھر میرے اور اس کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی۔ میں کہوں گا یہ میرے ہیں یا میرے طریقے میں ہیں۔ اس کے جواب میں بتایا جائے گا کہ تم کو معلوم نہیں کہ انہوں نے تمہارے بعد کیا کیا نئی باتیں پیدا کی ہیں (ص ۱۷۴)

یہ حدیث نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

"پھر آپ کو وفات کے بعد علم غیب اور اختیارات کہاں ملے۔"

(ص ۱۳۵)

بے عقل کو اتنی تمیز نہیں کہ قیامت کے دن کی بات تو الگ رہی حضور نے تو اپنی زندگی ہی میں اس واقعہ کی خبر دے دی ہے۔ اگر حضور کو اس واقعہ کا علم نہیں تھا تو خبر کیسے دی۔ اب رہ گئی بات پہچاننے کی تو بھول و نسیان علم کے منافی نہیں ہے اور یہاں تو حضور خود فرماتے ہیں کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل کر دی جائے گی جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی نہیں ہو گی کہ میں انہیں پہچانوں۔

دل کی کدورت بھی کیا چیز ہوتی ہے سوچتا ہوں تو کلیجہ کانپنے لگتا ہے لوگوں کو اپنے بزرگوں کے علمی کمالات کا ذکر کرنے میں مزہ ملتا ہے اور حقانی صاحب کا مزاج یہ ہے کہ اُنھوں نے تقریباً تیس صفحات انبیاء سے لے کر سید الانبیاء تک ایک ایک کے بارے میں نہایت مزے لے لے کر بیان کیا ہے کہ اُنہیں فلاں بات کا علم نہیں تھا اُنہیں فلاں بات کا علم نہیں تھا۔ بلکہ بعض جگہ تو انبیاء کی "بے علمی" ثابت کر کے وہ خوشی سے پھولے نہیں سما سکے ہیں اور بے ساختہ قلم سے یہ فقرہ نکل گیا ہے۔ "اور بتاؤں میرے بھیا کو"

ہائے رے شیطان کا حسن فریب! تو نے کس کس راہ سے لوگوں کا ایمان غارت کیا ہے۔ مانا کہ گنہگار تھے۔ پر رحمت خداوندی تو غم گسار تھی۔ لیکن تو نے تو انبیاء کا گستاخ بنا کر رحمت و نجات کا یہ دروازہ بھی مقفل کر دیا۔

آخر میں یہ کہتے ہوئے مسئلہ علم غیب پر اپنی بحث ختم کرتا ہوں کہ اگر میں نے اس کا التزام نہ کر لیا ہوتا کہ انہی کی کتاب سے ان کی تردید کی جائے تو علم غیب رسول کے ثبوت میں قرآن و حدیث اور اقوال اُمت سے دلائل کے انبار لگا دیتا۔ خدا نے توفیق دی تو یہ قرض آج نہیں تو کل اپنے سر سے ضرور اُتاروں گا۔

ایک جھوٹے الزام کی تردید

مجھے نہایت افسوس ہے کہ وقت کی تنگی کے باعث حقانی صاحب کی کتاب کے باقی مسائل پر بحث نہیں کر سکا۔ خدا نے توفیق دی تو کسی بھی فرصت کے وقت باقی حصہ بھی مکمل کر دوں گا۔

لیکن اس وقت ایک غلط الزام کی تردید ضروری سمجھتا ہوں اس لیے چند لمحے آپ کو اور مصروف مطالعہ رکھوں گا۔

مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ حقانی صاحب نے جمشید پور کے قیام میں ساکچی اسٹینڈ پر تقریر کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ اُنہوں نے اپنی کتاب میں خدا کو ۶۵ گالیاں دی ہیں اور وہ کتاب میں نے بڑی مشکل سے حاصل کی ہے اور میں نے اُسے محفوظ رکھا ہے۔

میں حقانی صاحب اور ان کے جملہ حامیوں کو خدا کا واسطہ دے کر چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ذرا بھی اپنے قول کے سچے اور دھرم کرم کے پکّے ہیں تو وہ کتاب مذکور ہمارے سامنے پیش کریں اور دکھلائیں کہ کہاں اعلیٰ حضرت نے معاذ اللہ خدا کو گالیاں دی ہیں۔ اگر اُنہوں نے دکھلا دیا تو میں ذلّت و رسوائی کا طوق اپنے گلے میں ڈال کر ہمیشہ کے لیے جمشید پور چھوڑ دوں گا۔

اور اگر اُنہیں سانپ سونگھ گیا اور وہ نہ دکھلا سکے تو پھر اس جھوٹے بہتان کی فریاد میں عوام ہی سے کہوں گا کہ وہ خود انصاف کی روشنی میں فیصلہ کریں کہ اس طرح کے جھوٹے بہتان لگا کر جو مسلمانوں میں منافرت پھیلاتا ہے وہ اپنے وقت کا کتنا بڑا دجال ہے ؟

دُعا ہے کہ خدائے پاک ایسے دجالوں اور کذابوں کے شر سے اپنے رسول کی اُمّت کو محفوظ رکھے۔ آمین ! وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

دیوبندی جماعت کے روحانی مراکز کا عینی مشاہدہ

شرک و بدعت کے عبرت انگیز عجائبات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دہلی سے سہارنپور تک

آج سے تین چار سال بیشتر ہماری تحریک پر سہارن پور میں جامعہ غوثیہ رضویہ صابریہ کے نام سے پہلی بار اہل سنّت کے ایک دینی تعلیمی ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔ اور حکیم سید محمد احمد کے نام کے ایک مومن مجاہد کو اس کا مہتمم نامزد کیا گیا۔ میرے اصرار پر انہوں نے وسط شہر چمن آباد میں تین بگھے کا ایک قطعہ اراضی تلاش کیا جس کی قیمت ایک لاکھ سولہ ہزار تھی میں نے ان سے کہا کہ اللہ کا نام لے کر بیعانہ کر لیجئے سہارن پور کے مٹھی بھر سنّیوں میں اگر اسے خریدنے کی سکت نہیں ہے تو کیا ہوا خدا کی زمین بہت وسیع ہے۔ ہم اپنی بے سروسامانی کے عالم میں خدا کی کارساز رحمتوں کا کھلی آنکھوں سے تماشا دیکھیں گے۔

میری گزارش کے مطابق بیعانہ کی رقم ادا کرنے کے بعد رجسٹری کے لیے ایک سال کی مہلت حاصل کر لی گئی۔ مدن پورہ بنارس کے رؤسائے اہل سنّت کو خدائے کریم و کارساز دونوں جہان کی ارجمندیوں، نعمتوں اور عزتوں سے سرفراز کرے کہ ہماری تحریک پر ان لوگوں نے اپنی تجوریوں کا منہ کھول دیا اور تھوڑی سی جدوجہد کے بعد ہم جلد ہی اس قابل ہو گئے کہ زمین کی رجسٹری کرا لیں۔ حکیم صاحب کی ہمت مردانہ مشکلات کی زد پر سینہ تانے کھڑی نہ ہوتی تو یقین کیجئے کہ ہم اس کامیابی کا منہ ہرگز نہ دیکھ سکتے جواب ہر گوشے سے دیکھنے کے قابل ہے۔

فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

سہارن پور دیوبندی مسلک کے لوگوں کا شہر ہے۔ لیکن وہاں کے عوام کی اکثریت حضرت صابر کلیری کے ساتھ والہانہ عقیدت رکھتی ہے۔ اس رشتہ سے ہم بہت پر اُمید ہیں کہ عقیدت کا یہ اشتراک کبھی نہ کبھی انہیں ہمارے قریب ضرور لائے گا۔ شروع شروع وہاں کے لوگ جامعہ غوثیہ رضویہ صابریہ کی تحریک کو خواب وخیال سمجھتے تھے لیکن زمین کی رجسٹری ہو جانے کے بعد انہیں احساس ہو گیا کہ منصوبہ ہوا پر نہیں ہے۔ پھر سہارن پور کے مطلع پر اس دن ہم بہت زیادہ نمایاں ہو گئے جس دن جلسۂ سنگ بنیاد کا پوسٹر وہاں کی دیواروں پر پڑھا جانے لگا جس میں صاف صاف تحریر تھا کہ ۲۵، ۲۶ اپریل ۱۹۸۷ء کو اہل سنّت کے اکابر و مشاہیر کے مقدس ہاتھوں سے جامعہ غوثیہ رضویہ کی مجوزہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا۔

چوں کہ جلسۂ سنگ بنیاد کے پروگرام اور انتظامی امور کی ذمہ داری وہاں کے منتظمین نے بہت حد تک میرے سر بھی ڈال رکھی تھی اس لیے دو دن پیشتر ہی ۲۳ اپریل کی صبح کو دہلی سے بذریعۂ کار سہارن پور کے لیے روانہ ہو گیا۔ اہل سنّت کے مشہور خطیب حضرت مولانا راشد القادری اور مولانا غلام رسول بلیاوی بھی جلسۂ سنگِ بنیاد میں حصہ لینے کے لیے میرے شریک سفر ہو گئے۔

ہمارا قافلہ تھانہ بھون میں

دہلی سے روانہ ہو کر ہماری کار اس شاہراہ سے گزر رہی تھی جس کے دونوں طرف اکابر دیوبند کی بستیاں تھانہ بھون، شاملی، نانوتہ، انبیٹھ اور گنگوہ واقع ہیں۔ جب ہم تھانہ بھون کے قریب پہنچے تو یک بیک دل میں خیال گزرا کہ کتابوں میں جس تھانہ بھون کو اذیت وکرب کے ساتھ پڑھا تھا ذرا آنکھوں سے بھی اسے چل کر دیکھ لیا جائے شاید اندرون خانہ کی کچھ نئی گرہیں کھلیں اور کچھ نئے انکشافات سامنے

آیئں۔ تھانہ بھون کی آبادی میں داخل ہونے کے بعد ہم سب سے پہلے خانقاہ تھانوی یہ امداد العلوم میں گئے یہی وہ جگہ تھی جہاں مولانا اشرف علی سالہا سال تک مقیم رہے اور یہیں سے انہوں نے ساری دنیا میں اہانت رسول اور تنقیص اولیاء کے مشن کو پھیلا کر فتنہ وہابیت کا مدعا پورا کیا۔

جیسے ہی ہم ان کی خانقاہ میں داخل ہوئے ہمیں اس کے جنوبی برآمدے میں ایک قبر نظر آئی جسے میلے کچیلے ٹاٹ سے ڈھک دیا گیا تھا لوگوں نے بتایا کہ صاحب مزار تھانوی صاحب کے سلسلہ طریقت میں آتے ہیں۔ ہم نے صاحب مزار کو مخاطب کر کے دل ہی دل میں کہا کہ جایئے بچ گئے! اگر تھانوی صاحب کے بزرگوں میں نہ ہوتے تو آپ کا مدفن تلاش کرنے پر بھی نہ ملتا۔ اچانک مجھے یاد آیا کہ تھانوی صاحب نے بہشتی زیور میں بزرگوں کے مزارات پر چادر چڑھانے کو بدعت و حرام لکھا ہے۔ لیکن یہاں کپڑے کی چادر نہ سہی ٹاٹ کی چادر دیکھ کر وہ مثل یاد آگئی کہ جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔

خانقاہ کے برآمدے میں پہنچنے کے بعد ہمیں اس کی دیوار پر جلی قلم سے ایک تحریر نظر آئی۔

نشست گاہ حکیم الامۃ مولانا تھانوی

یہ تحریر پڑھنے کے بعد ہم دیر تک سوچتے رہے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں سے محبوب الٰہی کی یادگاروں، نشانیوں اور نسبتوں کو مٹانے کی پوری قوت کے ساتھ تحریک چلائی گئی تھی۔ اگر وہی شریعت اسلامی کا اصل منشاء تھا اگر اسی سے عقیدۂ توحید کا تحفظ ہو سکتا تھا تو پھر یہ نشست گاہ حکیم الامۃ کا مطلب کیا ہے؟ کیا یہ ان کی یادگار، ان کی نشانی اور ان کی نسبت کو باقی رکھنے کی ایک نا محمود

کوشش نہیں ہے؟ کیا اس کا کھلا ہوا مطلب یہ نہیں ہے کہ تھانوی صاحب
کی نشست گاہ کو نہ ذہن و نگاہ سے مٹنے دیا جائے اور نہ زمین کے جغرافیہ
سے لیکن دوسری طرف اپنی اسی نشست گاہ سے تھانوی صاحب نے ان نجدی
درندوں کو تہنیت اور مبارکبادی کا پیغام بھیجا تھا جنہوں نے مدینہ منورہ اور
مکہ مکرمہ میں رسول عربی حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس یادگاروں کو
زمین کے نقشے سے حرف اس لیے مٹا دیا تھا کہ عشاق انہیں دیکھ کر معلوم کرتے
تھے کہ یہاں حضور نے نماز ادا فرمائی تھی، یہاں حضور جلوہ فرما ہوئے تھے یہاں
حضور نے آرام فرمایا تھا اور حضور کو یہاں فلاں واقعہ پیش آیا تھا۔ دیوبندی مسلک
کے مطابق رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ساری یادگاریں اس لیے ڈھا دی گئیں
کہ ان سے عقیدۂ توحید کے تقاضوں کو ٹھیس پہنچتی تھی اور عشق و عقیدت کے وہ
سارے نقشے زمین سے اس لیے مٹا دیئے گئے کہ ان سے شرک و بدعت کو
پروان چڑھنے کا موقع ملتا تھا۔ لیکن تھانہ بھون میں تقویۃ الایمان کے مصنف کی
روح چیختی رہی، بہشتی زیور کا ورق ورق سر پٹکتا رہا مگر اس کے باوجود نشست گاہ
حکیم الامۃ پر آنچ تک نہ آئی۔ اسے کہتے ہیں اپنے اور بیگانے کا فرق!

دیوبندی مذہب کے خونریز تصادم پر ہم محو حیرت ہی تھے کہ اچانک نگاہ
اٹھی اور نشست گاہ حکیم الامۃ کی سطر کے نیچے ایک اور سطر مجھے نظر آئی۔
ولادت سنہ ۱۲۸۰ھ ـــــــــ وفات سنہ ۱۳۶۲ھ
دل نے کہا میلاد اور عرس تو تھانوی صاحب کے یہاں حرام تھا پھر یہ ان
کی ولادت اور وفات آخر کیا چیز ہے؟ اگر اس کا مدعا لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ
تھانوی صاحب کی ولادت کب ہوئی تھی اور ان کی تاریخ وفات کیا ہے تو پھر

اُمّت کو یہ بتانے کی ضرورت کیوں نہیں ہے کہ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کی تاریخ وصال کیا ہے؟

پھر سمجھ میں بات نہیں آتی کہ یہی حقائق ہم محفل میلاد اور تقریبات عرس کے ذریعہ زندہ رکھیں تو وہ حرام اور بدعت ہو جائے اور یہاں نوشتۂ دیوار کے ذریعہ شب و روز اپنے حکیم الامۃ کا میلاد و عرس منایا جا رہا ہے تو وہ جائز ہی نہیں باعث برکت اور کار ثواب ہے۔

خانقاہ کے ایک صاحب جو میرے پاس ہی کھڑے تھے میرے تیور سے غالباً انہوں نے میرے احساسات کا اندازہ لگا لیا اور صفائی پیش کرنے کے انداز میں کہنے لگے۔ ہمارے حضرت دین کے معاملے میں بہت سخت تھے۔ ان سے اگر زندگی میں دریافت کیا گیا ہوتا کہ آپ کی وفات کے بعد ہم لوگ آپ کی نشست گاہ کو بطور یادگار محفوظ رکھیں گے تو وہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتے۔ یہ سارا کاروبار بعد والوں کا ایجاد کردہ ہے۔ اسی دوران تھانوی صاحب کی نشست گاہ کی پشت پر مجھے ایک کوٹھری نظر آئی جس کی پیشانی پر جلی حرفوں میں لکھا تھا۔

خلوت گاہ حضرت حافظ محمد ضامن شہید

دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر جھانک کر دیکھا تو ایک صاف ستھرا مصلّٰی بچھا ہوا تھا اور بس! ابھی میں خلوت گاہ کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ مولانا ارشد القادری نے قبلے کی سمت میں واقع ایک اور کوٹھری کی طرف اشارہ کیا جس کے دروازے پر موٹے قلم سے لکھا ہوا تھا۔

خلوت گاہ سیّد الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

نوشتۂ دیوار پڑھتے ہوئے ہم تیزی سے اس طرف بڑھ گئے۔ اس خلوت گاہ کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہاں بھی اندر ایک مصلّیٰ بچھا ہوا تھا جو کسی سجدہ کرنے والے کا منتظر تھا۔ دونوں خلوت گاہوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم سوچنے لگے مدّت ہوئی ان خلوت گاہوں میں عبادت وریاضت کرنے والے عبادت وریاضت کر کے اس دنیا سے چلے گئے لیکن آج ان حجروں میں مصلّے بچھانے کا کیا مصرف ہے؟ نماز پڑھنے کے لیے ساری مسجد پڑی ہے۔ آخر یہاں کس کے لیے مصلّیٰ ہر وقت تیار رکھا جاتا ہے۔ ذہن پر زور دینے کے بعد سمجھ میں آیا کہ یہاں جو عقیدت مند حضرات خانقاہ کی زیارت کے لیے آتے ہیں وہ نسبت کا فیض اور برکت حاصل کرنے کے لیے ان مصلّوں پر نماز ادا کرتے ہوں گے۔ کیونکہ اگرچہ یہ مصلّیٰ بعینہٖ وہ مصلّیٰ نہیں ہے جس پر حافظ محمد ضامن شہید اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے نمازیں پڑھیں تھیں لیکن جگہ بہر حال وہی ہے جہاں انہوں نے اپنے مصلّے بچھائے تھے۔

محبّت کی دنیا میں حصول برکت اور اظہار عقیدت کے لیے محبوب کے ساتھ اتنا تعلق بھی بہت کافی ہے۔ لیکن پھر وہی سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ محبّت کی دنیا کا یہ دستور حجاز مقدس کی سرزمین پر کیوں ناقابلِ برداشت ہے۔ کیوں وہاں وہ ساری مسجدیں توڑ دی گئیں جہاں حضور پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نماز پڑھی تھی اور جہاں حصول برکت اور اظہار عقیدت کے طور پر دور دراز خطۂ ارض سے آنے والے عشاق نماز پڑھ کر نسبت کے فیضان سے مشرف ہوتے تھے۔

ہم نے دل میں سوچا کہ یہاں تو یہ عذر بھی اب چلنے والا نہیں ہے کہ ہمارے حضرت دین میں بہت سخت تھے اگر وہ زندہ ہوتے تو ہرگز یہ برداشت نہیں کرتے کہ خلوت گاہوں کی اس طرح نمائش کی جائے کیوں کہ یہ سارا کاروبار تو حضرت ہی کے زمانے سے چلا آرہا ہے جو آج تک قائم ہے۔

اب دیوبندی جماعت کے علماء ہی کو اس مشکل کا حل تلاش کرنا ہے کہ خانقاہ تھانویہ کی بدعتیں ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان کے چوکھٹے میں بغیر شکست وریخت کے کیونکر فٹ ہوسکیں گی؟

ایک اور غیرت ناک تماشہ

سردری والے برآمدے سے لوٹتے ہوئے میری نظر ایک فریم کئے ہوئے کاغذ پر پڑی جسے تھانوی صاحب کی نشست گاہ والی دیوار میں آویزاں کیا گیا تھا۔ اس کاغذ کو غور سے دیکھا تو اس میں یہ اشعار لکھے ہوئے تھے۔

اس سہ دری اشرف فردوس مکاں میں
جب آئے زیارت کو تو یا چشم تر آئے
جو بزم بھری رہتی تھی مستان خدا سے
خالی وہ نظر آئے تو کیوں جی نہ بھر آئے

(۲)

جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی
ضرورت ہی کیا ہے کسی جانشیں کی
یہاں رہتے تھے قطب ارشاد عالم
یہ تھی تربیت گاہ روئے زمیں کی

یہ اشعار پڑھ کر مجھے زلزلہ کے مباحث یاد آگئے ہیں بار بار سوچتا رہا کہ آخر دیوبندی حضرات کے یہاں دو طرح کی شریعتیں کیوں ہیں۔ ایک شریعت تو وہ ہے جو اپنی کتابوں میں وہ ظاہر کرتے ہیں اور جس کے چلتے ساری دنیا سے کٹ کر وہ تنہا رہ گئے ہیں۔ اور دوسری شریعت وہ ہے جو ان کے گھروں میں نظر آتی ہے اور دونوں شریعتیں ایک دوسرے سے بالکل متصادم ہیں۔

مثال کے طور پر ان کے مذہب کی بنیادی کتاب تقویۃ الایمان میں ان لوگوں کو مشرک قرار دیا گیا ہے۔ جو دُور دُور سے سفر کر کے کسی مکان کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر مدینہ شریف جانے والوں کو یہ لوگ تاکید کرتے ہیں کہ روضہ پاک کی زیارت کی نیت نہ کریں بلکہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کریں لیکن یہاں خانقاہ تھانویہ کی "اس سہ دری اشرف فردوس مکاں" کے لیے لوگوں کو کھلے بندوں ترغیب دی جا رہی ہے کہ وہ اس کی زیارت کے لیے آئیں اور اس شان سے آئیں کہ آنکھیں فرط عقیدت سے نم ہوں۔

اب آپ ہی ایمان کو گواہ بنا کر فیصلہ کیجئے کہ ایک طرف تو اُمّت کو اپنے نبی کے روضہ کی زیارت سے روکا جا رہا ہے اور دوسری طرف "سہ دری اشرف فردوس مکاں" کی زیارت کے آداب سکھائے جا رہے ہیں ؂

بہ بیں تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا

اسی کے ساتھ طالبان حق کے لیے ایک سوالیہ نشان یہ بھی ہے کیا تھانہ بھون کی اس سہ دری کو اشرف فردوس مکاں کہنا عقیدت کا وہ غلو نہیں ہے جس کی مذمت میں تقویۃ الایمان کے ورق کے ورق سیاہ ہیں۔ اور پھر یہ سوال بھی اپنی جگہ پہ پلے لاگ توجہ کا طالب ہے کہ "جہاں ہوگی برکت وہ ہوگی یہیں کی" اس مصرعہ کا صحیح مصداق مدینہ ہے یا تھانہ بھون؟

ایمان کا ضمیر ان سوالوں کا کیا فیصلہ کرے گا اسے سُننے کے لیے گوش بر آواز رہیئے؟

اور "یہاں رہتے تھے قطب ارشاد عالم" اس کے متعلق بھی بتایا جائے کہ اس مصرعہ میں قطب کا لفظ کہاں سے مستعار لیا گیا ہے اور کیوں لیا گیا ہے کیونکہ غوث وقطب اور مخدوم وخواجہ جیسے ڈھلے ہوئے الفاظ تو اہل بدعت کے یہاں رائج ہیں۔ اور صرف الفاظ ہی نہیں رائج ہیں بلکہ ان کے پیچھے تکوینی اختیارات وتصرفات کا ایک مربوط عقیدہ بھی کارفرما ہے جسے تقویۃ الایمان والے مشرکانہ عقیدے سے تعبیر کرتے ہیں۔

تقویۃ الایمان اور بہشتی زیور میں شرک وبدعت کی جو تعریرات نقل کی گئی ہیں اگر ان سے انحراف ہی کرنا تھا تو تھانہ بھون والوں کو صاف صاف اعلان کر دینا چاہیئے تھا کہ ہم نے اپنا پرانا مذہب تبدیل کر کے اب شرکیہ عقیدوں سے مصالحت کر لی ہے۔

تھانوی صاحب کی قبر پر ایک مجاور

خانقاہ تھانویہ کا جائزہ لینے کے بعد ہم لوگوں نے سوچا کہ ذرا تھانوی صاحب کے مقبرے کو بھی دیکھ لیں تاکہ اندازہ ہو جائے کہ اجمیر اور کلیر پر انگلی اٹھانے والے اپنے گھر میں کتنے صاف ستھرے ہیں۔

خانقاہ والوں نے بتایا کہ تھانوی صاحب کی قبر ایک باغ میں ہے جو یہاں سے کچھ فاصلے پر ہے راستہ دکھانے کے لیے خانقاہ کے دو طالب علم ہمارے ساتھ کار میں بیٹھ گئے۔ کچھ دوری پر ہم نے کار کھڑی کر دی اور اتر کر پیدل چلنے لگے۔ باغ کے باہر ہمیں ایک چہار دیواری نظر آئی اس پر چاروں طرف سے لوہے

کی ایک جالی لگی ہوئی تھی اندر ایک قبر تھی جو خاصی اونچی تھی دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ "حافظ محمد ضامن شہید" کی قبر ہے۔

اس خطہ میں عمارت والی ایک قبر دیکھ کر ہمیں بڑی حیرت ہوئی ہم دیر تک سوچتے رہے کہ تقویۃ الایمانی مذہب میں تو کسی قبر کے ساتھ اتنا اہتمام بھی شرک سے کم نہیں ہے، پھر تعجب ہے کہ تھانوی صاحب نے اپنی زندگی میں شرک و بدعت کے اس صنم کدے کو کیونکر گوارہ کیا۔ مدینہ کا جنت البقیع اور مکہ کے جنت المعلیٰ کی قبروں کی طرح اس قبر کی عمارت بھی کیوں نہیں ڈھادی گئی۔

بہر حال دیوبند کے دورخے مذہب کا یہ تماشا دیکھتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ چند ہی قدم کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ہم اس باغ کے اندر تھے جہاں تھانوی صاحب کی قبر تھی۔ دور ہی سے ہمیں ایک آدمی نظر آیا جو قبر کے آس پاس جھاڑو دے رہا تھا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ یہ مجاور صاحب ہیں جو شب و روز یہیں رہتے ہیں اور قبر کی خدمت کیا کرتے ہیں۔ ان کی قبر کے بالکل سامنے ہی ایک نہایت عالی شان عمارت نظر آئی۔ خانقاہ سے ساتھ آنے والوں نے بتایا کہ یہ "آستانۂ قدسی" ہے۔ تھانوی صاحب نے اپنی زندگی ہی میں اس عمارت کی تعمیر کرائی تھی اور ایک قطعۂ تاریخ سنگ مرمر پر کندہ کروا کر اسے عمارت کی پیشانی پر نصب کر دیا تھا۔

قطعۂ تاریخ کی عبارت جو میں نے لوح تاریخ سے نقل کی تھی وہ یہ ہے۔

کرد قدسی نزول چوں ایں جا
جستم از دل سن ظہور و سرور
گفت دل "آستانۂ قدسی"
ہم بیفزا یرو تجلی طور

آخری کلمہ

یہاں تک جو کچھ میں نے لکھا ہے یہ میرے عینی مشاہدات ہیں جنہیں نہایت دیانت داری کے ساتھ زمین سے کاغذ پر منتقل کیا ہے۔ جھٹلانے والوں کو میرا ایک ہی جواب ہے کہ وہ تھانہ بھون کا سفر کر کے خانقاہ سے لے کر آستانۂ قدسی تک جیتی جاگتی بدعات کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ کیونکہ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے؟ اور اس کے بعد غیر جانب داری کے ساتھ میرے ان سوالات پر غور فرمائیں۔

● تھانوی صاحب کی قبر کی خدمت اور گرد و پیش کی صفائی کے لیے ایک مجاور کی تقرری، کیا ان عقیدوں، فتوؤں اور تحریروں کے مطابق ہے جو تقویۃ الایمان" بہشتی زیور، فتاویٰ رشیدیہ اور براہین قاطعہ میں ہم پڑھتے ہیں۔ اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو ہمیں بدعتی اور قبوری شریعت کا طعنہ دینے والے اپنے گھر کا "سومناتھ" کیوں نہیں دیکھتے؟

● تھانوی صاحب نے ۱۳۶۲ھ میں انتقال کیا تھا اس طرح ان کے انتقال کو پینتالیس برس ہو گئے۔ اتنی طویل مدت کے بعد بھی آستانۂ قدسی میں ان کی قبر کا نشان جوں کا توں موجود ہے۔ اس کا کھلا ہوا مطلب یہ ہے کہ ہر سال ان کی قبر پر نئی نئی مٹی ڈالی جاتی ہے کسی قبر کو باقی رکھنے کے لیے اس طرح کے اہتمام کا کوئی جواز دیوبندی لٹریچر میں موجود ہو تو دکھلایا جائے۔

● آستانۂ قدسی پر تھانوی صاحب نے تجلی طور کی جو بات کی ہے اگر یہ صحیح ہے تو اسی تجلی کی تلاش میں دوسرے آستانوں پر جانے والوں کو شرک کہنے والے اپنے منہ پر تھپڑ کیوں نہیں مارتے؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے ہم گوش بر آواز رہیں گے ——— !

ظلمت کدے میں ایک روشن چراغ

باغ سے باہر نکل کر جب ہم واپس

جانے لگے تو خاصے فاصلے پر ہمیں پتھر کی ایک گنبد والی عالیشان عمارت نظر آئی۔ دریافت کرنے پر لوگوں نے بتایا کہ اس دیار کے مشہور بزرگ شاہ ولایت کا یہ روضۂ مبارک ہے۔ خطۂ نجد میں شاہ ولایت کا نام سن کر دل پر وجد و مسرت کا ایک عجیب عالم طاری ہو گیا۔ وہیں سے ہم نے کار کا رُخ موڑ دیا اور کشاں کشاں دربار میں حاضر ہوئے۔ یہاں پہنچ کر نحوستوں کے ویرانے اور رحمتوں کے کاشانے کا فرق ہمیں ماتھے کی آنکھوں سے نظر آیا ہر طرف گلشن فردوس کی خوشبو، چپہ چپہ پر فیضان کی بارش، عرفان الٰہی کی ایک شمع زمین کے تہہ خانے میں فروزاں تھی لیکن اس کی تجلی سے در و دیوار جگمگا رہے تھے۔ ہم روضۂ شریف کے گنبد سے باہر نکلے تو خدام اور زائرین نے ہمیں گھیر لیا۔ لوگوں نے بتایا کہ صدیوں سے شاہ ولایت کا یہ آستانہ مرجع خلائق ہے۔ ہر سال ۲۴، ۲۵، ۲۶ رجب کو یہاں عقیدت مندوں کا زبردست میلہ لگتا ہے۔ اس موقع پر جو چراغاں ہوتا ہے وہ اس دیار کی عجیب و غریب چیز ہے۔ انوار کی بارش سے سارا خطہ جگمگانے لگتا ہے۔ شہر کے علاوہ دور دراز کے علاقوں سے بھی ہزاروں افراد عرس میں شریک ہوتے ہیں۔ ان ایام میں تین دنوں تک یہاں رحمتوں اور عقیدتوں کی بہار کا سماں رہتا ہے ــــ!

شاہ ولایت کی شوکت اقتدار اور ان کی روحانی کشش کا قصہ لوگ اچھل اچھل کر سناتے رہے اور ہم مزے لے لے کر سنتے رہے اور ہر لمحہ ذہن کی سطح پر یہ سوال ابھرتا رہا کہ یہاں نہ اجمیر و کلیر کا کوئی مشرک ہے اور نہ بریلی کا کوئی بدعتی! آخر عرس و عقیدت کا یہ ہنگامۂ شوق اس خطۂ نجد میں کس کی بدولت زندہ ہے؟

ٹھیک ہی کہا ہے کہنے والوں نے کہ ـــــ!

ع حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

اس سرگزشت کے خاتمے پر دیوبندی مذہب کے رہنماؤں سے کان میں

ایک بات کہنا چاہتا ہوں کہ اس مردہ مذہب کا جنازہ اُٹھائے پھرنے سے کیا فائدہ ؟ جو نہ آپ کے گھروں میں موجود ہے اور نہ آپ کی آبادیوں میں صرف کتابوں میں قید کر کے رکھنے کا مصرف سوا اس کے اور کیا ہے کہ عوام کو لڑایا جائے اُمّت کا شیرازہ اتنا منتشر کر دیا جائے کہ وہ کبھی جمع نہ ہو سکیں ۔

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے واپس ہوتے ہوئے مکتبۂ ادارۂ تالیفات اشرفیہ دیکھنے کا بھی موقع ملا ۔ مکتبہ کے مہتمم نے بتایا کہ سلسلۂ امدادیہ کے مورث اعلیٰ میانجیو نور محمد صاحب کی سوانح حیات پر ایک نئی کتاب شائع ہوئی ہے جو تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اس کتاب میں سلسلۂ امدادیہ کے اکابر و مشائخ کے واقعات و احوال نہایت تفصیل کے ساتھ جمع کئے گئے ہیں ۔ اپنے اکابر کے سلسلے میں دیو بندی مصنفین کے مشرکانہ غلو سے چونکہ میں خوب واقف ہوں اس لیے میں نے وہ کتاب خرید لی کہ ممکن ہے نشاندہی کے قابل کچھ چیزیں اس میں نکل آئیں ۔

سہارن پور میں جامعہ غوثیہ رضویہ کے سنگ بنیاد کانفرنس کی مصروفیات کی وجہ سے کتاب کے مطالعہ کا موقع مجھے نہیں مل سکا لیکن اپنے مستقر پر واپس لوٹنے کے بعد جب میں نے کتاب کا مطالعہ کیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کتاب کے مصنف نے اپنے مورث اعلیٰ کی سوانح حیات لکھنے کے بجائے اپنی جماعت کی مذہبی خودکشی اور فکری تصادم کی ایک نہایت خونریز تاریخ مرتب کی ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ آنے والے اوراق میں کتاب کے اقتباسات پڑھنے کے بعد قارئین کرام میری اس رائے سے مکمل اتفاق کریں گے ۔

کتاب کے مشتملات پر بحث کا آغاز کرنے سے پہلے قاری طیّب صاحب آنجہانی مہتمم دارالعلوم دیو بند کی ایک تحریر پیش کرنا چاہتا ہوں جو ٹائیٹل

کے آخری صفحہ پر درج ہے۔ اس تحریر سے دیوبندی حلقے میں کتاب کی ثقاہت
اور مقام اعتبار اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے۔ موصوف تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت قطب عالم میانجیو نور محمد جھنجھانوی قدس سرہٗ العزیز کی ذات
با برکات سلسلۂ چشتیہ اور سلسلۂ اکابر دیوبند میں ایک غیر معمولی ہستی
ہے۔ اس مقدس ہستی کی سوانح حقیقتہً تو تاریخوں اور دلوں میں لکھی لکھائی
موجود ہے۔ علم و فضل کا کون خانوادہ اور کون فرد ہے جو اس نور محمد
سے واقف نہیں لیکن رسمی طور پر صفحات قرطاس پر اس سوانح کے مرقوم
ہونے کی نوبت نہیں آئی تھی۔ الحمد للہ اس ضرورت کو ایک حد تک
جناب محترم نسیم صاحب علوی نے جو حضرت اقدس کی ذریت صالحہ
میں ہیں، پورا کر دیا ہے۔ اور حضرت میانجیو صاحب قدس سرہ کے حالات
طیبات جہاں تک انھیں کتب سے دستیاب ہوسکے انھوں نے
ایک اچھی ترتیب اور ممکنہ تحقیق کے ساتھ قلم بند فرما دیا ہے جس
کا یہ مجموعہ باصرہ نواز ناظرین ہو رہا ہے۔ ہم سب کو منشی صاحب
ممدوح کا ممنون ہونا چاہیئے کہ جنہوں نے اس مخفی اور منتشر علمی
خزانے کو یکجا کر کے مستفیدین کو استفادہ کا موقع بخشا ہے۔ حق تعالیٰ
ممدوح کو جزائے خیر عطا فرمائے، (سوانح میانجیو نور محمد
ٹائٹیل کا آخری صفحہ)

مصنف نے اصل موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر
کی تاریخ لکھتے ہوئے بتایا ہے کہ تقریباً ۵۷۶ھ میں سید سالار محمود سبزواری
نام کے ایک بزرگ جو زنجبار کے شہزادہ تھے اپنے پیر و مرشد کے حکم پر یہاں
تشریف لائے اور انہوں نے جھنجھانہ کے ظالم و بدکردار راجہ کے خلاف لشکر کشی

کی اور اسے کیفر کردار تک پہنچایا اور اسی جنگ میں انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا۔ اسی نسبت سے انھیں امام شہید بھی کہا جاتا ہے۔ لکھا ہے کہ

"امام شہید رحمۃ اللہ علیہ کا مرقد مقدس بھی جھنجھانہ ہی میں ہے اور زیارت گاہ خواص و عام ہے۔ دور و نزدیک کے مسلمان ہی نہیں بلکہ اہل ہنود حضرات بھی اس درگاہ سے بڑی عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور نذر و نیاز کرتے ہیں۔ ماہ محرم کی ۱۲ ر ۱۳ ر ۱۴ ر تاریخوں میں آپ کا عرس بھی ہوتا ہے"۔ (سوانح حیات حضرت میانجیو ص ۱۲)

اسی طرح شاہ اعظم خیالی نام کے ایک بزرگ کا تذکرہ کرتے ہوئے مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ ۲۳ ر ذی الحجہ ۹۴۹ھ میں آپ کا وصال ہوا بروز دوشنبہ آپ کی فاتحہ سوم کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کتاب کا مصنف لکھتا ہے۔!

۲۹ ر تاریخ دوشنبہ کے دن آپ کی مجلس سوم منعقد ہوئی جس میں اکثر اہل حال جیسے بندگی شیخ محمد یعقوب خراباتی، بندگی شیخ مبارک جھنجھانوی و شیخ یحییٰ مجذوب وغیرہ حاضر تھے۔

(سوانح حیات حضرت میانجیو ص ۲۹)

یہاں یہ بات نوٹ کر لینے کے قابل ہے کہ قصبہ جھنجھانہ میں عرس، نذر و نیاز، مجلس سوم، مرقد و گنبد اور اہل حاجات کی یہ ساری منہ بولی بدعات اس وقت سے رائج ہیں۔ جب کہ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ اس خاکدان ہستی میں تشریف بھی نہیں لائے تھے۔ کئی صدیوں کے بعد وہ بریلی کی سرزمین پر جلوہ فرما ہوئے لیکن حیرت ہے کہ اپنے گھر کی ان کھلی ہوئی شہادتوں کے باوجود دیوبندی علماء ان ساری بدعات کو اعلیٰ حضرت کی طرف منسوب کرتے ہوئے ذرا نہیں ٹھکتے۔ ان تاریخی حقائق کا خون کرتے ہوئے کچھ تو انہیں شرم کرنی چاہیئے تھی کہ جن کے

روحانی آباء و اجداد خود طرح طرح کی بدعتوں میں ملوث تھے وہ دوسروں کو کس مُنہ سے بدعتی اور جہنمی کہتے ہیں۔

؎ مجھ کو دیوانے بھی کہتے ہیں کہ دیوانہ ہے

اتنی تمہید کے بعد اب آیئے صاحب سوانح میانجیو نور محمد صاحب کے حالات زندگی پر کتاب کے چند اقتباسات کا جائزہ لیں۔ واضح رہے کہ حضرت میانجیو نور محمد، حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پیر و مرشد ہیں۔

لکھا ہے کہ میانجیو کی ولادت ۱۲۰۱ھ / ۱۷۸۶ء بمقام جھنجھانہ ہوئی۔ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد قصبہ لوہاری میں ایک معلّم کی حیثیت سے طویل عرصہ تک کام کرتے رہے۔ اسی قصبہ لوہاری کے متعلق شیخ دیوبند مولانا حسین احمد صاحب کے یہ تاثرات جنہیں اس کتاب کے مصنف نے نقل کیا ہے، دیدۂ حیرت سے پڑھنے کے قابل ہیں۔

آپ کے زمانہ میں ہندوستان کا دنیاوی پایۂ تخت تو دہلی تھا اور روحانی پایۂ تخت لوہاری تھا۔ اب جس کو روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی ہے اور جو قبلۂ روحانیت قرار پایا۔ اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہیں ہوگا اس کے ایک اشارۂ ابرو پر کرامت تو کیا قیامت کا ظہور ہو سکتا تھا۔ (سوانح میانجیو ص ۶۱)

ایک طرف اپنے دادا پیر کے ساتھ جذبۂ دل کی یہ فراوانی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مومنین کے آقا سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور ان کے پروردۂ نگاہ حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ان حضرات کے عقیدے کی یہ زبان پڑھئے۔

جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں۔

جسے روحانی دنیا کی بادشاہت مل گئی اس کے ہاتھ میں کیا کچھ نہیں ہو گا اور جسے پوری کائنات ارضی و سماوی کی حکومت و خلافت عطا ہوئی اسے کسی چیز کا اختیار نہیں واہ رے دیوبندی بوالعجبی!

واقعات میانجیو کے اختیارات و تصرفات کے ثبوت میں مصنف کتاب نے بہت سارے واقعات نقل کئے ہیں ان میں سے چند واقعات ذیل میں صرف اس لیے نقل کئے جاتے ہیں کہ قارئین کرام دیوبندی مذہب کے تضادات، مسلکی تصادم اور اصولوں سے انحراف کے عبرت انگیز نمونے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ اور غیر جانب داری کے ساتھ فیصلہ کریں کہ کتاب و سنت میں منافقین کی جو علامتیں بیان کی گئی ہیں وہ اس دور میں کن لوگوں پر منطبق ہوتی ہیں۔

پہلا واقعہ مصنف کتاب، حضرت میانجیو نور محمد صاحب کی غیبی قوت ادراک پر روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

آپ کی عجیب و غریب پیشین گوئی کا حال سنئے جس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ عارف کی نگاہ اس دنیا میں جنتی اور دوزخی کو پہچان لیتی ہے حضرت حاجی امداد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہمارے پیرومرشد کے ساتھ میرے پیر بھائی شیخ امام الدین تھانوی جھنجھانہ گئے تھے اور وہ زمانہ حضرت کے مرض الموت کا تھا، جب شیخ تھانہ بھون واپس آنے لگے تو حضرت نے فرمایا جسے دنیا میں جنتی دیکھنا ہو ان کو دیکھ لے۔ (سوانح میانجیو ص ۶۵)

ایک طرف اپنے دادا پیر میانجیو نور محمد صاحب جھنجھانوی کے بارے میں دیوبندی علماء کا یہ کھلا ہوا اعتراف ملاحظہ فرمایئے کہ کون جنتی ہے اور کون دوزخی

ہے یہ معلوم کرنے کی قوت انہیں دنیا ہی میں حاصل تھی اور وہ صرف دیکھ کر بتا دیتے تھے کہ یہ جنتی ہے اور وہ دوزخی ہے لیکن حبیب کبریا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علماء دیوبند کا یہ عقیدہ اب ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ حضور کو خود اپنے خاتمہ کی بھی خبر نہیں تھی دوسروں کا حال تو انہیں کیا معلوم ہوتا — !

اب اس کے بعد بھی اگر کوئی کہتا ہے کہ علماء دیوبند کے ساتھ اہل بریلی کے اختلاف کی کوئی حقیقی بنیاد نہیں ہے تو اسے اپنی رائے کی غلطی واضح طور پر محسوس کرنی چاہیئے۔

دوسرا واقعہ

لکھا ہے کہ جھنجھانہ ہوتے ہوئے جوگیوں کا ایک گروہ ہر دوار گنگا اشنان کرنے جا رہا تھا اس نے جھنجھانہ میں میانجیو کے مہمان کی حیثیت سے ایک رات قیام کیا۔ صبح جب روانگی کا وقت آیا تو اجازت لینے کے لیے ان کا گرد خدمت میں حاضر ہوا۔ اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کتاب کی زبانی سنئے۔

اور عرض کیا ہم ہر دوار جا رہے ہیں ہمارے لائق کوئی خدمت ہو تو فرمایئے آپ نے ان کو اپنا لوٹا دیا اور فرمایا کہ ہمارا یہ لوٹا گنگا مائی کو دے دینا اور کہنا کہ یہ لوٹا میانجیو نور محمد نے دیا ہے اور کہا ہے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے بھر دے اگر وہ بھر کر نہ دے تو مت لانا۔

(سوانح ص ۶۷)

اب اس کے بعد کا واقعہ دیدہ خون آشوب سے پڑھنے کے قابل ہے لکھا ہے کہ

لوگ اشنان وغیرہ سے فارغ ہو کر ہر دوار سے لوٹنے لگے تو ہر کی پیڑی پر کھڑے ہو کر کہا کہ یہ لوٹا میانجیو نے دیا ہے اسے جل سے بھر دو۔ فوراً گنگا میں سے ایک زنانہ اور نہایت خوبصورت ہاتھ جس

کو مہندی لگی ہوئی تھی اور چوڑیاں پہنے ہوئے تھا برآمد ہوا اور لوٹا لے لیا اور اسے گنگا جل سے بھر کر واپس کر دیا پھر وہ پانی سے بھرا ہوا لوٹا اس گرو نے آکر حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور یہ تمام ماجرا بیان کیا۔

(سوانح میانجیو ص ۶۸)

واقعہ نگار نے اس گنگا جل کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے کہ وہ پرساد کی طرح آپس میں تقسیم کیا گیا۔ یا تبرک کے طور پر اسے محفوظ رکھ لیا گیا لیکن واقعہ کی بنیاد پر مندرجہ ذیل سوالات کی زد سے علماء دیوبند اپنے آپ کو ہرگز نہیں بچا سکیں گے کہ

(۱) گنگا مائی کے لفظ کے ساتھ جو عقیدہ لپٹا ہوا ہے وہ اہل اسلام کا ہے۔ یا ہند کے مشرکین کا؟ اگر اہل اسلام کا ہے تو اسلام کا شرک کے ساتھ تصادم کس بات میں ہے اور کیوں ہے؟ اور اگر ہند کے مشرکین کا ہے تو علماء دیوبند اسے بیان کرکے کس کے عقیدے کی ترجمانی کر رہے ہیں واضح طور پر بتایا جائے؟

(۲) کیا یہ واقعہ ہندوؤں کے اس مشرکانہ عقیدے کی صحت کے لیے دلیل فراہم نہیں کرتا کہ دریائے گنگا میں گنگا مائی کے نام سے کسی عورت کا وجود فرضی نہیں ہے بلکہ امر واقعی ہے۔ کیا علماء دیوبند اس الزام سے انکار کر سکیں گے کہ ان کے دادا پیر نے اپنے کشف و کرامات کے ذریعہ ہندوؤں کے ایک مشرکانہ عقیدے کی توثیق فرمائی ہے۔

(۳) ہندوؤں کے عقیدے میں گنگا مائی کے نام سے کسی عورت کا وجود فرضی ہے اور اختراعی ہے تو علمائے دیوبند جواب دیں کہ مہندی اور چوڑی والا یہ خوبصورت ہاتھ کس کا ہے؟ جس کا مشاہدہ کرایا گیا۔

(۴) اور اس سوال کا جواب بھی دیا جائے کہ کیا خدائے قدیر اپنے مقرب بندوں

کو کشف و کرامات کی قدرت کفر کی تائید کے لیے عطا کرتا ہے؟ اگر نہیں تو تصرف کا یہ واقعہ کس خانے میں رکھنے کے قابل ہے؟

تیسرا واقعہ لکھا ہے کہ جھنجھانہ کے کسی پٹھان کا لڑکا فوج میں بھرتی ہو کر کسی لڑائی پر گیا ہوا تھا جب بہت دن ہو گئے تو اس کے باپ نے میانجیو کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ دعا کر دیجئے کہ میرا لڑکا بخیر و عافیت گھر واپس آجائے جب کچھ دنوں کے بعد لڑکا اپنے گھر واپس آیا تو اس نے اپنی یہ سرگزشت سنائی کہ

ایک روز میں میدان جنگ میں تھا اور جنگ جاری تھی اور گولیوں کی بوچھار ہو رہی تھی میں ایک گولی کی زد میں آیا ہی چاہتا تھا کہ اچانک حضرت میانجیو صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک طرف کھینچ لیا۔ اگر آپ ایسا نہ کرتے تو میں گولی کا نشانہ بن جاتا۔ جب تحقیق کیا تو یہی وہ دن تھا جس دن آپ سے دعا کی درخواست کی گئی۔

(سوانح میانجیو ص ۷۴)

اگر لڑکے کا بیان صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ میانجیو کے اندر زبردست غیبی قوت ادراک تھی کہ انہوں نے جھنجھانہ میں بیٹھے بیٹھے یہ معلوم کر لیا کہ لڑکا فلاں مقام پر میدان جنگ میں ہے اور وہ گولیوں کی زد پر ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ان کے اندر تصرف کی بھی زبردست قوت تھی کہ پلک جھپکتے وہاں پہنچ گئے اور لڑکے کو گولیوں کی زد سے بچا لیا لیکن غیبی قوت ادراک اور تصرف کا یہ عقیدہ جسے میانجیو کے حق میں بطور واقعہ تسلیم کیا گیا ہے۔ اسے علمائے دیوبند سید الانبیاء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں شرک سمجھتے ہیں۔ حوالہ کے لیے تقویۃ الایمان کا کوئی بھی ورق کھول لیجئے آپ کی آنکھیں

پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔

چوتھا واقعہ لکھا ہے کہ اپنی وفات کے وقت میانجیو نور محمد صاحب نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو اپنے قریب بلایا اور الوداعی کلمات ارشاد فرمائے کہ میرا ارادہ تھا کہ سلوک کی منزل طے کرانے کے لیے تم سے مجاہدہ اور مشقت لوں گا لیکن مشیت ایزدی میں کوئی چارہ نہیں۔ عمر نے وفا نہ کی۔ اس کے بعد حاجی صاحب کی زبانی مصنف کتاب نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں۔

حضرت جی نے جب یہ کلمہ فرمایا میں پٹی میانہ (ڈولہ) کی پکڑ کر رونے لگا۔ حضرت نے تسلی وتشفی دی اور کہا کہ فقیر مرتا نہیں صرف ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل ہوتا ہے۔ تم کو فقیر کی قبر سے وہی فائدہ ہوگا جو ظاہری زندگی میں میری ذات سے ہوتا تھا۔

(سوانح میانجیو ص ۷۶)

سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف تک سے کسی فائدہ کا عقیدہ رکھنا دیوبندی مذہب میں شرک ہے لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ اسی شرک کو کتنی خوبصورتی کے ساتھ یہاں ایمان بنا لیا گیا ہے۔ اب اس عقیدے کو امر واقعہ بنانے کے لیے مصنف کتاب کی یہ تمہید ملاحظہ فرمایئے۔ تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد بھی آپ کی روح پُر فتوح سے وہی فیضان وعرفان کا سرچشمہ جاری ہے اور آپ کے ارشاد عالی کے مطابق آپ کے مزار مقدس سے بھی وہی فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں جو آپ کی ذات قدسی صفات سے ہوتے تھے۔

(سوانح میانجیو ص ۷۸)

اس سلسلے میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا بیان چشم حیرت سے پڑھنے کے قابل ہے۔

قطب عالم حضرت میانجیو رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ میری وفات کے بعد دیکھنا ہماری روشنی کس قدر پھیلے گی۔ چنانچہ مشاہدہ ہے۔ جہاں آپ کے چراغ سے جلے ہوئے نئے اور پرانے چراغ تمام عرب و عجم میں جگمگا رہے ہیں وہاں خود عرفان و فیضان الٰہی کا چراغ بھی مرقد کے سرہانے ہنوز جل رہا ہے اور ہمیشہ جلتا رہے گا۔

(سوانح میانجیو ص ۷۸)

پانچواں واقعہ

اب اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ وفات کے بعد بھی آپ کی روح پر فتوح سے وہی فیضان و عرفان کا سرچشمہ جاری ہے مصنف کتاب نے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ــــــ!

یہ عجیب تربات ہے کہ حضرت کے مزار معلی سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کئے بلکہ مادی فوائد بھی ان کو حسب ضرورت پہنچے۔ ایک بار حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے فرمایا کہ میرے حضرت کا ایک جولاہا مرید تھا۔ بعد انتقال حضرت کے مزار پر بعد فاتحہ اس نے عرض کی حضرت میں بہت پریشان اور تنگی معاش میں مبتلا ہوں میری کچھ دستگیری فرمایئے۔ حکم ہوا تم کو ہمارے مزار سے دو آنے روز ملا کریں گے۔ ایک مرتبہ میں زیارت کو گیا وہ شخص بھی حاضر تھا اس نے کل کیفیت بیان کر کے کہا مجھے ہر روز وظیفہ مقررہ پائیں قبر (قبر کی پائنتی) سے ملا کرتا ہے۔

(سوانح میانجیو ص ۷۹)

چھٹا واقعہ مصنف کتاب نے اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں کہ حضرت کے مزار معلی سے فیض اٹھانے والوں نے صرف روحانی فیوض ہی حاصل نہیں کئے بلکہ مادی فوائد بھی انہیں حسب ضرورت حاصل ہوئے ایک اور تہلکہ خیز واقعہ نقل کیا ہے۔ لکھا ہے کہ محمد صادق نام کے ایک صاحب تھے۔ جو مولانا شیخ محمد تھانوی کے مرید تھے۔ ایک دن ان کی نماز تہجد قضا ہوگئی تو ان کے پیر نے حکم دیا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ یہاں تمہارا کام نہیں اپنے پیر کے حکم کے مطابق وہ اپنے گھر چلے آئے اور دل میں طے کیا کہ اپنے دادا پیر میاں جیو کے مزار پر حاضری دینی چاہیئے۔ ان کے پاس زاد راہ کے لیے صرف دو پیسے تھے ایک پیسہ کا ستو اور ایک پیسہ کی شکر لے کر وہ تھانہ بھون سے جھنجھانہ کے لیے روانہ ہو گئے لکھا ہے کہ میاں جیو کے مزار پر پہنچنے کے بعد پانچ وقت ستو سے گزر گیا۔ چھٹے وقت جب کھانے کے لیے پاس کچھ نہ رہا تو میاں جیو کے مزار سے لپٹ کر خوب روئے اب اس کے بعد کا واقعہ خود مصنف کی زبانی سنئے لکھتے ہیں کہ

شب میں حضرت میاں جیو کو خواب میں دیکھا فرما رہے ہیں کہ محمد صادق! لے اپنے دو پیسے جو تیرے خرچ ہوئے ہیں۔ آنکھ کھلی تو ہاتھ میں دو پیسے تھے (مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ) صبح کو میں حضرت میاں جیو کے مزار کی مسجد میں تھا کہ ایک صاحب (یعنی میاں جیو کے بھتیجے) نے آکر آواز دی۔ مسجد میں کوئی محمد صادق صاحب ہیں۔ میں پہنچا۔ وہ آنے والے صاحب ایک خوان میں کھانا لیئے ہوئے تھے جو گرم تھا وہ فرمانے لگے کہ رات چچا جان خواب میں آئے اور فرمایا ہمارے مزار پر محمد صادق مہمان تین دن سے آئے ہوئے ہیں ان کے دو پیسے خرچ ہوئے تھے وہ تو ہم نے ان کو دے دیئے لیکن وہ رات سے بھوکے

ہیں ان کو کھانا کھلاؤ۔ (سوانح میانجیو ص ۷۹)

اب اس کے بعد کا واقعہ سنئے مصنف کتاب محمد صادق کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ

میں کھانا کھا کر نماز چاشت پڑھ کر فارغ نہیں ہوا تھا کہ گاڑی کے زنگولے (گڑگڑاہٹ) کی آواز آئی۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تشریف لائے ہیں اور فرمایا کہ محمد صادق ہمارے ساتھ چلو۔ رات حضرت میانجیو نے فرمایا ہے تم اسے لے آؤ ہمارے یہاں سختی نہیں ہے۔ (سوانح میانجیو ص ۸۰)

اب غیر جانب داری کے ساتھ اس واقعہ کا جائزہ لیجئے تو دیوبندی مذہب کے مطابق آپ کو اس واقعہ کے ساتھ بہت سے شرکیہ عقیدے لپٹے ہوئے نظر آئیں گے۔ مثال کے طور پر۔

(۱) اگر انہیں علم غیب نہیں تھا تو ان کو یہ بات کیونکر معلوم ہوئی کہ اس سفر میں محمد صادق کے دو پیسے خرچ ہوئے ہیں اور وہ رات سے بھوکا ہے۔

(۲) اگر ان کو علم غیب نہیں تھا تو انہیں یہ بات کیونکر معلوم ہوئی کہ شیخ محمد تھانوی نے تہجد کی نماز قضا ہونے پر ان کے ساتھ سختی کی ہے اور انہیں اپنے یہاں سے نکال دیا ہے۔ لہٰذا اسے واپس بلا لیا جائے۔

(۳) اگر ان کے اندر بعد مردن تصرف کی قوت نہیں تھی تو دو پیسے وہ کہاں سے لائے اور خواب میں اس کے ہاتھ پر رکھ کر چلے گئے۔

(۴) اگر وہ صاحب تصرف سمیع وبصیر اور خزانۂ الٰہی کے مالک نہیں تھے تو دیوبندی بولی میں اس غریب جولاہے کو دو آنے یومیہ ان کی قبر کی پائنتی سے کیونکر ملا کرتا تھا۔

ان سارے سوالات کے خلاف تقویۃ الایمان، بہشتی زیور اور فتاویٰ رشیدیہ کے سیاہ اوراق چیخ رہے ہیں اور بیانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ غیب دانی اور تصرف کا یہ عقیدہ ولی تو ولی بلکہ نبی، بلکہ سید الانبیاء تک کی قبر شریف کے ساتھ بھی صریح شرک اور کھلی ہوئی بت پرستی ہے۔ اور اس طرح کی قدرت خدا کی ذات کے سوا کسی کے اندر بھی موجود نہیں ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہی صریح شرک اور کھلی ہوئی بت پرستی دیوبندی علماء کے یہاں اپنے گھر کے بزرگوں کے حق میں کس طرح عین اسلام، عین توحید اور امر واقعہ بن گیا ہے ؎

پیرہن پھاڑیں غنچے تو وہ زینت ٹھہرے

ہم گریباں بھی کریں چاک تو رسوائی ہے

ہے کوئی حق کا سچا حمایتی جو ہماری مظلومی کے ساتھ انصاف کرے اور دیوبندی مولویوں سے پوچھے کہ جب تمہارے یہاں بھی بزرگوں کی قبروں سے روحانی اور مادی فوائد حاصل ہوتے ہیں تو اب علماء اہل سنّت کے خلاف تمہارا الزام کیا ہے؟ طرح طرح کے بدعات میں جو خود ملوث ہوا سے دوسروں کو بدعتی کہنے کا کیا حق پہنچتا ہے؟

ایک طرف قبر پرستی اور اس کی ترغیب کا یہ منظم کاروبار دیکھئے اور دوسری طرف یہ منافقانہ کردار ملاحظہ فرمایئے کہ یہ لوگ نجدیوں کے سامنے اپنے آپ کو ہندوستان میں توحید کا سب سے بڑا اجارہ دار بنا کر پیش کرتے ہیں اور نجدی حکومت کا تقرب حاصل کر کے یہ لوگ علماء بریلی کے خلاف لگانے بجھانے اور منافرت پھیلانے کا کام اتنی پابندی کے ساتھ انجام دیتے ہیں کہ اب یہی ان کا ذریعہ معاش بن گیا ہے نجدی حکومت سے کروڑوں ریال انہوں نے صرف اس نام پر حاصل کیا ہے کہ شرک و بدعت کے خلاف جنگ کرنے

کے لیے ہندوستان میں جگہ جگہ مدارس کھولیں گے اور مراکز قائم کریں گے۔
کاش! نجد کے قاضیوں کو معلوم ہو جاتا کہ کتاب التوحید کے ساتھ وفاداری کا حلف اٹھانے والے یہ دیوبندی علماء اندر سے کتنے بڑے مشرک، بدعتی اور قبر پرست ہیں لیکن مادی منفعت[1] کی لالچ میں وہابی مذہب کے ساتھ یہ منسلک ہو گئے ہیں۔ آج حرمین طیبین پر نجدیوں کی حکومت ہے تو وہاں یہ لوگ حکومت کو خوش کرنے کے لیے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے مقربین کے خلاف ایسی گستاخانہ تقریریں کرتے ہیں کہ ہندو پاک میں کریں تو زبان کھینچ لی جائے۔ لیکن کل اگر نجدیوں کی حکومت کا تختہ پلٹ جائے اور ایسی حکومت برسر اقتدار آجائے جو رسول پاک اور ان کے مقربین کی وفادار ہو تو ایک ہی رات میں یہ نجدیوں کے سب سے بڑے دشمن اور رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے بڑے جاں نثار بن جائیں گے۔

---

[1] موسم اور مفاد کے مطابق مذہب کی تبدیلی کا یہ کارنامہ علماء دیوبند پہلے بھی انجام دے چکے ہیں۔ چنانچہ نجدی اقتدار اور ان کے ریال کی جھنکار سے پہلے علمائے دیوبند ابن عبدالوہاب نجدی کو گمراہ، بددین اور گستاخ رسول کہا اور لکھا کرتے تھے۔ ثبوت کے لیے مولانا حسین احمد ٹانڈوی شیخ دیوبند کی مشہور کتاب "الشہاب الثاقب" ملاحظہ کریں۔ لیکن بعد میں جب انہوں نے دیکھا کہ ہندوستان کے غیر مقلدین نجدی سعودی عقائد سے ہمنوائی کے طفیل سعودی ریال سے مالا مال ہو رہے ہیں تو دنیائے دیوبند کے معتمد و مستند علماء ملا فرقان صاحب، مولانا منظور نعمانی صاحب، شیخ التبلیغ زکریا کاندھلوی صاحب، قاری طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مل جل کر یہ فیصلہ کیا کہ اب ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف اپنے

علماء کی تحریروں سے رجوع کیا جائے اور وہابیوں کو اچھا گردانا جائے تاکہ ہمیں بھی
ریال سے مالا مال ہونے کا موقع ملے۔ چنانچہ یہاں منظور سنبھلی صاحب نے اس
سلسلے میں ایک کتاب بھی لکھی جس کا نام ہے "شیخ ابن عبدالوہاب نجدی کے خلاف
پروپیگنڈہ" جس میں موصوف نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور اس بات پر لگایا ہے کہ
ہمارے علماء نے ابن عبدالوہاب کو جو کچھ لکھا ہے وہ غلط ہے اور صحیح یہ ہے کہ وہ
نیک آدمی تھا اور اس کے عقائد اچھے تھے اس چوٹی کی کتاب پر مہتمم دارالعلوم
دیوبند اور شیخ التبلیغ صاحب کی زوردار تقریظ و تصدیق بھی ہے اور خاص بات
یہ ہے کہ اس کتاب کو پہلے عربی زبان میں شائع کیا گیا اور پھر اردو میں تاکہ حکمران
نجد کا ذہن صاف کیا جائے اور مال منفعت ملنے میں دیر نہ ہو۔

(عبدالمبین نعمانی)

تصانیف حضرت علامہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہٗ
سنی بہشتی زیور (اول تا نہم)
سبع سنابل اردو
ہماری نماز
فیصلہ ہفت مسئلہ (توضیحات تشریحات)
حکایاتِ رضویہ
روشنی کی طرف
ہمارا اسلام مکمل نو حصے
الصلوٰۃ (مجلد)
تفسیر سورۂ نور (چادر اور چار دیواری)
نور علیٰ نور
دس عقیدے
عقائدِ اسلام
فرید بک سٹال
۳۸- اردو بازار لاہور

تصانیف سلطان الواعظین مولانا ابو النور محمد بشیر صاحب کوٹلی لوہاراں

واعظ (۴ جلد)	سچی حکایات ۵ جلد
خطبات (۲ جلد)	خطیب
مفید الواعظین	دیوبندی علما کی حکایات
شیطان کی حکایات	عورتوں کی حکایات
سنی علما کی حکایات	مثنوی کی حکایات
عجائب الحیوانات	جبریل کی حکایات
آنا جانا نور کا میلاد نامہ معراج نامہ	دلائل المسائل
فقہ الفقیہ	جامع المعجزات
نماز حنفی مدلل	جبل نور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (النحل ۸۹)

اور ہم نے آپ پر اِس کتاب کو نازل کیا ہے جو ہر چیز کا روشن بیان ہے،

سات ضخیم جلدوں میں شرح صحیح مسلم کی تکمیل اور عالم گیر مقبولیت اور شان دار پذیرائی کے بعد
شیخ الحدیث علامہ غلام رسول سعیدی عم فیوضہٗ کی ایک اور فکر انگیز اور علمی تصنیف

قرآن مجید کی تفسیر بہ نام

تبیان القرآن

اہل علم اور اربابِ ذوق کی تسکین کے لیے اِنْ شاءَ اللہ عنقریب زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہے

چند خصوصیات

★ قرآن مجید کا سلیس اور با محاورہ ترجمہ اور آسان اردو میں قرآن کریم کی تشریح،
★ احادیث، آثار اور اقوال تابعین پر مبنی قرآنی آیات کی تشریح،
★ قرآن مجید کی آیات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، جلالت اور آپ کی خصوصیات کا استنباط،
★ عقائد اسلامیہ میں عقائد اہل سنت کی حقانیت اور فقہی مذاہب میں فقہ حنفی کی ترجیح،
★ مفسرین کی چودہ سو سالہ کاوشوں کا حاصل، مجتہدین کی آرا پر نقد و تبصرہ اور تصوف کی چاشنی،
★ مشکلاتِ اعرابِ قرآن کا حل، عصری مسائل پر محققانہ ابحاث اور مذاہبِ باطلہ کا مہذب رد،

یہ ایک ایسی تفسیر ہوگی جس کی مدتوں سے اہلِ ذوق کو تلاش اور پیاس تھی جس کی ضرورت، اہمیت اور افادیت صدیوں تک باقی رہے گی۔

تصانیف علامہ حضرت مفتی محمد خلیل خاں برکاتی قدس سرہ
سُنی بہشتی زیور (اول تا نہم)
ہمارا اسلام مکمل نو حصے
سبع سنابل اردو
الصلوٰۃ (مجلد)
ہماری نماز
تفسیر سورۂ نور (چادر اور چار دیواری)
فیصلہ ہفت مسئلہ (توضیحات تشریحات)
نورٌ علیٰ نور
حکایاتِ رضویہ
دس عقیدے
روشنی کی طرف
عقائدِ اسلام
134
فرید بک سٹال، ۳۸ اردو بازار، لاہور